ماہنامہ
حنا
مئی 2013
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

انٹرویو

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط وکتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

افسانے

مستقل سلسلے

کچھ باتیں ہماریاں

قارئین کرام! مئی 2013ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

انتخابات کی آمد آمد ہے، یہ مہینہ انتخابات کا مہینہ ہے، مگر اب تک جب یہ سطور رقم کی جا رہی ہیں، انتخابات کا ماحول نہیں بن رہا ہر شخص تذبذب کا شکار ہے کہ انتخابات ہونگے کہ بھی نہیں، پاکستان کے مستقبل کے لئے یہ انتخابات بہت اہم ہیں، کہ قوم نے اپنے ووٹ کی طاقت سے اپنے آئندہ حکمرانوں کا فیصلہ کرنا ہے، سابقہ حکمرانوں کی کارکردگی آپ کے سامنے ہے، انہوں نے اپنے دور حکمرانی میں جس طرح لوٹ کھسوٹ مچائی ہے اور ملکی خزانے کی بندر بانٹ کی ہے وہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ ملک ترقی کرے اور یہاں قانون کی حکمرانی ہو، روز افزوں مہنگائی، بجلی اور گیس کی لوڈشیڈنگ سے نجات ہو اور امن وامان کی صورتحال بہتر ہو تو گیارہ مئی کو اپنے ووٹ کا استعمال ضرور کیجئے گا اور سوچ سمجھ کر ووٹ ڈالیے گا، کہ آپ کے ووٹ سے ہی ایک نیا پاکستان تعمیر ہوگا، ایک مخلص ایماندار اور وطن پرست قیادت ہی ترقی یافتہ پاکستان کی ضامن ہے، ہمیں آپ سے کہنا ہے، ووٹ ڈالتے وقت امیدوار کا کردار ضرور ملحوظ رکھیں ترقی یافتہ اور مستحکم پاکستان کے لئے اچھے لوگوں کو ووٹ دیں۔

دعائے مغفرت:۔ مئی کا مہینہ جب بھی شروع ہوتا ہے دل کو ایک ٹھیس سی لگتی ہے کہ مئی کی دس تاریخ پھر قریب آ رہی ہے۔ جس دن میرا بھائی محمود ریاض ہم سب کو اداس چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملا تھا مئی کی دس تاریخ کو محمود ریاض کی بارویں برسی منائی جا رہی ہے، میری قارئین سے التماس ہے کہ ان کے ایصال ثواب کے لئے دعا کریں۔

اس شمارے میں:۔ کرکٹر شاہد آفریدی سے ملاقات، فوزیہ احسان، مصباح علی تارڑ اور قرۃ العین رائے کے مکمل ناول، سندس جبیں اور سعدیہ عابد کے ناولٹ، نسرین خالد، حمیرا خان اور ثمینہ شفقت کے افسانے، اُم مریم کے سلسلے وار ناول کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

مہک پھولوں کی ، بلبل کی نوا تو
سحر کا نور تو ، جان صبا تو

درون داغ دل مانند شبنم
وفور یاس میں آہ رسا تو

کبھی ساحل پہ تو حرف تمنا
کبھی گرداب میں حرف دعا تو

کہیں قوس قزح میں رنگ تیرا
کہیں کالی گھٹاؤں میں ملا تو

توئی سب بے سہاروں کا سہارا
نہیں جس کا کوئی اس کا ہوا تو

روشنی میں عکس شبنم میں ، ہوا میں
ہوا محسوس مجھ کو بارہا تو

میں اک قطرہ ، تو بے پایاں سمندر
میں مشت خاک اور ارض و سما تو

بشیر اعجاز

نعت رسول مقبول ﷺ

عقیدت کے سبھی پھول پر نور ہو گئے
اشعار میری نعت کے منظور ہو گئے

نعت جیب جب بھی کہی میں نے جھوم کے
آزار میری جاں کے سب دور ہو گئے

عشق رسولؐ میں گرے آنسو وفور میں
آنکھوں کے جو دریچے تھے پرنور ہو گئے

جو پڑھ سکے نہ آج تک کلمہ طیب
رحمت سے اپنے رب کی بہت دور ہو گئے

یہ آپؐ کا کرم ہے کہ الفاظ نعت کے
مدینے کے طول و عرض میں مشہور ہو گئے

جب سے حریم پاک سے وابستگی ہوئی
غم ہائے روز و شب میرے کافور ہو گئے

سہراب مت ڈرو ، سنو یہ غیب کی صدا
اشک وفا سبھی تیرے پرنور ہو گئے

سہراب جنگ لدھیانوی

سید اختر ناز

شوہر کی خوشی

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ فرمارہے تھے۔

''جو عورت اس حال میں فوت ہوئی کہ اس کا خاوند اس سے خوش تھا تو وہ جنت میں جائے گی۔''

بہترین عورت

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''دنیا (عارضی) فائدے کی چیز ہے اور دنیا کے ساز وسامان میں نیک عورت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔''

فوائد ومسائل:۔

دنیا کی چیزوں سے حلال طریقے سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے، ترک دنیا جائز نہیں۔

دنیا کی چیزیں اس انداز سے استعمال کرنی چاہئیں کہ آخرت میں فائدہ حاصل ہو۔

نیک عورت ایک بڑی نعمت ہے کیونکہ وہ دنیا کے معاملات میں بھی اچھی مشیر ثابت ہوتی ہے، اچھی شریک حیات ہوتی ہے اور آخرت کے معاملات میں بھی خاوند سے تعاون کرتی ہے، اس طرح دونوں کو بلند درجات حاصل ہو جاتے ہیں۔

نیک مرد بھی عورت کے لئے ایک ایسی ہی نعمت ہے۔

سب سے بڑی دولت

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، جب سونے چاندی کے بارے میں حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام نے (آپس میں) کہا۔

''ہم کون سا مال حاصل کریں؟''

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

''میں تمہیں یہ (مسئلہ) معلوم کرکے بتاتا ہوں۔''

انہوں نے اپنے اونٹ کو تیز چلایا، حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئے، (ثوبان فرماتے ہیں) میں بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔

حضرت عمرؓ نے کہا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم کون سا مال حاصل (کرنے کی کوشش) کریں؟''

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہیں چاہیے کہ شکر کرنے والا دل حاصل کرو اور ذکر کرنے والی زبان اور مومن بیوی جو آخرت کے معاملات میں مرد کی مدد کرے۔''

فوائد ومسائل:۔

اللہ کا ذکر اور اللہ کا شکر بہت بڑی نعمت ہے جس کو ان کاموں کی توفیق مل گئی، اسے بہت بڑی دولت حاصل ہوگئی۔

سونے چاندی کے بارے میں نازل ہونے والا حکم یہ ہے۔

ترجمہ:۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجئے۔''

(سورہ توبہ:34)

مال اچھی چیز ہے لیکن اس سے اہم انسان کی اخلاقی خوبیاں ہیں، خاص طور پہ صبر اور شکر کی بہت اہمیت ہے۔

جس عورت کے دل میں ایمان ہوگا وہ خود بھی آخرت کو سامنے رکھے گی اور خاوند کو نیکی کی راہ پہ چلنے میں مدد دے گی، اس لئے ایسی نیک عورت اللہ کی بڑی نعمت ہے، مسلمان مرد کو ایسی عورت کی قدر کرنی چاہیے۔

نیک بیوی

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

''مومن کو اللہ کے تقوے کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی چیز نہیں مل سکتی، (ایسی بیوی کہ) جب وہ اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی تعمیل کرے، جب اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے تو اسے خوش کردے، اگر اسے کوئی قسم دے تو وہ قسم پوری کردے، اگر وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو (سفر وغیرہ میں چلا جائے) تو اپنی ذات کے بارے میں اور اس کے مال کے بارے میں اس سے مخلص رہے۔ (خیانت نہ کرے)۔''

6 دین والی عورت سے نکاح کرنا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''عورتوں سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے، (کسی سے) اس کے مال کی وجہ سے، (کسی سے) اس کے حسب ونسب کی وجہ سے، (کسی سے) اس کے حسن وجمال کی وجہ سے، (کسی سے) اس کی دین داری (اور نیکی) کی وجہ سے، تو دین دار عورت (کے حصول میں) کامیاب ہوجا، تیرا بھلا ہو۔''

فوائد ومسائل:۔

نکاح کا تعلق زندگی بھر کے لئے ہوتا ہے، اس لئے زندگی کا ساتھی تلاش کرنے میں کوشش کی جاتی ہے کہ وہ ایسا فرد ہو جس کے ساتھ زندگی خوش گوار ہوجائے۔

اچھی بیوی یا اچھے خاوند کی خواہش ایک جائز خواہش ہے، تاہم اس انتخاب کا معیار درست ہونا چاہیے۔

اکثر لوگ ظاہری چیزوں کو افضلیت کا معیار سمجھتے ہیں، بہت سے لوگ مال دار خاندان میں شادی کرنا پسند کرتے ہیں تاکہ ان کی دولت میں حصے دار ہوسکیں، حالانکہ دولت ڈھلتی چھاؤں ہے، امیر آدمی دیکھتے دیکھتے مفلس ہوجاتے ہیں اور غریب آدمی کے دن پھر جاتے ہیں اور اسے دولت حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے دائمی تعلق قائم کرنے کے لئے یہ معیار قابل اعتماد نہیں۔

بہت سے لوگ معزز خاندان میں رشتہ کرنا پسند کرتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ دنیا میں معزز سمجھے جانے والے خاندان کا ہر فرد اخلاق وکردار کے لحاظ سے بھی اعلا ہو۔

اکثر لوگ ظاہری حسن و جمال پر فریفتہ ہوتے ہیں لیکن یہ معیار انتہائی ناقابل اعتماد ہے کیونکہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ حسن میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔

اصل قابل اعتماد معیار نیکی اور تقویٰ ہے، نیک بیوی غریبی میں بھی باوقار رہتی ہے اور

امارت میں مغرور ہو کر خاوند کی توہین نہیں کرتی، اونچے خاندان کی عورت میں اکثر نخوت وتکبر کی بد عادت پائی جاتی ہے اور وہ اپنے خاوند پر حکم چلانے کی کوشش کرتی ہے، جس کی وجہ سے خاوند اور بیوی میں محبت پیدا نہیں ہو پاتی، جو خوش گوار زندگی کے لئے ضروری ہے، لیکن نیک بیوی جو خاوند کے حقوق وفرائض سے آگاہ ہے، وہ اونچے خاندان کی ہو یا ادنیٰ خاندان کی، گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔

(تربت یداک) اس کے لفظی معنی یہ ہیں، ''تیرے ہاتھوں کو مٹی لگے)۔'' یعنی تو مفلس ہو جائے، تیرے ہاتھ میں خاک کے سوا کچھ نہ رہے لیکن اہل عرب یہ محاورہ اس معنی میں نہیں بولتے بلکہ تعریف یا مذمت کے موقع پہ یہ جملہ بولتے ہیں۔

یہاں تعریف مراد ہے کہ جسے نیک عورت مل گئی، وہ قابل تعریف ہے کہ اس کی زندگی اچھی گزرے گی اور نیکی میں تعاون کرنے والی نیک بیوی کی وجہ سے آخرت بھی اچھی ہو جائے گی اور ہر لحاظ سے اس کا بھلا ہو جائے گا۔

انتخاب

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''عورتوں سے ان کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو، ممکن ہے ان کا حسن انہیں (تکبر میں مبتلا کر کے) تباہ کر دے، ان سے ان کے مال کی وجہ سے نکاح نہ کرو، ممکن ہے ان کا مال انہیں سرکش بنا (کر گناہوں میں مبتلا کر) دے، البتہ ان کے دین کو پیش نظر رکھتے ہوئے نکاح کیا کرو، ایک سیاہ فام، ناک کٹی، دین دار لونڈی (خوبصورت، بے دین آزاد عورت سے) افضل ہے۔''

کنواری لڑکی سے نکاح کرنا

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں، میں نے ایک خاتون سے نکاح کیا، (اس کے بعد جب) میری ملاقات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جابر! کیا آپ نے شادی کر لی؟''

میں نے کہا۔

''جی ہاں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کنواری سے یا بیوہ سے؟''

میں نے کہا۔

''بیوہ سے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کنواری سے کیوں نہ کی، جس سے تم دل بہلاتے؟''

میں نے کہا۔

''میری کئی بہنیں تھیں، مجھے ڈر محسوس ہوا کہ وہ میرے اور ان کے درمیان حائل نہ ہو جائے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تب یہ بات درست ہے۔''

فوائد ومسائل:۔

نکاح کے وقت تمام دوستوں اور رشتے داروں کا اجتماع ضروری نہیں۔

اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کے حالات معلوم کرنا اور ان کی ضرورتیں ممکن حد تک پوری کرنا اچھی عادت ہے۔

بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنا عیب نہیں،

حدیث میں ''ثیب'' کا لفظ ہے، جو بیوہ اور طلاق یافتہ عورت دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

جوان آدمی کے لئے جوان عورت سے شادی کرنا بہتر ہے کیونکہ اس میں زیادہ ذہنی ہم آہنگی ہونے کی امید ہوتی ہے۔

حضرت جابرؓ نے اپنی بہنوں کی تربیت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی عمر کی خاتون سے نکاح کیا، اس لئے دوسروں کے فائدے کو سامنے رکھ کر اپنی پسند سے کم تر چیز پر اکتفا کرنا بہت اچھی خوبی ہے۔

کنبے کے سربراہ کو گھر کے افراد کا مفاد مقدم رکھنا چاہیے۔

آزاد عورت

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے۔

''جو شخص پاک صاف ہو کر اللہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔''

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''نکاح کرو، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔''

فوائد ومسائل:۔

نکاح اسلام کے اہم احکام میں سے ہے، اس لئے بلا وجہ کنوارا رہنا درست نہیں۔

کثرت اولاد شرعاً مطلوب ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خوشی کا باعث ہے، اس مفہوم کی ایک حدیث حضرت معقل بن یسارؓ سے بھی مروی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں، ''خوب محبت کرنے والی، زیادہ بچے جننے والی سے نکاح کرو، میں دوسری امتوں سے تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔''

کسی عورت کی ماں اور بہنوں وغیرہ کے حالات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے اور امید کی جا سکتی ہے کہ اس عورت کی اولاد زیادہ ہو گی۔

دیکھ لینے کا بیان

حضرت محمد بن سلمہؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

''میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا، میں اس (کو دیکھنے) کے لئے چھپ جایا کرتا تھا، یعنی کہ میں نے اسے اس کے کھجوروں کے باغ میں دیکھ لیا، (حاضرین میں سے) کسی نے کہا۔

''آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہو کر بھی ایسا کرتے ہیں۔''

انہوں نے کہا۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرمان سنا ہے، ''جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے دل میں کسی عورت سے نکاح کی خواہش ڈالے تو اسے دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔''

فوائد ومسائل:۔

جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو، اسے ایک نظر دیکھ لینا جائز ہے۔

عورت کا مرد کو دیکھنا بھی جائز ہے، اس کے بارے میں اگرچہ کوئی حدیث مروی نہیں، تاہم اس مسئلے میں مرد پر قیاس کر کے عورت کے لئے بھی مرد کو دیکھنا جائز کہا جا سکتا ہے۔

ضروری نہیں کہ عورت کو دیکھے جانے کا علم ہو بلکہ اس کی لاعلمی میں بھی موقع پا کر دیکھنا جائز ہے۔

خود دیکھنا ممکن نہ ہو تو کسی قابل اعتماد

خاتون کو لڑکی کے گھر بھیجا جائے اور وہ مرد کی پسند، ناپسند کو پیش نظر رکھتے ہوئے لڑکی کو دیکھ لے۔

دیکھ لیں

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک خاتون سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

''جا کر اسے دیکھ لو، امید ہے کہ تم دونوں میں موافقت پیدا ہو جائے گی۔''

انہوں نے ایسا ہی کیا پھر اس سے شادی کر لی، اس کے بعد انہوں نے اس سے موافقت کا ذکر فرمایا۔

فوائد ومسائل:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے میں بڑی برکت ہے۔

نکاح سے پہلے جائز حدود میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ لینے سے ایک دوسرے کی طرف میلان ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں نکاح کے بعد ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے۔

جواز صرف ایک نظر دیکھ لینے کا ہ، تنہائی میں ایک دوسرے سے ملاقات کرنا اور طویل بات چیت یا اکٹھے سیر کو جانا وغیرہ یہ سب کام دین کے صریح خلاف ہیں، اس حدیث سے ایسے کاموں کا جواز نہیں نکلتا۔

دیکھ لینے کا بیان

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خاتون کا ذکر کیا کہ میں اس سے نکاح کے لئے پیغام بھیجنے والا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جا کر اسے دیکھ لو، امید ہے تمہارے درمیان محبت پیدا ہو جائے گی۔''

چنانچہ میں ایک انصاری خاتون کے ہاں گیا اور اس کے والدین سے اس کا رشتہ طلب کیا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بھی سنایا، یوں محسوس ہوا کہ اس کے والدین نے اس چیز کو پسند نہیں کیا (کہ یہ مرد اس لڑکی کو دیکھے۔)

لڑکی پردے میں تھی، اس نے یہ بات چیت سن لی، چنانچہ اس نے کہا۔

''اگر تجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھنے کا حکم دیا ہے تو دیکھ لے ورنہ میں تجھے قسم دیتی ہوں۔''

(کہ جھوٹا بہانہ بنا کر مجھے نہ دیکھنا) اس نے گویا اس بات کو بہت برا سمجھا (سنتے ہی اعتبار نہ آیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو گا۔'')

حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں، (میں سچ کہہ رہا تھا، (اس لئے) میں نے اسے دیکھ لیا پھر میں نے اس سے شادی کر لی۔

پھر حضرت مغیرہؓ نے اس سے ہم آہنگی پیدا ہو جانے کا ذکر فرمایا۔

فوائد ومسائل:۔

والدین نے حدیث نبوی کو ناپسند نہیں کیا بلکہ انہیں یہ بات پسند نہ آئی کہ ایک اجنبی مرد ان کی جوان بچی پر نگاہ ڈالے۔

کنواری جوان بچی کو پردے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

لڑکے کو چاہیے کہ صرف اسی لڑکی کو دیکھے جس سے وہ واقعی نکاح کرنے کا خواہش مند ہے۔

☆☆☆

انشاء نامہ

سارے فرائض شہر بوا کے

ابن انشاء

روایت ہے کہ ایک فقیر ایک سخی داتا کے دروازے پر گیا اور صدا کی کہ۔

''اے حاتم زادے! مار اپنے باوا کی قبر پر لات اور دے اس غریب مسکین کو روپیہ دھیلا، فیملی پلاننگ والوں کے کان بہرے، اللہ تیری آل اولاد میں برکت دے۔''

اس شخص نے جواب دیا۔

''بابا! تو ہٹا کٹا ہے، محنت مزدوری کیا کر، مانگنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

ہر چند کہ ہمارا شمار خاندانی فقیروں میں نہیں جن کے چہرے نور اور تندرستی سے لبالب بھرے دیکھ کر بہتوں کا جی چاہتا ہے کہ کشکول لے، ان کے پیچھے پیچھے چل نکلیں۔

اور دنیا اور عاقبت کا توشہ فراہم کریں، نہ ہمیں اہل حسن و ناز کے علاوہ کسی اور کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلاتے کسی نے دیکھا ہے، تاہم ہوا ہمارے ساتھ بھی یہی، ہم نے بلدیہ سے اپیل کی تھی کہ ایک جمعدار ہمارے محلے میں بھی بھجوائے کہ کوڑے کے ڈھیر اٹھائے، اٹھا ہم خود بھی سکتے تھے بلکہ ایک روز جھاڑو لے کر نکلے بھی تھے لیکن ایک ہمدرد ہمسائے نے روک دیا کہ کمیٹی کے سینٹری انسپکٹر نے دیکھ لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے، کہیں بے عزتی نہ کر دے کہ۔

''تو کون ہوتا ہے صفائی کرنے والا، ہمارے تجاوزات ہٹانے والا، تیرا ارادہ اس کوڑے کو بطور کھاد بیچنے کا معلوم ہوتا ہے، یعنی سرکاری مال میں خورد برد کی نیت ہے، چل کان پکڑ مرغا بن۔''

☆☆☆

پس ہم کالم لکھ لکھ کر دریا میں ڈالتے رہے، آفاق سے آیا ہے نالوں کا جواب آخر، صفائی میں تو محنت پڑتی تھی، بلدیہ نے کسی پینٹر سے نصیحت اور مشورے کے بورڈ لکھوا کر جا بجا لگوا دیے ہیں، ''اپنے شہر کو صاف ستھرا رکھیے۔'' پہلے یہ مشورہ بدیں الفاظ ہوتا تھا، ''اپنے شہر کو آئینے کی طرح صاف رکھیے۔'' ہماری گلی کی نکڑ پر خلیفہ نبی بخش ہیر ڈریسر فٹ پاتھ پر بوریا بچھا کر بیٹھتے ہیں اور آتے جاتے کی حجامت کرتے رہتے ہیں، ان کا آئینہ گرد ایام سے آلودہ، بزرگوں کو نشانی کچھ ایسا ہے کہ جو کوئی دیکھتا ہے اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہے۔

ہم نے یہی آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے، ان سے مطلب ہے بلدیہ، بہرحال آئینہ خارج ہوا اور صرف یہ رہ گیا کہ ''اپنے شہر کو صاف رکھیے۔'' ہر چند کہ ہم نے صفائی مانگی تھی، مشورہ نہیں مانگا تھا، لیکن خیر بلدیہ نے کچھ دیا تو اور کچھ نہیں تو مشورہ ہی سہی۔

پہلے دن صفائی کا نصیحت نامہ یعنی بورڈ ہمیں لسبیلہ کا پل اترتے ہی گولیمار کے ناکے پر نظر آیا، اخبار والے تو شرارت سے باز نہیں آتے اس کا فوٹو چھاپ دیا کہ۔

''اے تجاوزات ہٹانے والو، اس کے سرے ایکا ایک فٹ سڑک پر نکلے ہوئے ہیں ٹریفک میں رکاوٹ ہوتی ہے۔''

کوئی ان اخبار والوں سے پوچھے کہ تمہارے پاس کون سی کاریں ہیں، اے پیدل جوتے چٹخانے والو، کیوں اندیشہ شہر میں دبلے ہوتے ہو، بہرحال ٹریفک پولیس والوں نے اگلے ہی روز اس ٹین پاٹ کو اٹھوا دیا، ہم بھی ایک طرح سے اپنے شہر کو صاف رکھنے والی اخلاقی ذمہ داری سے آزاد ہو گئے، لیکن اگلے روز یہی بورڈ فٹ پاتھ کے بیچوں بیچ لگا نظر آیا یعنی بلدیہ والوں نے کہا۔

''لو ہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کرو گے۔''

اخبار والوں دبک کر رہ گئے کہ اب کے اعتراض کیا تو کہیں یہ بورڈ ہمارے گھروں کے دروازوں کے آر پار نہ لگا دیے جائیں، باہر نکلنے کا رستہ ہی نہ رہے، آج کل بلدیہ والوں کے بڑے اختیارات ہیں، بلکہ اختیارات ہی اختیارات ہیں، فرائض کچھ نہیں رہے، رہتے کہاں سے وہ تو ہاتھوں ہاتھ شہریوں میں تقسیم ہو گئے۔

☆☆☆

''اپنے شہر کو صاف رکھیے۔'' اس کوزے میں حکمت کے بہت سے دریا بند ہیں اور نکتہ رس طبیعتوں کے لئے عبرت کے بے شمار خزانے، لفظ ''اپنے'' ہی کو لیجیے، گویا یہ شہر ہمارا ہو گیا، بلدیہ کو اس سے کچھ مطلب نہیں رہا۔

''اے شہریو، لو تمہیں سڑکوں پر جھاڑو دینے کی آزادی مل گئی، کوئی روکے تو ہم سے شکایت کرنا، ہم اپنے کالم میں اس کی خبر لیں گے، ہاں شرط یہ ہے کہ تمہاری جیب میں بلدیہ کا ٹیکس کی ادائیگی کی رسید ہونی چاہیے، جس طرح بس والے صرف اس شخص کو دھکا لگانے کی اجازت دیتے ہیں جس نے ٹکٹ لے رکھا ہو۔

دریں اثنا دیکھو تمہاری پیاری بلدیہ تمہارے لئے کیا مشکلیں اٹھا رہی ہے، چند دن پہلے تک سارے شہر کا ٹریفک تمہارے باغیچوں کی وجہ سے رکا ہوا تھا اور سارا پانی بھی تمہارے پودوں میں مرتا تھا، اب دیکھو ان کے اجاڑنے کے بعد کیا لہر بہر ہو گئی ہے، سارا شہر پانی پانی ہو گیا نا؟ سب مل مل کر گنگا نہاؤ، اپنے گناہ دھوؤ، ان میں ایک یہ ہے کہ تم نے کراچی بلدیہ کے علاقے میں مکان لیا، ارے اتنا بڑا پاکستان ہے، کہیں اور جا کے نہ رہ سکتے تھے، یہیں رہنا تھا تو ناظم آباد کے علاوہ بھی تو بہت سے علاقے تھے۔''

☆☆☆

''اپنے شہر کو صاف رکھیے۔'' اس میں لفظ شہر پر بھی زور ہے تاکہ کوئی سطحی نظر والا اسے گاؤں نہ سمجھ لے، یہ احتیاط ہمارے نزدیک زائد از ضرورت ہے، غلط فہمی کی کوئی گنجائش تو معلوم نہیں ہوتی، جنگل ہم نے دیکھے ہیں وہاں سبزہ ہوتا ہے اور تجاوزات میں شمار نہیں ہوتا، ٹریفک میں حائل نہیں ہوتا یہاں دھول ہوتی ہے جو شہریوں کی آنکھوں میں جھونکی جاتی ہے، گندگی کے ڈھیر ہوتے ہیں، ملاوٹ ہوتی ہے، مکھیاں ہوتی ہیں جو ہر چند کہ بلدیہ والے سارا سال دفتروں میں بیٹھے مارتے رہتے ہیں، پھر بھی شہریوں کی جان کو آتی ہیں، دیہات میں بھی گٹر کہاں ابلتے ہیں؟ بلدیہ کہاں ہوتی ہے، پانی کی قلت کہاں ہوتی ہے؟ یہ شہر ہے بھائی مقرر شہر ہے۔

☆☆☆

یہ پانی کا لفظ تو ہمارے قلم سے یونہی ٹپک پڑا، ورنہ ہمیں آج کل پانی کی کچھ تکلیف نہیں، ویسے اور بھی کوئی تکلیف نہیں، کوڑے کا ڈھیر بے شک پارک کے کونے پر اب بھی پڑا ہے لیکن اس سے بو آنی بند ہو گئی ہے کیونکہ ہماری قوت شامہ

ترقی کر کے جمعداروں کی سی ہو گئی ہے، آب رسانی کے لئے بھی ہم نے کے ڈی اے وغیرہ سے پانی پت کی لڑائیاں لڑنی چھوڑ دیں، اقبال کے کلام سے متاثر ہو کر ایک قلندر روٹی کپڑے پر ملازم رکھ لیا ہے، اس کی بات سنتے ہیں اور پانی پانی ہو جاتے ہیں۔

کل تو ہم بالکل ہی شرابور ہو گئے، ہوا یہ کہ ایک صاحب نے ہم سے کہا کہ۔

''تم اتنے نامی گرامی ادیب ہو بلکہ پانی کے نلکوں اور کوڑے کے موضوع پر تو ایسی گراں قدر تحریریں سارے اردو ادب میں نہ ہوں گی، یقیناً تمہارے کالم پڑھ کر بلدیہ اور کے ڈی اے کے بڑے بڑے افسر سالم تانگے لے کر علاقے کے معائنے کے لئے دوڑے دوڑے آئے ہوں گے۔''

ہم پر یہ سن کر گھڑوں پانی پڑ گیا، دوبارہ کپڑے بدلنے پڑے۔

عالم ہمہ افسانہ، مادار دو ما ہیچ ایک وضع دار بزرگ سے ان کے ایک ملاقاتی نے پوچھا۔

''یہ پیارا بچہ کس کا ہے؟''

وہ بڑے اخلاق سے بولے۔

''آپ ہی کا ہے جی۔''

پاس ہی بچے کی ماں تھی، ملاقاتی نے پر امید نظروں سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''اور یہ کس کی بیگم ہیں؟''

یہاں ان وضع دار بزرگ کے اخلاق حسنہ کا کوٹہ ختم ہو گیا۔

ہم نے بھی یہی پوچھا تھا کہ یہ شہر کس کا ہے جو اتنا گندہ رہتا ہے، بلدیہ والوں نے ترنت بورڈ لکھوا کے لگا دیا کہ۔

آپ ہی کا ہے جی۔ ''اپنے شہر کو صاف رکھیے۔'' ہم نے خوش ہو کر کہا۔

''اچھا تو گویا ہم پانی بھرنے سے چھوٹے یعنی ٹیکس وغیرہ سے چھٹی۔'' جواب ملا۔

''ہشت۔''

صاحب دلاں، خدارا منصفی کرو، وہی ذبح بھی کرے ہے، وہی لے ثواب الٹا۔ ☆☆☆

شاہد آفریدی سے ملاقات

کاشف گوریجہ

سرزمین پاکستان کی داستان ہیروز
سے بھری پڑی ہے بہت سے ایسے چہرے جنہوں
نے پاکستان کی نمائندگی کی اور ارض وطن کی مانگ
میں سیندور بھرا۔

ہماری آج کی شخصیت شاہد آفریدی کسی تعارف
کے محتاج نہیں ہیں دنیائے کرکٹ کو ایک نئے
جہان سے متعارف کروانے والے اس پاکستانی
ہیرو نے اپنے کیریئر کا آغاز 1996 میں کیا جب
ان کی عمر صرف 16 سال تھی۔ ان کو او۔ ڈی آئی
ٹیم کے سمیر کپ میں ایک کھلاڑی مشتاق احمد کے
زخمی ہونے کے بعد ان کی جگہ پر پولین میں اُترنا
پڑا۔

شاہد آفریدی نے پہلی بین الاقوامی اننگز میں
شاندار پرفامنس کا مظاہرہ کیا اور ان کے سکور
100 سے تجاوز کر گئے۔

بلے بازی میں شاندار ریکارڈ بنانے والے اس جار
حانہ بے باز کھلاڑی کو عوام کی طرف سے بوم بوم کا
خطاب دیا گیا۔

شاہد آفریدی بیٹنگ کے ساتھ باولنگ میں بھی
حیرت انگیز صلاحیت کے مالک ہیں۔

شاہد خان آفریدی نے جہاں بیٹنگ میں عزت
حاصل کی وہاں ان کی باولنگ بھی پوری دنیا میں

قارئین حنا کے لیے شاہد آفریدی کی ملاقات حاضر
ہے۔

☆ کرکٹ کا شوق کب سے ہے اور
کرکٹ کھیلنے کا کیسے خیال آیا؟؟

◆ کرکٹ کا شوق بچپن سے ہے،
عمران خان کو کرکٹ کھیلتا دیکھتا تھا تو شوق پیدا ہوا
کہ میں بھی ان کی طرح پاکستان کی طرف سے
کرکٹ کھیلوں اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش پوری
کی۔

☆ آپ کے علاوہ بھی گھر میں کسی کو
کرکٹ کا شوق رہا؟؟؟

◆ جی ہاں میرے بڑے بھائی
پاکستان کی طرف سے کرکٹ کھیل چکے ہیں۔

☆ گھر میں آپ کو کسی نے سپورٹ
کیا؟؟؟

◆ جی میرے والدین نے مجھے کافی
سپورٹ کیا۔

☆ جب آپ کی ٹیم کو ناکامی کا سامنا
کرنا پڑتا تھا تب آپ کا ردعمل کیا ہوتا تھا؟؟؟

◆ میں اپنے گھر میں کمرے میں بند
ہو جاتا تھا دو تین دن بعد والدہ مناتی تھیں کہ چلو
کچھ نہیں ہوتا ہار جیت تو زندگی کا حصہ ہے ہم اگر
حضور ﷺ کی زندگی کو دیکھیں تو کتنی مشکل زندگی
گذاری تھی انہوں نے کیا انہوں نے کبھی خود کو
کمرے میں بند کیا؟ والدہ کے اس طرح سمجھانے
سے میں مان جاتا تھا۔

☆ آپ نے کرکٹ کے کیریئر میں
پوری دنیا کی سیر کی کیا کبھی والدہ کے لیے کبھی کوئی
تحفہ لائے؟؟؟

◆ میری والدہ کو واکنگ کا بہت شوق
تھا، میں انکے لیے سافٹ چپل یا شوز لاتا ہوں تا کہ
وہ آسانی سے واک کر سکیں۔

☆ جب 2001 میں آپکی والدہ کا
انتقال ہوا اُس وقت آپ کہاں تھے؟؟؟

◄ اُس وقت میں شارجہ میں تھا ہماری
سری لنکا سیریز چل رہی تھی، جب میں واپس آیا تو
ائیرپورٹ پر میرے چچا اور میرے ایک قریبی
دوست مجھے لینے آئے جب میں گاڑی میں بیٹھا تو
میرے چچا نے مجھے بتایا کہ والدہ انتقال فرما گئی
ہیں، یہ خبر میرے لیے اچانک تھی کیوں کی میری
والدہ نہ تو بیمار تھی کہ میں سوچتا کہ بوجہ بیماری اُن کا
انتقال ہوگیا ہے، کافی دن تک مجھے محسوس ہوتا رہا
کہ جیسے ابھی والدہ مسکراتی ہوئی کچن سے نکلیں گی
مگر جو اللہ کو منظور۔

☆ کیا کبھی والدہ کی کمی کو محسوس کیا؟

◄ جب والدہ کا انتقال ہوا تب بھی
سوچتا تھا کہ اب زندگی کیسے گذرے گی لگتا تھا جیسے
کسی نے کڑی دھوپ میں سر سے سایہ چھین لیا ہو،
اب بھی والدہ کی کمی کو بہت محسوس کرتا ہوں اور
آپ کے ماہنامہ کی واساطت سے قارئین کو یہ
پیغام دوں گا کہ اپنے والدین کی خدمت کریں اور
اُن کی قدر کریں۔

☆ کرکٹ کے علاوہ آپ کی کوئی اور
مشاغل ہیں؟؟؟

◄ کرکٹ کے علاوہ مجھے سوئمنگ کا
اور شکار کا بہت شوق ہے۔ اور میرا نشانہ بھی بہت
اچھا ہے۔

☆ آپ کی زندگی کا کوئی یادگار واقع
جو کہ شکار سے تعلق رکھتا ہو؟؟؟

◄ نہیں ایسا کوئی واقع پیش نہیں آیا جو
کہ یادگار ہو اور قابل بیان ہو۔

☆ بولی وڈ کے فلم ساز کثرا چھے
کھلاڑیوں کو اپنی فلم میں آفر کرتے ہیں آپ کو کبھی
بولی وڈ مووی میں کام کی آفر ہوئی؟؟؟

◄ کچھ عرصہ پہلے اکشے کمار کی ایک فلم
پٹیالہ ہاؤس میں کام کرنے کی آفر ہوئی تھی۔

☆ کیا آپ نے پٹیالہ ہاؤس میں
کام کیا؟؟؟

◄ نہیں میں نے انکار کر دیا تھا مگر
میری جگہ پر کامران اکمل نے کام کیا تھا۔

☆ کامران اکمل نے فلم میں کون سا
کردار ادا کیا تھا؟؟؟

◄ ایکٹنگ نہیں کی تھی بلکہ بیٹنگ کی تھی

☆ فلمیں دیکھنے کا شوق ہے؟؟؟

◄ اتنا وقت ہی نہیں ہوتا۔

☆ کبھی سٹیج ڈرامہ دیکھا؟؟؟

◄ ہاں ایک بار رزاق کے کہنے
انسسٹ کرنے پر چلا گیا تھا میں نے رزاق کو کہا
بھی کہ مجھے پنجابی سمجھ نہیں آتی مگر اس کے اصرار
پر چلا گیا اور بہت انجوائے کیا۔

☆ آپ کا پسندیدہ موسم کون سا ہے؟

◄ مجھے بارش کا موسم بہت پسند ہے
چاہے سردیوں کی ہو یا گرمیوں کی۔

☆ پسندیدہ رنگ کونسا ہے؟؟؟

◄ سارے برائٹ کلر پسند ہیں۔

بیگم کو کس طرح کے اور کس رنگ کے
لباس میں دیکھنا پسند کرتے ہیں؟؟؟

◄ بیگم کو ہر کلر سوٹ کرتا ہے۔ اور
شلوار قمیص بہت اچھا لباس ہے اُسی میں دیکھنا پسند
کرتا ہوں۔

☆ ہنی مون پر کہاں لیکر گئے تھے؟؟؟

◄ اچھی طرح یاد نہیں مصروف ہی اتنا
رہا ہوں شاید سری لنکا۔۔۔۔۔۔

☆ بیگم میں سب سے خوبصورت کیا
چیز لگتی ہے؟؟؟

◄ مجھے اُس کا سادہ پن بہت پسند
ہے۔

☆ بیگم کی کون سی عادت آپ کو
الجھن میں مبطلع کرتی ہے؟؟؟

◄ جب وہ بہت زیادہ سوالات کرتی
ہیں میرا ذہن الجھ جاتا ہے۔

☆ بچوں کے ساتھ وقت گذارنا کیسا
لگتا ہے؟؟؟

☆ میری ماشاءاللہ تین بیٹیاں ہیں
مجھے اُن کے ساتھ وقت گذارنا بہت اچھا لگتا
ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہماری شاہد خان آفریدی
سے ملاقات ختم ہوئی۔

☆☆☆

نئے آخری جزیرہ ہو

اُم مریم

انیسویں قسط کا خلاصہ

اپنی عادت وفطرت کے مطابق معاذ سب گھر والوں سمیت پپا پرنیاں کے لئے اپنی پسندیدگی ظاہر کر کے شادی کا تقاضا کرتا ہے تو پپا اسے بغیر اعتراض کے پرنیاں سے شادی کی اجازت دے کر معاذ کو حیرانی ہی نہیں الجھن کا بھی شکار کر دیتے ہیں، وہ اپنی منکوحہ کے متعلق بات کرنا بھی چاہتا ہے تو پپا کا ٹوک دینا اسے عجیب محسوس ہوتا ہے، بہر حال وہ اپنی منکوحہ کو بھی اس طرح چھوڑ دینا اس کی غیرت کے منافی ہے۔

پرنیاں معاذ کے التفات سے تو جز بز ہے ہی مگر ثناء کے سوالات اسے کچھ اور زیادہ عاجز کرتے ہیں وہ اتنا ہرٹ ہوتی ہے کہ ثناء کے سامنے معاذ سے اپنا رشتہ واضح کر کے بکھر سی جاتی ہے۔

نور یہ معاذ کے سمجھانے پہ زیاد کے رشتے پہ آمادگی ظاہر کرتی ہے تو سب سے زیادہ خوشی زیاد کو ہی ہوتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

بیسویں قسط

ثناء کے اعصاب کو زبردست شاک لگا تھا، اس نے غیر یقینی وحیرت کے ساتھ مشکوک نظروں سے زاروقطار روتی ہوئی پرنیاں کو دیکھا تھا۔

''شوہر......؟ کب کی انہوں نے تم سے شادی؟'' اس کی نظروں کی طرح اس کا لہجہ بھی شک آلودہ تھا، پرنیاں نے دھندلائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا اور پھر ہچکی بھرتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو پونچھا۔

''دو سال ڈھائی سال پہلے، جب دادا کی ڈیتھ ہوئی اس سے چند روز قبل، انکل یعنی سر کے پپا نے ہمارا نکاح کرایا تھا، دادا کی وجہ سے، معاذ کو یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا، جبھی مجھے ایکسپٹ کرنے سے انکار کر دیا۔'' وہ نہایت آہستگی سے مگر آنسوؤں کے درمیان اس پہ اپنی بے مائیگی کی ساری کہانی کھول کر بتلاتی چلی گئی، نظروں سے گر کر جینا آسان نہیں تھا، اس کرب سے وہ اچھی طرح آگاہ تھی، جو چند گنے چنے رشتے تھے اس کے پاس انہی میں ثناء کا بھی شمار ہوتا تھا، وہ ثناء کو کھونے سے نہیں اس کی نظروں سے گرنے سے خائف تھی جبھی کچھ نہیں چھپایا تھا، جبکہ ثناء تو صحیح معنوں میں حق دق رہ گئی تھی، اسے پرنیاں کا وہ سابقہ رویہ آج بھی یاد تھا۔

''تو یہ وجہ تھی اور تم نے مجھے بتانا تک بھی گوارا نہ کیا، اگر تب ہی بتا دیتیں تو میں کم از کم شک تو نہ کرتی۔'' وہ بے تحاشا خجل ہو کر اب پرنیاں پر ہی چڑھائی کر رہی تھی۔

''میں نے کہا نا میرے پاس بتانے کو کچھ بھی قابل فخر نہیں تھا، اپنی ذات کی داستان سنانا دوسرے لفظوں میں خود اپنی تذلیل اپنے ہاتھوں کرنے کے مترادف تھا، جو مجھے ہرگز گوارا نہیں تھا۔'' پرنیاں نے بھیگی آنکھیں رگڑ کر صاف کی تھیں۔

''ذلت کی داستان کیوں، اتنے ڈیشنگ بندے کی مالک بنی بیٹھی ہو، تمہاری قسمت پہ تو باقاعدہ رشک کرنے کو جی چاہتا ہے ریئلی، میں نے کہا تھا نا وہ اور تم ایک دوسرے کے لئے بنے ہو۔'' پرنیاں نے جواباً کچھ کہے بنا زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''پلیز ثناء میرے زخم نہ کریدو۔''

''یہ کیا بات ہوئی یار، خوش رہنے والی بات پہ تو خوش ہوا کرو۔''

''میرے لئے اس میں کوئی خوشی کی بات نہیں۔'' پرنیاں کے چہرے پہ سختی چھا گئی تھی۔

''تم بہت عجیب ہو، ویسے سر کی فیملی نے ان سے اصل بات چھپا کر اچھا نہیں کیا، زیادتی ہو رہی ہے ان کے ساتھ۔'' ثناء کو بات چیت میں لطف محسوس ہو رہا تھا، جبھی وہ اس موضوع کو طول دینا شروع کر دیا تھا، پرنیاں نے کوئی تاثر نہیں دیا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''کیا بتا رہی تھیں تم کہ ہاسٹل اور کالج میں سب لڑکیاں......؟''

''کالج کی لڑکیاں ہی نہیں لڑکے بھی تشویش کا شکار ہیں خاص طور پہ دانیال صاحب۔'' ثناء کی غلط فہمی دور ہو چکی تھی جبھی اس کا موڈ بحال ہو چکا تھا بلکہ اس حیرت بھرے انکشاف کے بعد سے تو وہ باقاعدہ چہک رہی تھی، پرنیاں کے چہرے پر تشویش لہرانے لگی۔

''اب مجھے سمجھ آئی تم نے دانیال کو لفٹ کیوں نہیں کرائی تھی؟''

''اگر تم یہ سمجھ رہی ہو تو میں یہی کہوں گی تم مجھے سمجھنے میں بری طرح ناکام رہی ہو، میں نے سر کو بھی اسی وجہ سے تھوڑی بہت لفٹ کرائی ہے تو وجہ ان کی ممی ہیں، میں انہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی۔''

''چلو اسی وجہ سے سر کا تو بھلا ہو رہا ہے نا، بلکہ مزے ہو رہے ہیں اور تم یہ انہیں سر کیوں کہتی ہو، تمہارے تو سرتاج ہوئے، سرتاج کہا کرو نا۔'' ثناء کو باقاعدہ چٹکلے سوجھنے لگے تھے، پرنیاں کے خفگی بھری نظروں کی اس نے پرواہ نہیں کی تھی۔

''سنو تم آج مجھے فائیو اسٹار ہوٹل میں لنچ کرا رہی ہو، ورنہ میں تمہارا یہ سیکرٹ آؤٹ بھی کر سکتی ہوں۔'' ثناء کی بلیک میلنگ نے پرنیاں کو ہرگز خائف نہیں کیا تھا۔

''تم ایسا نہیں کرو گی، اتنا تو مجھے بھی پتہ ہے۔'' پرنیاں کے کاندھے جھٹکنے پہ ثناء کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

''تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو پری! میں کسی کا بھلا کروں گی، سر کو بتاؤں گی، وہ نیک کام کرنا چاہوں گی جس میں ان کی فیملی نے بھی ان کے ساتھ دغا کیا۔'' وہ مسکرا رہی تھی، پرنیاں نے اب کی مرتبہ سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

''تم اب مجھے اس طرح پریشان کرو گی؟''

''نہیں بلکہ پریشانیوں کا علاج کروں گی، سر پہ حقیقت آشکار ہو گی تو وہ تمہیں بہت پیارے انداز میں منا لیں گے اور یوں تمہاری یہ نام نہاد انا ختم ہو جائے گی تو اس کے ساتھ ہی سارے مسائل بھی از خود ختم......'' ثناء نے چٹکی بجائی تھی، پرنیاں نے زور سے سر جھٹکا۔

''اتنا آسان نہیں ہے یہ سارا کچھ۔''

''اسے مشکل تم بنا رہی ہو پرنیاں، میں کہوں گی عقل کے ناخن لو۔''

''مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں، انہیں بھی کچھ تو سبق ملنا چاہیے جو انہوں نے دو سال تک میرے ساتھ کیا۔'' پرنیاں کو اس وقت کی اذیت پھر سے روہانسا کرنے لگی۔

''عورت کو خدا نے جسمانی طور پہ نزاکت عطا کرنے کے باوجود حوصلہ اور ہمت بے مثال عطا فرمائی ہے، مرد کی نسبت عورت میں قربانی اور ظرف کا جذبہ زیادہ وافر مقدار میں رکھا ہے، ازدواجی تعلقات سے لے کر گھریلو ذمہ داریوں تک ہمیشہ عورت ہی مفاہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کیا کرتی ہے، تمہارے لئے شکر کا مقام یہ ہونا چاہیے پری کہ سر کا انتخاب تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں ٹھہری، ذرا سوچو اس قسم کی صورتحال میں معاملہ کس درجہ گمبھیر ہوتا۔'' ثناء کے پرسان انداز پہ پرنیاں نے بھڑک کر اسے دیکھا تھا۔

''یعنی میں اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کر دوں کہ میں ہی آپ کی منکوحہ ہوں، جسے آپ نے تب دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا اور اب میں آپ کا انتخاب ٹھہری ہوں، کیا یہ میری تذلیل نہیں ہو گی۔'' وہ چیخ پڑی اس کی ذہنی حالت بگڑی سی گئی تھی، ثناء نے تشویش زدہ انداز میں اسے تھاما۔

''ریلیکس پرنیاں! کام ڈاؤن، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔''

''تم مجھے تنہا چھوڑ دو ثناء، میرے لئے ابھی یہ صدمہ ہی کافی ہے کہ ان کی وجہ سے یہاں ہاسٹل اور کالج میں بھی میری نیک نامی کو گہن لگ گیا ہے، میں تمہاری طرف سب کو یہ حقیقت نہیں بتا

سکتی ہوں۔" پرنیاں بات کے اختتام تک رو پڑی تھی، ثناء گہرا سانس لے کر رہ گئی، پرنیاں کچھ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

سکوت شام میں گونجی صدا اداسی کی
کہ ہے مزید اداسی دوا اداسی کی
امور دل میں کسی تیسرے کا دخل نہیں
یہاں فقط تیری چلتی ہے یا اداسی کی
بہت شریر تھا میں اور ہنستا پھرتا تھا
پھر اک فقیر نے دے دی دعا اداسی کی
چراغ دل کو ذرا احتیاط سے رکھنا
کہ آج رات چلے گی ہوا اداسی کی
بہت دنوں سے ملاقات نہیں اب محسن
کہیں سے خیر خبر لے کے آ اداسی کی

اس نے بستر پہ پھر کروٹ بدلی اور تکیہ منہ پہ رکھ لیا، مگر سکون پھر بھی نہیں آ سکا تھا، بہت بے بسی لاچاری محسوس کرتے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، سگریٹ سلگایا تو پھیلتے سمٹتے دھویں میں ایک دل خراش منظر پھر سے اجاگر ہونے لگا، بے تحاشا ہنستی ہوئی زینب اور یونہی ہنستے ہوئے تیمور کے کاندھے پہ سر رکھ دینا، وہ اسی کی سمت متوجہ تھا اور جھک کر بے باک انداز میں زینب کے ہونٹوں اور آنکھوں کو بار بار چومتا وہ دونوں لاؤنج میں تھے، جہان تو بے دھیان سا ادھر آ گیا تھا، ایٹی کیٹس کا خیال وہ لوگ نہیں رکھ پائے تھے مگر شرمندہ جہان کو ہونا پڑا تھا اور کیا صرف شرمندہ وہ تو پور پور جل اٹھا تھا، جل رہا تھا، اس نے ایک وحشت سے اٹھ کر سر جھٹکتے ہوئے خود کو اس احساس اس خیال سے نکالنا چاہا، مگر یہ آسان تھا نا ممکن، اذیت اس کی رگ رگ کو رگیدنے لگی، پتہ نہیں اسے صبر کیوں نہیں آ جاتا تھا، پتہ نہیں وہ اتنا کم ظرف کیوں ہو رہا تھا۔

واش روم میں آ کر اس نے واش بیسن کی ٹونٹی کھول دی اور پانی کے چھپاکے منہ پہ مارنے لگا، مگر اندر جلتی آگ کو جو فرق پڑا ہو۔

"جہان کہاں ہو بیٹے؟" مما کی آواز پہ وہ حواسوں میں لوٹا تھا اور چونک کر متوجہ ہوا، مما بیڈ روم کے بیچوں بیچ کھڑی تھیں ہاتھ میں کوئی چیز پکڑی ہوئی تھی، جہان نے گہرا سانس کھینچا اور ٹاول اسٹینڈ سے ٹاول کھینچ کر چہرا تھپکتا باہر آ گیا۔

"بیٹھیے چچی جان۔" مما اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں پھر لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا۔

"فی الحال میں تمہیں یہ دینے آئی ہوں بیٹے! کچھ تصویریں ہیں، دیکھ لینا، سب ہی اعلیٰ خاندان کی بہت پیاری بچیاں ہیں جو تم پسند کرو ہم وہی آپ کی دلہن بنا دیں گے۔" جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، اس نے بے اختیار ہونٹ بھینچے تھے۔

"آپ اتنی جلدی مت کریں چچی جان! میں نے کہا تھا مجھے کچھ وقت چاہیے۔" وہ بے دلی

سے بولا تھا، انداز کا اضطراب بے حد واضح تھا، مما کے لئے اس کا یہی اضطراب بے کلی کا باعث تھا۔

"ہم ایک دو مہینوں میں پرنیاں کو بھی رخصت کرا کے لا رہے ہیں بیٹے! آپ کے چاچو چاہتے ہیں آپ کی بھی شادی ہو جانی چاہیے، ہمیں امید ہے آپ ہمیں مایوس نہیں کرو گے۔" انہوں نے رسانیت سے کہا تھا پھر آگے بڑھ کر محبت سے اسے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا اور پلٹ کر چلی گئی تھیں، جہان بے دم سے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گیا، اسے لگا تھا حالات کسی آکٹوپس کی مانند اسے جکڑ رہے ہوں، اب کیا کرے وہ؟ اسے ہرگز سمجھ نہیں آ رہی تھی، ادھر مسز آفریدی تھیں جو اس کی بے اعتنائی یا پھر خاموشی پہ تلملا رہی تھیں، اس مرتبہ وہ لاہور گیا تب بھی مصروفیت کی بنا پر ان سے مل نہیں سکا تھا، جس سے وہ بری طرح بے بدگمان ہو رہی تھیں، جہان کو ان کی بدگمانی کی پرواہ نہیں تھی، لاہور میں ہی اس کی ملاقات نیلما سے بھی ہوئی تھی، جو اپنے ازلی بے باک شرمناک انداز میں اس پہ فدا ہوتی رہی تھی، صرف یہی اکتفا نہیں تھا اس کا موڈ آف کرنے کو ایک اور واقعہ بھی ہوا تھا، سرراہ اس کی ژالے سے بھی ملاقات ہو گئی تھی، وہ شام کا وقت تھا جہان اپنی گاڑی میں آفس سے واپس آ رہا تھا، سڑک شہری حصے کو چھوڑ کر ایک نسبتاً کم آبادی والے راستے پہ آ گئی تھی، وہاں اپنے دھیان میں ڈرائیو کرتے ہوئے، جہان کو ایک لمحے کے لئے لگا تھا، سڑک کنارے کھڑی آلٹو میں موجود لڑکی ہاتھوں میں چہرا ڈھانپے رو رہی ہے، جہان کے قدم بے اختیار بریک پر جا پڑے تھے، گاڑی ریورس ہو کر پیچھے آئی تھی، دروازہ کھول کر جہان باہر نکلا تھا اور آلٹو کی ڈرائیونگ سیٹ کے شیشے پہ جھکتے اس کے اعصاب کشیدگی سمیٹ لائے تھے، آف وائیٹ لانگ شرٹ ٹراؤزر پنک چادر نما دوپٹے میں ملبوس وہ کوئی اور نہیں ژالے آفریدی تھی، جس کی سرمئی بند آنکھوں میں اسے روبرو پا کے ہزاروں کی تعداد میں دیئے جھلملا اٹھے تھے تو گلابی چہرے پہ حیا آمیز سرخیاں بکھر گئی تھیں، نکاح کے بعد یہ ان کا پہلا سامنا تھا شاید جبھی وہ اسے دیکھ کر اس درجہ پزل ہو گئی تھی مگر اس کے برعکس جہان کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"کیا کر رہی ہیں آپ اکیلی یہاں؟" اسے احساس تک نہ ہوا تھا مگر اس کے لہجے میں اپنے رشتے کا استحقاق شامل ہو گیا تھا۔

"گاڑی میں شاید کوئی فالٹ آ گیا ہے، میں اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر......"

"اس طرح کے پرابلمز تو کسی بھی وقت پیش آ سکتے ہیں، آپ کو ضرورت کیا تھی اکیلے باہر نکلنے کی؟" جہان کو سب سے زیادہ غصہ اس کی اکیلی ہونے پہ تھا، ژالے نے ٹپٹا کر اسے دیکھا تھا۔

"میری فرینڈ کی برتھ ڈے تھی مما بزی تھیں تو مجھے اکیلے آنا پڑا۔" جہان کے تیور اسے سہما گئے تھے جبھی وہ گڑبڑا کر وضاحت پیش کرنے لگی۔

"فرینڈ کی برتھ ڈے اتنی اہم تھی کہ آپ ان ویران راستوں پہ اکیلی چل پڑیں اور آپ کی مام فارغ کب ہوتی ہیں، ہوں گی کسی فضول جھمیلے میں پھنسی۔" وہ زہرخند سے بولا تھا پھر کھٹاک سے اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

''گاڑی لاک کر دیں۔''

اسے باہر آنے کا اشارہ کر کے اس نے اگلا آرڈر جاری کیا تھا، ژالے تو پہلے ہی مرعوب اور کنفیوژڈ تھی، حکم کی تعمیل میں لمحے بھر کی بھی تاخیر سے کام نہیں لیا، جہان نے اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور ان لاکڈ کیا تھا اور اسے اندر بٹھانے کے بعد خود چکر کاٹ کر ڈرائیونگ سیٹ پہ آ گیا تھا، آف وائیٹ پینٹ کوٹ میں ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ وہ اپنے چھا جانے والے سراپے کے ساتھ اتنا سحر انگیز لگ رہا تھا کہ ژالے خود کو اسے بار بار دیکھنے کی خواہش پہ قابو نہ رکھ سکی، کتنا خوبصورت احساس تھا، یہ کہ وہ اس کا تھا بلا شرکت غیرے، اس کی دھڑکنوں کا انداز بدلنے لگا، عجیب سی سرشاری بے خودی بن کر اس پہ چھانے لگی، گاڑی سگنل پہ رکی تب وہ چونکی تھی، جہان اس سے بے نیاز پوری طرح ڈرائیونگ میں محو تھا۔

''اللہ کے نام پہ دے دو بابو، اللہ جوڑی کو سلامت رکھے۔''

جہان والے سائیڈ کی کھڑکی کھلی تھی، ایک بدحال فقیرنی شیشے پہ جھکی شد و مد سے صدا لگا رہی تھی، ژالے نے ایک نظر جہان کی طرف دیکھا تھا پھر اپنی گود میں رکھے بے حد اسٹائلش سے پنک بیگ کی زپ کھول کر جو نوٹ ہاتھ لگا تھا وہی نکال کر ذرا سا آگے جھکتے ہوئے فقیرنی کو تھما دیا، نیلا نوٹ دیکھ کر فقیرنی کی آنکھیں پھٹ سی گئیں تھیں اگلے لمحے وہ نوٹ مٹھی میں دبوچے تیزی سے پیچھے ہٹی اور با آواز بلند دعائیں دیتی پلٹ کر رش میں غائب ہو گئی، ژالے کے چہرے پہ بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی مگر یہ مسکراہٹ لمحاتی ثابت ہوئی تھی، جہان کی خود پہ جمی سنجیدہ مگر گہری نظریں اسے گڑبڑا کے رکھ گئی تھیں۔

(اُف کیا سمجھے ہوں گے یہ، کہ میں بہت بے قابو ہوں خوشی سے، کم از کم مجھے ان کے سامنے تو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔)

وہ بے حد نروس ہوتی پلکیں جھکا گئی تھی، جہان نے ہونٹ بھینچتے ہوئے نگاہ کا زاویہ بدل لیا، اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں، نیلما کی طرح ژالے کے جذبوں سے بھی وہ نا آشنا نہیں رہا تھا، نیلما کی طرح ژالے نے بھلے زبان سے اظہار نہیں کیا تھا مگر آنکھیں تو اس کی بھی دل کی کہانی کہتی تھیں، محبت کا خزانہ لٹاتی تھیں، نیلما کی طرح اس نے بے معنی گفتگو کا سہارا کبھی نہیں لیا تھا، وہ چھوٹی سی نازک سی لڑکی اپنے جذبوں میں بے بس اسے کسی حد تک اچھی بھی لگی تھی مگر مسز آفریدی کی اس حرکت کی وجہ سے جہان اس سے بھی بری طرح بدگمان ہو چکا تھا، جبھی ژالے کی اس فیاضی نے اس کے اندر زہر خند بکھیر دیا تھا، باقی کا سفر خاموشی سے کٹا تھا، گاڑی آفریدی ہاؤس کی شاندار عمارت کے آگے ایک جھٹکے سے رکی تب ژالے اس شرمندگی اور خفت کی اتھاہ سے ابھر کر چونکی اور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہی حیران رہ گئی، گھر آ بھی گیا تھا، یہ خواب آسا سفر کیسے لمحوں میں کٹ گیا تھا، ابھی تو وہ اس احساس کو ڈھنگ سے محسوس بھی نہ کر پائی تھی۔

''آپ اندر نہیں آئیں گے؟'' ژالے نے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھ کر اترنے سے قبل جھجک کر اسے دیکھا۔

''نہیں آپ جائیں۔'' جہان کی سپاٹ نظریں ونڈ اسکرین پہ جمی ہوئی تھیں، اس کا لہجہ بھی اس

کی نظروں کی طرح بے تاثر تھا، ژالے کو عجیب سی بے چینی اور غیر یقینی نے آن لیا۔

(یہ ایسے کیوں ہو رہے ہیں، مما کے بقول انہیں تو بہت خوشی نظر آنا چاہیے، شاید خفا ہیں مجھ سے۔) وہ بے چین سی ہو گئی تھی۔

''مما سے تو مل لیں، وہ اکثر آپ کو یاد کرتی ہیں۔'' ژالے نے کسی قدر رک رک کر اپنا فقرہ مکمل کیا تھا، مگر جہان کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔

''انہیں کہیے گا وہ زحمت نہ کیا کریں یہ۔'' جہان کا لہجہ بے حد سرد ہو گیا تھا، ژالے تو اس کے انداز کی بے مہری پہ ششدر ہو کر رہ گئی تھی۔

''جی!'' وہ جو ہر بات ہر سازش سے لاعلم تھی گڑبڑا کر اسے دیکھنے لگی، جہان نے سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور ایک جھٹکے سے خود دروازہ کھول دیا۔

''جائیں آپ اور اپنی والدہ محترمہ سے کہیے گا ضروری نہیں ہر مرتبہ فتح ہی ان کا نصیب بنے۔'' اس کا لہجہ وا انداز ہی نہیں دیکھنے کا انداز بھی بے حد کڑا تھا، ژالے کو اس کی پہلی بات تو کیا سمجھ آئی تھی، انسلٹ اسے جہان کے دروازہ کھول کر آنے والے اشارے پہ محسوس ہوئی تھی، ہتک کا سلگا دنے والا انداز اسے سر تا پا جھلسا کے رکھ گیا تھا، کچھ کہے بغیر وہ گاڑی سے اتری تھی اور پلٹ کر دیکھے بغیر اسی وقت کھلنے والے گیٹ سے اندر داخل ہو گئی تھی اور جہان کے اندر زہر دوڑنے لگا تھا۔

ہر فرد یہاں پر تاجر ہے
ہر وقت تجارت ہوتی ہے
تم آپ ہی اپنے دام کہو
چھپ کے نہیں سر عام کہو
کیا لو گے اپنی یاری کا
کیا لو گے تم دلداری کا
غم خوار بنو گے کتنے میں
تم پیار کرو گے کتنے میں
سب جذبے میرے نام کرو
ہمنام تم اپنے دام کہو
یہ دام چکانے کی خاطر
ہم اپنا دفتر کھولیں تو
ہم اپنی جیب ٹٹولیں تو
بس پیار ملے گا تھوڑا سا
اظہار ملے گا تھوڑا سا
اب تم ہی بتا دو اے ہمدم
دلدار بنو گے کتنے میں

تم پیار کرو گے کتنے میں
(تمہاری شکل جتنی بھی معصوم اور بھولی ہو مگر میں اب فریب کھانے کو تیار نہیں ہوں۔) اس نے ژالے کے تصور سے مخاطب ہو کر تنفر سے کہا تھا۔

ابھی مجھے زینب کا دیا ہوا زخم نہیں بھولا، تم بہر حال اس سے زیادہ معصوم اور بھولی نہیں لگتیں۔

اس کی رگ رگ میں وحشتیں سرسراتی رہی تھیں، اس نے اس اضطراب میں کروٹ بدلی تو ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا تھا، جہان نے ہاتھ میں لے کر سامنے کیا یہ وہی تصویروں کا لفافہ تھا جو مما اسے دے کر گئی تھیں، اس نے لفافہ کھولے بغیر اٹھا کر دراز میں ڈال دیا، انداز میں بے دلی سے کہیں بڑھ کے کچھ تھا۔

☆☆☆

''منگنی ہی کیوں؟ آپ لوگ میرا بھی نکاح کر دیں نا۔'' زیاد سب کے بیچ بیٹھا زور و شور سے بحث کرنے میں مصروف تھا، اس مطالبے پہ ہاہو کار مچ گئی۔

''میرا بھی سے کیا مراد ہے جناب کی اور کس کس کے نکاح ہو گئے؟'' حسان نے چمک کر پوچھا تھا، زیاد نے سر کھجایا۔

''لالے کا نکاح ہی ہوا تھا نا۔'' اس نے ترچھی نظروں سے پرنیاں کو دیکھا جو آج ہی وہاں آئی تھی، اس مرتبہ اسے جہان لے کر آیا تھا کہ پپا کو اس سے کوئی اہم بات کرنی تھی، پرنیاں تو سنتے ہی پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔

''کس قسم کی بات ہے بھائی! آپ کو اندازہ ہے؟'' جہان کو اندازہ کیا سارا لب لباب پتہ تھا مگر وہ پرنیاں کو بتانے سے گریزاں تھا جبھی لاعلمی کا اظہار کر دیا تھا، اب پرنیاں موجود تھی، زینب بھی یہ نیا ہنگامہ اٹھ کھڑا ہونے پہ رک گئی تھی، تیمور واپس چلا گیا تھا۔

''لالے کو تو نکاح کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔''

''اچھا تو آپ فائدے اٹھانا چاہتے ہیں، مما سن رہی ہیں، کوئی ضرورت نہیں ان کا نکاح کرنے کی، بس منگنی کیجیے گا اور پھر سیدھی سیدھی شادی۔'' زینب نے ہنستے ہوئے کہہ کر زیاد کو چھیڑا وہ خجالت سے سرخ پڑ گیا۔

''السلام علیکم!'' معاذ نے اندر قدم رکھا تھا، سب ایکدم کانشس ہو گئے، پرنیاں اسی قدر گریزاں اتنے دنوں سے اس نے خصوصی کوشش کی تھی کہ معاذ سے کالج میں سامنا نہ ہو اور وہ اس کوشش میں کامیاب بھی رہی تھی۔

''آپ کو خاص قسم کی خوشبو نے نوید دے دی تھی کہ کچھ لوگ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔'' زیاد نے گلا کھنکار کر شرارت بھرے انداز میں استفسار کیا، معاذ نے بھنوؤں کو لاعلمی کے انداز میں جنبش دی اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے جس صوفے پہ بیٹھا اس کے مدمقابل پرنیاں آ گئی تھی، معاذ چند لمحوں کو اسی زاویے پہ ساکن رہ گیا تھا۔

''مائی گاڈ! اگر اس پل خدا سے کچھ اور مانگتا تو وہ بھی لمحے کی تاخیر کے بغیر مل جاتا۔'' اس کی سحر طراز آنکھوں میں خوشگواریت سی خوشگواریت تھی۔

''آہم...... آہم...... یعنی آپ نے پرنیاں جی کی یہاں موجودگی کی خواہش کی تھی؟'' زیاد نے مسکرا کر ٹکڑا لگایا۔

''میں نے تو دیدار یار مانگا تھا۔'' معاذ نے کاندھے اچکا کر یونہی یک ٹک پرنیاں کو دیکھتے رہ کر تبسم خیز لہجے میں کسی قدر شوخی بھری برجستگی سے کہا، پرنیاں کا سارا گریز پانی پہ بلبلہ ثابت ہوا، وہ بری طرح کنفیوژڈ نظر آنے لگی۔

اتنے کہاں مصروف ہو گئے ہو تم
کہ دل دکھانے بھی نہیں آتے

وہ یونہی اسے نظروں کے فوکس میں رکھے ہولے سے گنگنایا تھا، پرنیاں گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

''بیٹھیں نا، کہاں جا رہی ہیں آپ؟'' وہ بے ساختہ مچل کر بولا تھا، پرنیاں ان سنی کیے تیزی سے باہر چلی گئی۔

تمہاری بے رخی پہ بھی لٹا دی زندگی ہم نے
اگر تم مہرباں ہوتے ہمارا حال کیا ہوتا

وہ آہ بھر کے بولا تھا، زیاد کی ہنسی چھوٹ گئی تھی، مما نے البتہ خفگی سے اسے گھورنا ضروری سمجھا۔

''حد ہوتی ہے معاذ! کب آپ سریس ہوں گے، بچی اسی وجہ سے آپ سے اتنا بدکتی ہے۔''

''آپ سے کس نے کہا میں سریس نہیں ہوں، بخدا میں ہرگز بھی نان سیریس نہیں ہوں، آپ انہیں بتائیں اور بدکنے کا علاج بھی ہو سکتا ہے، کسی مضبوط بندھن میں باندھ دیں مجھ سے، سارے مسئلے حل۔'' اس نے چٹکی بجائی تھی، وہ سب منہ چھپا چھپا کر ہنس رہے تھے، مما سر پکڑ کے بیٹھ گئیں۔

''یعنی طے ہوا آپ کبھی نہیں سدھر سکتے۔'' بھابھی نے لقمہ دیا، معاذ نے انہیں خفیف سا گھورا تھا اور اٹھ کھڑا ہوا، اپنے کمرے میں جانے کی بجائے اس کا رخ جہان کے کمرے کی جانب ہو گیا تھا، دروازہ ناک کرتا ہوا وہ اندر داخل ہوا تو جہان کو صوفے پہ نیم دراز سگریٹ سلگاتے پا کر خود بھی سلگ گیا تھا۔

''اتنی اسموکنگ کیوں کرتے ہو یار۔''

''چینج کیے بغیر چلے آئے ہو ریلیکس تو کر لیتے۔'' جہان نے سگریٹ بجھا دیا تھا۔

''ریلیکس تو تمہیں دیکھ کر بھی ہوا جا سکتا ہے۔''

''میں پرنیاں نہیں ہوں۔'' جہان نے مسکراہٹ دبائی تھی معاذ کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا۔

''کوئی خاص بات ہے؟'' جہان نے دھیان سے اسے دیکھا تھا۔

''وہ تصویریں دیکھی تم نے جو مما نے دی تھیں؟'' معاذ کے سوال نے جہان کے چہرے پہ سنجیدگی اور گمبھیرتا بکھیر دی تھی۔

''بولو ہے؟ کوئی ایک تو پسند آئی ہوگی، ساری ہی لڑکیاں......''

''معاذ پلیز۔'' وہ سخت عاجز ہو کر بولا تھا، معاذ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟ شادی نہیں کرنی؟''

''شادی سے انکار نہیں ہے مجھے، مگر اتنی جلدی نہیں، تم چچی جان کو سمجھاؤ پلیز۔''

''میں اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا، بی کوز میں خود ہی چاہتا ہوں۔'' معاذ کے جواب پہ جہان نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

''لاؤ مجھے دو اسنیپس، تمہارے حصے کا یہ کام بھی مجھے ہی کرنا پڑے گا۔'' معاذ آگے بڑھ کر تصویریں ڈھونڈنے لگا، جہان کو سخت تاؤ آیا تھا۔

''تو پھر شادی بھی تم خود ہی کر لینا۔'' وہ پھٹ پڑا تھا، معاذ پہلے ہونق ہوا پھر بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

''کچھ خدا کا خوف کرو یار، دو تو پہلے ہی تمہاری وہ پینڈو بھابھی اور دوسری پرنیاں تیسری کو تم مجھ پہ مسلط کرنا چاہتے ہو، پرنیاں خود نپٹ لے گی تم سے۔''

''معاذ پلیز میں مذاق کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں۔'' وہ خلاف عادت جلدی غصے میں آ گیا تھا۔

''میں بھی مذاق نہیں کر رہا ہوں، شادی تو تمہیں کرنی پڑے گی جان من، بڑے ہو مجھ سے، تم سے پہلے شادی کرتے مجھے سخت شرم آئے گی۔'' وہ ذرا جو اس کے رعب میں آیا ہو۔

''اطلاعاً عرض ہے تمہاری شادی ڈھائی سال پہلے ہو گئی تھی بھول گئے، تب شرم نہیں آئی تھی۔'' جہان نے اسے شرمندہ کرنا چاہا مگر یہ شاید ناممکن سی خواہش تھی، اس کی ڈھٹائی کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''تب پپا نے زبردستی کی تھی، میں نے مرضی سے تو یہ کام نہیں کیا تھا نہ خوشی سے۔'' جہان جانتا تھا اس سے بحث میں جتنا ناممکن ہے سو چپ سادھ لی تھی۔

''یار جے مان بھی جا، ضد اچھی چیز نہیں، یہ دیکھ یہ لڑکی سب سے کیوٹ ہے، کر لے اس سے شادی۔'' معاذ کو تصویروں کا لفافہ مل گیا تھا، اس نے ایک تصویر بھی منتخب کر لی تھی، جہان نے کچھ کہے بغیر محض ایک نظر اسے دیکھا تھا، اضطراب، بے چینی، بے بسی، لاچاری، کیا کچھ نہ تھا اس ایک نظر میں، معاذ کی ساری چونچالی لمحہ بھر میں ہوا ہو گئی تھی، معاذ سے ایک لفظ بھی مزید نہیں کہا گیا تھا، کچھ پل دونوں کے بیچ تکلیف دہ چپ حائل رہی تھی پھر معاذ شکستہ قدموں سے چلتا باہر نکل گیا تھا، جہان کے اندر تھکن اور اضمحلال اترنے لگا۔

محبت امر رہتی ہے
اگر دل ٹوٹ بھی جائے
صنم گر روٹھ بھی جائے
کسی کا ہاتھ ہاتھوں سے
کبھی جو چھوٹ بھی جائے
محبت مٹ نہیں سکتی
محبت مر نہیں سکتی

محبت امر رہتی ہے
کبھی یادوں کی صورت میں
کبھی باتوں کی صورت میں
یا برساتوں کی صورت میں
محبت امر رہتی ہے
محبت کرنے والوں کی انوکھی ریت ہوتی ہے
محبت ہار بھی جائے
تو اس میں جیت ہوتی ہے
محبت چیز ہے ایسی
کبھی جو مٹ نہیں سکتی

جہان سیل فون پہ ہونے والی بیپ سے چونکا تھا، اسکرین پہ ان نان نمبر بلنک کرتا تھا، چند لمحوں کے توقف سے جہان نے بے دلی سے کال ریسو کی تھی۔

''السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟'' دوسری جانب مدھر نسوانی آواز تھی، جسے جہان پہچاننے سے قاصر رہا تھا۔

''آپ کون؟'' سلام کا جواب دے کر اس نے اپنی الجھن رفع کرنا چاہی تھی، دوسری جانب چند لمحوں کا سکوت طاری ہو گیا۔

''مم...... میں ژالے ہوں۔'' کس قدر توقف سے تعارف پیش ہوا تھا مگر اب کے لہجے میں وہ پہلے والی تازگی باقی نہیں رہی تھی جہان کے چہرے پہ پہلے تحیر انڈا تھا پھر نخوت پھر تلخی۔

''کیسے زحمت کی آپ نے؟ اور یہ نمبر کہاں سے لیا؟'' اس کا لہجہ قابل اعتراض حد تک سرد اور روکھا تھا جو مقابل کے حواس سلب کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا تھا۔

''اس روز آپ کو میرا باہر جانا وہ بھی اکیلے شاید اچھا نہیں لگا تھا۔'' وہ گڑبڑا کر بولی تھی جہان کی پیشانی پہ ایک اور بل پڑا۔

''یہ تو غالباً میں اسی وقت آپ کو بتا چکا تھا۔'' جہان کا لہجہ و انداز ہنوز سرد مہر اور روڈ تھا، اس کے الفاظ نہ سہی انداز ضرور صاف جتلاتا تھا۔

''اب کال کرنے کی کیا ضرورت تھی پھر۔''

''مم...... میں نے سوچا مجھے آپ سے ایکسکیوز کر لینا چاہیے۔'' وہ یقیناً بے حد نروس ہو چکی تھی جبھی ہکلا کر بولی تھی۔

''ہو گیا ایکسکیوز اور کچھ؟'' جہان کا لہجہ کاٹ دار طنز سمیٹ لایا تھا۔

''ن...... نن...... نو...... تھنگ مجھے بس یہی کہنا تھا، اللہ حافظ۔'' اس نے گھبرا کر فون بند کر دیا، جہان نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچا اور سیل فون بستر پہ اچھال دیا، اس کے اندر کی تپش بے تحاشا بڑھ گئی تھی، مسز آفریدی کے حوالے سے جو نفرت تھی وہ ساری کی ساری وہ ژالے پہ انڈیل دینا چاہتا تھا مگر اس کے مزاج کی رواداری اور تدبر اس کے راہ میں حائل ہونے لگتا تھا۔

(میں تمہیں کچھ مختلف سمجھا تھا، آج کل کی تمام جذبات میں بے قابو ہو جانے والی لڑکیوں سے، مگر نہیں تم بھی ویسی ہی ہو، تم نے خود پہ نقاب چڑھایا ہوا تھا، جو دھیرے دھیرے سرک رہا ہے، آئی ہیٹ یو۔) اس کے ذہن کا تناؤ اور نفرت کچھ اور بڑھی تھی۔

☆☆☆

دروازے پہ دستک دینے کے بعد اس نے تب تک انتظار کیا جب تک اندر سے اجازت نہیں ملی، دروازہ دھیرے سے کھول کر اس نے اندر قدم رکھا تو اس کی لمبی پلکیں جھکی ہوئی تھیں، فینسی سوٹ کا چادر نما بڑا سا دوپٹہ بہت سلیقے سے اوڑھے ہوئے وہ بے حد چارمنگ نظر آرہی تھی، پپا نے کتاب کا صفحہ پلٹتے ہوئے سرسری انداز میں نگاہ اٹھائی تھی مگر اسے روبرو پا کے یکدم سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''پرنیاں بیٹے آؤ آؤ۔''

''السلام علیکم پپا!'' اس نے آہستگی سے سلام کیا تھا، پپا نے خود بڑھ کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا پھر پیشانی چومی تھی۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہیے بیٹے!'' نہایت محبت سے سلام کا جواب دے کر انہوں نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا تھا اور مسکرا کر خیریت دریافت کی۔

''جہان بھائی بتا رہے تھے آپ نے بلوایا ہے مجھے؟''

''مجبوری تھی بیٹے! ورنہ آپ کو خود تو اپنے باپ سے ملنے کا خیال نہیں آتا۔'' انہوں نے کسی قدر چھیڑنے والے انداز میں مسکرا کر کہا تو پرنیاں جھینپ کر رہ گئی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے پپا! پھر آپ تو مجھ سے ملنے ہاسٹل بھی آسکتے ہیں نا۔''

''میں اس نالائق کی وجہ سے نہیں آتا سنا ہے آج کل وہ سب سے زیادہ آپ پہ اپنی توجہ لگائے ہوئے ہے، سچ بتائیں بیٹے یہ کچھ پڑھاتا وڑھاتا بھی ہے یا نہیں۔'' پپا کے انداز میں خفیف سی شرارت تھی، پرنیاں کا چہرا سرخ پڑ گیا، اب کی مرتبہ وہ کچھ نہیں بولی تھی، بے چین سی ہونٹ کچلتی رہی۔

''بیٹے کیا ایسے نہیں ہو سکتا کہ آپ معاذ کی اس غلطی کو معاف کر دیں؟'' پرنیاں بے چینی و اضطراب کی کیفیت میں اپنی جگہ پہ پہلو بدلا تھا۔

''میں اس قابل کہاں ہوں پپا کہ کسی کو معاف کر سکوں۔'' وہ سخت عاجز ہو گئی تھی، پپا نے کچھ لمحوں کو ہونٹ بھینچ لئے۔

''وہ کسی نہیں ہے بیٹے! آپ کا سب سے مضبوط اور اہم تعلق معاذ حسن سے ہی بندھا ہوا ہے۔'' انہوں نے جیسے اسے سمجھایا تھا، پرنیاں نے پھر چپ سادھ لی تھی، پپا بھی جیسے کسی سوچ میں ڈوب گئے۔

''پرنیاں بیٹے یاد ہے آپ کو، ایک بار میں نے کہا تھا میں آپ کو شاہ ہاؤس میں آنے کا تب کہوں گا جب معاذ آپ کو تمام تر عزت و احترام سے اس گھر میں لائے گا، بیٹے مجھے لگتا ہے وہی وقت ہے یہ، معاذ آپ کے حصول کی خاطر پاگل ہو رہا ہے، میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ نے

مجھے سرخرو کیا ہے وہاب چچا کے سامنے...... پرنیاں بیٹے میں چاہتا ہوں اب آپ کو باقاعدہ رخصت کرا کے اس گھر میں لے آئیں۔'' پرنیاں نے سخت متوحش ہو کر انہیں دیکھا تھا اور بے چین سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''مم...... مگر پپا نہیں تو ساری بات کا علم نہیں ہے۔''

''علم ہو جائے گا ڈونٹ وری، سب بچے یہ راز شادی کے دن تک رکھنا چاہتے ہیں، یہ بچوں کا معاملہ ہے وہ جانیں اور معاذ......!''

''مگر پپا میری اسٹڈی۔'' وہ گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر کے سوال کر رہی تھی، اسے قطعی سمجھ نہیں آرہی تھی وہ انہیں کیسے منع کرے۔

''بیٹے معاذ آپ کو منع نہیں کرے گا پڑھنے سے، بلکہ میں سمجھتا ہوں شادی کے بعد اسٹڈی آپ کے لئے آسان ہو جائے گی۔'' اپنی بات کے اختتام پہ پھر مسکرائے تھے، پرنیاں کے چہرے پہ کچھ اور سرخی چھا گئی، کچھ کہے بغیر اس نے سر جھکا لیا تھا۔

(تو معاذ حسن طے ہوا کہ میرے فرار کا ہر راستہ مسدود ہے، فائدہ بھی کیا ہے، مجھے کہیں بھی جا کر پلٹ کے تو آپ کے پاس ہی آنا تھا نا، کہ تم آخری جزیرہ جو ٹھہرے۔)

''بیٹے آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟'' پپا کی آواز پہ وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھی، پھر آہستگی سے سر کو نفی میں جنبش دے ڈالی۔

''مجھے آپ کے کسی بھی فیصلے سے انکار نہیں ہے پپا۔''

''گڈ تھینکس بیٹے! اک آخری سوال، یہ بتائیں آپ خوش ہیں؟'' اور اس سوال کے جواب میں وہ کچھ دیر پہلے کی طرح سر ہلا کر بھی جواب نہیں دے سکی، بس جھینپ کر مسکرا دی تھی اور اس کے چہرے پہ بکھرتے خوبصورت رنگوں نے از خود اس کی خوشی کی نوید ان تک پہنچا دی تھی۔

(میں خود سے اور آپ سے بھاگتے تھک گئی ہوں معاذ حسن! اب جی چاہتا ہے آپ کی محبت کے احساس کی تمام شدتوں کو سمیٹ لوں۔) اس نے سوچا تھا اور پھر اپنی سوچ پہ بھی خود ہی جھینپ کر مسکرا دی تھی۔

☆☆☆

تمہارا خط ملا جاناں
وہ جس میں تم نے لکھا ہے
کہ اب حالات کیسے ہیں؟
میرے دن رات کیسے ہیں؟
مہربانی تمہاری ہے
کہ تم نے اس طرح مجھ سے میرے حالات پوچھے ہیں
میرے دن رات پوچھے ہیں
تمہیں سب کچھ بتا دوں میں
مجھے اتنا بتا دو کہ

کبھی ساگر کنارے پر کسی مچھلی کو دیکھا ہے؟
کہ جس کو لہریں پانی کے کنارے تک تو لاتی ہیں
مگر پھر ریت پر تڑپتا چھوڑ کر واپس لوٹ جاتی ہیں
میرے حالات ایسے ہیں
میرے دن رات ایسے ہیں

رات اندھیرے کے دامن میں دودھیا چاندنی کی آمیزش لئے بڑی تمکنت سے جلوہ گر تھی، ستاروں کی تابانی آسمان کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہی تھی، رات کی رانی کی مہک ماحول کی فسوں خیزی کو دوبالا کیے ہوئے تھی، آرائشی لمپ روشن تھے اور وہ سرخ اینٹوں کے فرش پہ گم صم سی کب سے چکراتی پھرتی تھی، رہ رہ کر اس کے ذہن میں جہان کا سپاٹ چہرا بے زار آنکھیں اور طنزیہ لہجہ در آتا تھا، کہیں سے بھی لگتا تھا اس نئے بندھن جانے والے تعلق سے خوشی سے سرشار یا بے قابو ہے، بلکہ اس کا اکتایا ہوا انداز تو کچھ اور کہانی سناتا تھا، کتنے دن ہو گئے تھے اسے اس الجھن میں گرفتار ہوئے، پچھلے دو مہینے وہ ٹریٹمنٹ کے لئے لندن میں تھی، طبیعت زیادہ خراب تو نہیں تھی مگر یہ چھ ماہ بعد لینے والی ٹریٹمنٹ تھی جو اسے اس بیماری کے خلاف اضافی قوت مدافعت فراہم کرتی تھی، اس سے قبل وہ ہمیشہ یہ ٹریٹمنٹ لینے پہ متامل ہوا کرتی تھی مگر اس مرتبہ زندگی نے جو انداز بدلا تھا تو وہ مما کے کہے بغیر خود وہاں جانے کو تیار ہو گئی تھی، یہ اس سے ایک دن بعد کی بات تھی۔

جب جہان سے اس کا اتفاقی طور پر ٹکراؤ ہو گیا تھا، ژالے تو اسے دیکھ کر ہی مسمرائز ہو گئی تھی، جہان کی اتنی سی توجہ نے ہی اسے گلاب کی مانند کھلا دیا تھا، صندل کی طرح سلگا کر مشکبو کر ڈالا تھا، مگر یہ خمار زیادہ قائم نہیں رہ سکا تھا، کچھ تھا جہان کے رویے میں جس نے اسے حواسوں میں لوٹایا تھا اور حیرت کے بعد کرب میں مبتلا کر دیا تھا، وہ چاہتی تو مسز آفریدی سے بھی اس بات کی تصدیق کرا سکتی تھی مگر بہت سوچنے کے بعد اس نے جہان کو کال کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اس کا ذاتی خیال تھا جہان کو اس کی یہ بے احتیاطی ناگواری سے دوچار کر گئی ہے، اس کے ایکسکیوز کو تو پتہ نہیں جہان نے ایکسیپٹ کیا یا نہیں البتہ اپنی فیلنگو ضرور ژالے پہ واضح کر دی تھیں وہ اس دن سے ہی مضطرب اور بکل تھی، جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کچھ مسنگ تھا، کیا یہ وہ نہیں جانتی تھی کئی بار جی میں آئی مسز آفریدی سے باز پرس کرے مگر وہ یہ بات بھی اچھی طرح سے جانتی تھی مسز آفریدی کسی طور بھی اپنا کوئی راز اس پہ آشکار نہیں ہونے دیں گی، جہان سے کچھ پوچھنا دوسرے لفظوں میں خود کو مزید ڈی گریڈ کرنے کے مترادف تھا جو بہر حال اسے گوارا نہیں تھا۔

''ژالے!'' اس نے چونک کر سر اٹھایا، مسز آفریدی اپنے کمرے کے ٹیرس کی ریلنگ سے جھکیں اسے غصے سے پکار رہی تھیں۔

ژالے نے انہیں دیکھا ضرور تھا جواب میں کوئی رسپانس نہیں دیا حالانکہ وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنے کمرے میں جانے کا کہہ رہی تھیں، جسے اگنور کیے ژالے وہیں ایک کرسی پہ گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی، شدید اضطراب کے باعث اس کی سانسیں غیر ہموار ہونا شروع ہو چکی تھیں۔

''اس وقت آدھی رات کو یہاں کیا کر رہی ہو؟ پاگل ہو تم ہنی۔'' مسز آفریدی کو اس کی ہٹ دھرمی کے سامنے خود پسپا ہونا پڑا تھا، شب خوابی کے ریشمی تیز رنگ کے لبادے میں لپٹیں کھلے بالوں کے ساتھ وہ جھنجھلاہٹ کا شکار اس کے سامنے تھیں۔

''میں آدھی رات کو یہاں ٹہلوں یا بھری دوپہر میں، آپ کو اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے ممی!'' وہ پھٹ پڑی تھی، مسز آفریدی نے حیرت بھرے انداز میں آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا، اس وقت اس نے بہت شوخ رنگوں میں دلفریب سی شرٹ پہنی ہوئی تھی جس سے اس کی نرم ملائم بانہیں مومی شمعوں کی طرح روشن روشن نظر آتی تھیں، آف وائیٹ ٹراؤزر تھا ملیح پیروں میں پنک کلر کی چپل اس کے ریشمی بالوں کا سیاہ آبشار پشت پہ سیدھا گر رہا تھا، اس چٹکی ہوئی چاندنی میں اپنی سحر انگیزی کے ہمراہ وہ خود بھی چاند کا ہی ٹکڑا لگ رہی تھی، اسی پل تیز ہوا کے جھونکے نے اس کے اجلے چہرے کو اسی کے بالوں میں چھپانے کی کوشش کی جیسے دیکھنا چاہتی ہو کہ یہ روشنی بادلوں میں چھپ کر کیسی لگ سکتی ہے، مسز آفریدی نے اس پل اسے اپنی نہیں جہان کی نگاہ سے دیکھا تھا اور پھر زعم سے مسکرا دی تھیں۔

(تمہارا سارا طنطنہ ساری اکڑ دھری رہ جائے گی جہانگیر حسن شاہ، میری بیٹی ہرگز بھی کوئی عام لڑکی نہیں ہے، بس ایک مرتبہ تم اسے پوری توجہ سے دیکھ لو، سحر سے نکلنا بھی چاہو تو کامیابی نہیں ہو گی۔)

''اتنی خفا کیوں ہے مجھ سے میری بیٹی!'' انہوں نے آگے بڑھ کر بے ساختگی میں اسے چوما، ژالے اسی حد تک بے زاری میں مبتلا ہو گئی۔

''ممی کیا میں آپ سے پوچھ سکتی ہوں شاہ آپ سے اتنے خفا کیوں ہیں؟ صرف آپ سے ہی نہیں مجھ سے بھی...... آپ کو یاد ہے آپ کہتی تھیں کہ......'' اس کا گلا بھرا سا گیا، وہ ایکدم خاموش ہوئی تھی پھر ہونٹ بھینچ لئے، مسز آفریدی نے اس کے ہونٹوں کی لرزش اور آنکھوں کی سطح پہ مچلتی نمی کو دیکھا تھا اور اپنی آنکھیں جلتی محسوس کی تھیں۔

''وہ ملا ہے تم سے؟ یہاں آیا تھا؟'' اندر کی تمام ناگواری چھپا کر انہوں نے سرد آواز میں استفسار کیا تھا، ژالے نے متاسفانہ سانس کھینچی۔

''یہاں وہ اس صورت میں آتے ممی اگر انہیں آپ سے یا مجھ سے ملنے کی خواہش ہوتی، مجھے نہیں لگتا انہیں ایسی کوئی خواہش ہو۔'' وہ گلوگیر آواز میں کہہ کر پھر ہونٹ کاٹنے لگی۔

''فضول کی قیاس آرائیاں کیوں کر رہی ہو ژالے، ایسی بات نہیں ہے۔'' مسز آفریدی نے اس نے نگاہ چرائی تھی اور بے ساختہ ڈانٹا، ژالے کے ہونٹوں پہ زہر خند پھیلنے لگا۔

''کوئی بھی انسان اگر جھوٹ نہیں بول رہا ہوتا تو اسے نظریں چرانے کی ضرورت پیش نہیں آتی ممی! بہتر ہوگا آپ اصل بات سے مجھے بے خبر نہ رکھیں، کیا کیا ہے آپ نے شاہ کے تھا کہ اتنے روڈ ہو رہے ہیں۔'' ژالے کے انداز میں صدیوں کی تھکان اتر آئی تھی، مسز آفریدی نے اب کے تلملاہٹ میں پیر پٹخے تھے۔

''تم مجھے ہمیشہ غلط سمجھتی ہو ہنی اور یہ تمہارا اپنا چھوٹا پن ہے، تمہاری خاطر پتہ نہیں کیا کچھ کرتی

پھر رہی ہوں اور آپ ہیں کہ......"

"کیا کر رہی ہیں ممی! بتائیں نا مجھے، ایسا کیا کر رہی ہیں آپ اور کیوں؟ جو مجھے بھی آپ کے ساتھ لوگوں کی نظروں سے گرا رہا ہے۔" اب کی مرتبہ وہ خود پہ ضبط نہیں کر سکی اور رو دی تھی، جہان کا رویہ اسے اس دن سے سولی پہ لٹکائے ہوئے تھا وہ ہر لمحہ اذیت سے دوچار تھی اور مسز آفریدی کو پرواہ تک نہیں تھی۔

"ہنی...... ہنی...... ژالے مائی لو کیا ہو گیا؟" مسز آفریدی نے گھبرا کر اسے اپنے ساتھ لگانا چاہا تھا مگر ژالے تڑپ کر فاصلے پہ ہوئی تھی۔

"مجھے آپ کی جھوٹی تسلیوں اور دلاسوں کی ضرورت نہیں ہے ممی! ایک بات یاد رکھیے گا اگر آپ کی وجہ سے میں شاہ کی نظروں سے گری تو میں خود کو شوٹ کر لوں گی، آپ جانتی ہیں میں ان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی مگر آپ نے......" اس کی سانسیں الجھ گئی تھیں اسے بولنے میں دشواری محسوس ہوئی اور کھانسی کا شدید حملہ ہوا تھا، بات ادھوری چھوڑ کر وہ کھانستے ہوئے نڈھال ہونے لگی، مسز آفریدی نے ایک بار پھر سے تھامنا اور خود سے قریب کرنا چاہا تھا مگر ژالے ان کے ہاتھ جھٹک کر یونہی سسکتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بھاگتی ہوئی چلی گئی تھی، مسز آفریدی ساکن کھڑی تھیں۔

☆☆☆

معاذ نے کچن کے آگے سے گزرتے ہوئے آتشی آنچل کی جھلک دیکھی تو اس کے قدم بے اختیار رک گئے تھے، کچھ لمحے سوچا پھر آہستگی سے آگے بڑھ آیا، زرد بڑے بڑے پھولوں کی لانگ شرٹ وائیٹ ٹراؤزر کے ساتھ پہنے بے تحاشا سلکی سیاہ مخملیں بالوں کو نازک سے کیچر میں مقید کیا ہوا تھا، جو نہایت سیدھے پشت پہ گر رہے تھے، ریشمی زرد کناری والا دوپٹہ شانے پہ جھولتا زمین پہ جھاڑو دے رہا تھا اور وہ خود بہت مگن انداز میں کوکنگ رینج کے آگے مصروف عمل تھی یہاں وہاں متحرک اس کی آمد سے بے خبر کہ دروازے کی جانب اس کی پشت تھی۔

میں اس کا ہوں اس راز کو وہ جان گیا ہے
وہ کس کا ہے یہ سوال مجھے سونے نہیں دیتا

اس نے آہ بھر کے کہا تھا، پرنیاں اس کی آواز پہ سراسیمہ ہو کر پلٹی اس طرح کہ ہاتھ باقاعدہ دل پہ رکھ لیا تھا، وہ پوری جان سے متوجہ تھا، آنکھوں میں شوق کے ساتھ شکوؤں کا بھی اک جہان آباد کیے، پرنیاں سٹپٹائی تھی۔

"آپ...... کچھ چاہیے؟"

یہ رات کا وقت تھا، بھابھی کو کچن میں مصروف دیکھ کر وہ جو اپنے لئے چائے بنانے آئی تھی ان کی مدد کے خیال سے رک گئی تھی، بھابھی کو جنید بھائی نے بلا لیا تھا، پرنیاں نے انہیں واپس آنے سے منع کر دیا۔

"تھوڑا سا کچن ہی سمیٹنا ہے نا بھابھی میں کر لوں گی، آپ آرام کریں۔" بھابھی پریگننٹ تھیں اور کچھ ہی دنوں میں ان کے ہاں بچے کی ولادت متوقع تھی ان کی حالت خاصی قابل رحم ہو رہی

تھی، ڈاکٹر کی ہدایت تھی کام کاج کرنے کی ورنہ کوئی مجبوری نہیں تھی اس کے باوجود گھر کی تمام خواتین ان کے آرام کا خیال کرتی تھیں، اس وقت بھی پرنیاں نے اسی وجہ سے انہیں بھیج دیا تھا اور وہ اس کی اچھی خاصی مشکور ہوئی تھیں، پرنیاں چائے بنانے کے ساتھ چند ایک ان دھلے جو برتن تھے انہیں بھی دھو چکی تھی کہ معاذ کی آمد نے اس گھبراہٹ سے دوچار کر دیا تھا۔

"میرا مطلب ہے چائے وغیرہ۔" معاذ کی نظروں کو ذومعنی انداز میں اپنے چہرے پہ ٹھہرنا اسے کچھ اور بھی بوکھلانے کا باعث بنا تھا، جبھی وضاحت کی۔

"نہیں کچھ اور......"

"ک...... کیا؟" پرنیاں کی سوالیہ نگاہیں لمحہ بھر کو اسی مگر اسی کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے پھر جھک گئی تھیں۔

انگلیاں پھیر میرے بالوں میں
یہ میرا درد سر نہیں جاتا

اس کی گنگناہٹ پہ پرنیاں کی رنگت دہک گئی تھی، ہتھیلیاں پسیجنے لگیں۔

"آپ جائیں یہاں سے پلیز۔" وہ بے حد عاجز ہو کر بولی تھی، معاذ نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"ڈرتی ہیں نا آپ؟ مگر میں نہیں ڈرتا، سب جانتے ہیں یہاں کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور آپ کو اپنانے کا متمنی ہوں۔" وہ اسی اعتماد اور زعم سے بولا تھا جو اس کی شخصیت کا خاصہ اور پہچان تھی، پرنیاں نے گہرا سانس بھرا پھر جزبز ہو کر بولی تھی۔

"اور آپ کی وہ منکوحہ...... اس کے بارے میں کیا سوچا آپ نے؟" وہ نا چاہتے ہوئے بھی پھر وہی حساس موضوع چھیڑ گئی جس کے تذکرے پہ وہ متعدد بار ہرٹ ہو چکی تھی، معاذ نے بہت چونک کر اسے دیکھا تھا پھر داہنا ہاتھ بالوں میں الجھا کر گہرا سانس کھینچا۔

"سب سے پہلے تو آپ مجھے یہ بتائیں پرنیاں کہ یہ اتنے اندر کی بات آخر کس نے آپ کو بتائی ہے؟" وہ کس قدر جھلاہٹ کا شکار لگنے لگا پرنیاں نے نگاہ اس کے چہرے پہ لمحہ بھر کو ڈالی پھر چہرے کا رخ پھیر لیا۔

"اہمیت اس بات کی نہیں ہے، اہم سوال وہ ہے جو میں نے آپ سے کیا ہے؟" اب کے وہ قدرے چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تھی، معاذ اسے دیکھتا رہ گیا۔

"میں آپ سے کوئی غلط بیانی کر کے آپ کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا، میں اس لڑکی کو چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتا، اس کے باوجود کہ آپ ایسا چاہیں، بی کوز وہ پپا کی منتخب کی ہوئی ہے اور ایسا کوئی قدم اٹھا کر میں پپا کو ہرٹ نہیں کر سکتا۔" اس نے صاف گوئی سے جواب دیا تھا، پرنیاں کے چہرے پہ ایک لمحے کو روشنی سی چھا گئی، مگر اس نے اپنے تاثرات بہت خوبصورتی سے چھپا لئے تھے۔

"لیکن صرف نکاح کے بندھن میں رکھنا اور باقی حقوق کی پاسداری سے غفلت برتتے رکھنا بھی تو اس فرق ثانی کے ساتھ سراسر زیادتی ہے نا، اگر آپ کا انہیں چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے تو

آپ نے ان سے ملنے یا پھر اپنی رخصت کرانے کے متعلق کیوں نہیں سوچا؟" پرنیاں نے اپنے دل میں ہمیشہ سے کنڈلی مارے اس سوال کو اس کے سامنے رکھا تھا اور بہت اعتماد سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دہی کی تھی، اب کی مرتبہ معاذ قدرے جھنجھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔

"مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی آپ کو اس انجانی لڑکی سے اتنی ہمدردی کیوں ہے آخر؟ وہ بھی اس صورت جبکہ میں آپ کو پسند کرتا ہوں، آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" پرنیاں نے جواباً گہرا سانس کھینچا پھر اپنا چائے کا کسی حد تک ٹھنڈا ہو جانے والا مگ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا تھا ایک سیپ لیا پھر اسی اطمینان سے بولی تھی۔

"اسی لئے تو مجھے یہ فکر ہے کہ آپ کا آئندہ لائحہ عمل کیا ہوگا؟" معاذ دنگ رہ گیا، پھر خود کو سنبھال کر اس کی جانب خفیف سا جھکا اور آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہوا مسکراہٹ دبا کر بولا تھا۔

"اس کا مطلب آپ مجھ سے شادی پہ راضی ہیں؟" پرنیاں بے تحاشا سرخ پڑ گئی، بے اختیار دو قدم پیچھے ہوئی اور لرزتی پلکیں جھکا دیں۔

"میں نے ابھی اقرار نہیں کیا۔"

"انکار بھی نہیں کیا پھر یہ تفتیش کس سلسلے کی کڑی ہے بھلا؟" معاذ کا موڈ از حد خوشگواریت سمیٹ لایا تھا، مسکراہٹ مستقل اس کے ہونٹوں پہ آن جمی تھی، پرنیاں محجوب سی ہو گئی، واقعی دھرلی گئی تھی وہ بھی بری طرح، جبھی جھنجھلاہٹ میں حیا کو چھپانا چاہا۔

"آپ میری بات کا جواب دیں پلیز۔" معاذ کو سنجیدہ ہونا پڑا تھا۔

"میں اس لڑکی سے ابھی تک ملا نہیں ہوں پرنیاں! لیکن یہ طے ہے کہ اگر میں اسے ڈائیورس نہیں کروں گا تو آف کورس مجھے اس رخصت بھی کرانا ہے اور حقوق کی ادائیگی بھی کرنی ہے۔" پرنیاں کے دل میں پیوست آخری خار بھی نکل گیا، وہ بے اختیار ریلیکس ہوئی تھی کچھ کہے بغیر اپنی چائے ختم کرتی رہی جبکہ معاذ کو اس کی خاموشی نے مضطرب کیا تھا۔

"آپ خفا ہو گئی ہیں؟ سوری پرنیاں لیکن دیانتداری کا تقاضا تو یہی ہے نا۔" وہ جیسے اپنی بات کی وضاحت کرتا ہوا اس کی موڈ بحال کرنے کی کوشش میں مصروف تھا، پرنیاں کو بے تحاشا ہنسی آئی جسے اس نے ضبط کیا تھا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں سر! اور میں بھلا کیوں خفا ہوں گی۔" جواباً اس نے رسانیت سے کہا تھا مگر معاذ مطمئن نہیں ہو سکا۔

"آپ کی خاموشی صاف بتاتی ہے کہ آپ ہرٹ ہوئی ہیں۔" پرنیاں نے گہرا سانس کھینچا، پھر اسے دیکھ کر بظاہر لاچاری سے بولی تھی۔

"دیکھیں مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی جب آپ نکاح کر چکے ہیں اور اپنی بیوی کے ساتھ زندگی گزارنے کا ارادہ بھی ہے تو پھر مجھے کیوں اپنا پابند کرنا چاہتے ہیں؟" اب اسے لطف محسوس ہو رہا تھا معاذ کو تنگ کر کے، معاذ کے چہرے پہ ایک رنگ سا آ کر گزر گیا، پھر اس نے سرعت سے خود کو سنبھالا تھا۔

"یہ نکاح پپا نے زبردستی کیا تھا، اگر میں اسے قائم رکھنا چاہتا ہوں تو بھی وجہ پپا ہی ہیں میں انہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا، پرنیاں ہماری فیملی میں رشتوں اور تعلقات کی بہت اہمیت ہے، ہم ایک دوسرے کے جذبات کا بہت احترام کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں اسی میں زندگی کی خوبصورتی کے تمام رنگ پنہاں ہیں، زندگی ان رنگوں کے بغیر بھی گزر سکتی ہے بلاشبہ مگر اس میں وہ چارم اور دلکشی بہرحال نہیں ہو گی، اب یہی دیکھ لیں، میں نے آپ کو پسند کیا اپنے لئے، میری فیملی نے کتنی فراخدلی سے آپ کو قبول کیا ہے، کیوں؟ اس لئے نا کہ انہیں میری ضرورت ہے وہ لوگ مجھے مکمل دیکھنا چاہتے ہیں، میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں آپ کو کھو کر میں خود کو ادھورا محسوس کروں گا اور یہی میں نہیں چاہتا۔"

مفصل اور واضح جواب تھا پرنیاں کے پاس کہنے کو کچھ باقی نہیں رہا تھا، وہ ایک بار پھر خاموش تھی، البتہ اسے معاذ کی بے خبری وہ بھی اس درجہ بے خبری پہ اب تاؤ کی بجائے ہنسی آ رہی تھی، اس نے خالی مگ دھو کر واپس اس کی جگہ پہ پہنچایا پھر دروازے کی جانب بڑھی تھی کہ معاذ نے ہاتھ بڑھا کر اس کا راستہ روک لیا، وہ تھم سی گئی اور سوالیہ نگاہیں اس کی جانب اٹھائیں۔

"اک بات کہوں پرنیاں؟" وہ کچن کی چوکھٹ سے کاندھا ٹکائے سینے پہ بازو لپیٹے کھڑا تھا، سیاہ جینز پہ وائیٹ شرٹ میں اس کا دراز کسرتی وجود کچھ اور بھی نمایاں اور شاندار لگ رہا تھا، پرنیاں کی پلکیں آہستگی سے جھک گئیں، گویا اجازت دی گئی تھی، معاذ مسکرا دیا تھا۔

"آج آپ ایک بالکل انوکھے اور نئے روپ میں میرے سامنے آئی ہیں اور یہ انداز اتنا انوکھا اور دلکش ہے کہ میرا جی چاہ رہا ہے یونہی ہم اک دوسرے کے ساتھ رہیں اور رات بیت جائے۔" پرنیاں کا دل زور سے دھڑکا تھا، چہرے پہ حیا آمیز گھبراہٹ سرعت سے بکھرتی چلی گئی۔

"پلیز جانے دیں مجھے۔" وہ یوں گھبرا کر بوکھلا کر بولی کہ اس کی اسی کیفیت سے حظ لے کر معاذ قہقہہ لگانے لگا تھا، پرنیاں اسے سامنے سے دھکیل کر کچن سے تیزی سے نکلتی چلی گئی، معاذ نے لمبا سانس کھینچ کر اس کی وہیں ٹھہر جانے والی خوشبو کو اپنے اندر اتارا تھا پھر سیٹی پہ کوئی شوخ دھن بجاتے ہوئے خود بھی اپنے کمرے کی جانب ہو لیا۔

☆☆☆

شاہ ہاؤس میں گہما گہمی کا عالم ہی نرالا تھا، دو دو تقریب اک ساتھ تھیں، پرنیاں کی رخصتی اور زیاد کی منگنی، گھر کی کچھ کنسٹرکشن کا کام جاری تھا، ساتھ میں شادی کی تیاریاں اور خریداری بھی، پرنیاں کا زیادہ وقت شاہ ہاؤس میں ہی گزرتا تھا، معاذ بیچارے کو ابھی تک کسی بات کی ہوا نہیں لگنے دی گئی تھی، گھر میں ہونے والی یہ ساری تیاری اور ہلچل کے لئے معقول بہانہ یعنی زیاد کی منگنی کا موجود تھا، جبھی سب اسے اپنے آگے لگائے پھر رہے تھے، حالانکہ جہان کو اب یہ سب فضول لگ رہا تھا اور اس نے زیاد وغیرہ کو یہ بات سمجھائی بھی تھی۔

"اس شرارت کو مزید طول مت دو زیاد، کہیں یہ مذاق بدمزگی کا باعث نہ بن جائے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہو گا بجے آپ اپنے خدشے سنبھال کر رکھیں۔" جواب زیاد کی بجائے زینب نے دیا تھا اور خاصے نخوت سے دیا تھا، اسے چپ ہونا پڑا تھا۔

"اور خبردار جے آپ نے ہمدردی میں لالے کو کچھ بتانے کی کوشش کی تو......؟" اس تو کے آگے اللہ جانے کون سی دھمکی تھی جہان نے کاندھے اچکا دیئے تھے حالانکہ اس کا ذاتی خیال تھا اگر اب معاذ پہ حقیقت آشکار ہو جاتی تو وہ مائینڈ نہ کرتا اور اپنی شادی کی تمام تقریبات کو خود بھی انجوائے کر سکتا تھا، نکاح کے موقع پہ بھی اس کا موڈ خراب تھا اب پھر اسے بے خبر رکھ کر اس سے زیادتی کی جا رہی تھی جو جہان کو بہر حال ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

"آپ کا کیا خیال ہے پرنیاں معاذ کو لاعلم رہنا چاہیے؟" جہان نے وہیں موجود پرنیاں کو معاملے میں گھسیٹ لیا تھا، اس نے بے نیازی سے شانے جھٹک دیئے تھے۔

"کوئی حرج نہیں ہے بھائی! آخر انہوں نے بھی تو اتنا عرصہ مجھے زچ کیا تھا نا۔" اسے بھی ان کا ہم خیال پا کے جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔

"او کے فائن! پھر جو بھی اس کا رسپانس ہو گا آپ لوگ بھگت لیجئے گا۔" وہ اپنے طور پہ بری ذمہ ہو گیا، زینب نے قہقہہ لگایا۔

"ہم کیوں بھگتیں، یہ بھگتیں گی نا ان کی زوجہ محترمہ۔" اور پرنیاں جہان کی موجودگی میں سرخ پڑنے لگی تھی، جہان وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا تو ٹیبل پہ پڑا ہوا اس کا سیل فون مسلسل وائبریٹ کر رہا تھا، جہانے نے سیل فون اٹھا کر نمبر دیکھا اسکرین پہ چمکتے مسز آفریدی کے نام کو دیکھ کر اس کی پیشانی پہ ناگواری بکھر گئی تھی۔

"جی فرمایئے؟"

"ہمارے بیچ جو تعلق ہے جہانگیر حسن شاہ کیا وہ اس احساس کا بھی متقاضی نہیں کہ بات چیت کا آغاز رسمی طور پر ہی سہی مگر سلام دعا سے کر لیا جائے؟" مسز آفریدی کا لہجہ سرد اور تنکا ہوا تھا، جہان کا موڈ خراب تو تھا ہی گویا اس طنز کے بعد مزید بگڑ گیا۔

"ہمارے بیچ جو تعلق ہے پہلے اس کے مطابق سوچ بچار تو کر لیں کہ اسے قائم رہنا بھی چاہیے یا نہیں، یہ گنجائش بعد میں نکلے گی۔" وہ پھنکارا تھا اس کا چہرا جانے کس جذبے کے تحت سرخ ہو چکا تھا، دوسری جانب یکلخت گمبھیر سناٹا چھا گیا، ایک لمحے کو تو جہان کو لگا تھا رابطہ منقطع ہو گیا مگر اگلے پل اس کا خیال مسز آفریدی کی دھاڑتی آواز پہ غلط ثابت ہو گیا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو آخر؟"

"آپ نہ تو سادہ ہیں نہ معصوم کہ میں اتنی سیدھی بات کی وضاحت پیش کرتا پھروں۔" جہان کا غصہ ہر لحہ بڑھ رہا تھا وہ جس شدید ذہنی کرب میں مبتلا تھا کہ کم از کم مسز آفریدی کے ساتھ لحاظ اور مروت برتنے کو تیار نہیں تھا۔

"اگر میں کہوں کہ آپ حد سے بڑھ رہے ہیں جہانگیر حسن شاہ تو یہ غلط نہیں ہو گا۔" وہ ضبط کھو کر چیخ پڑی تھیں جہان نے تنفر بھرے انداز میں زور سے سر جھٹکا۔

"آپ مجھے بتا سکتی ہیں آپ نے اس وقت زحمت کس سلسلے میں کی ہے؟" اس کا لہجہ طنزیہ تھا، بغیر کسی لحاظ کے روکھا اور نخوت بھرا۔

"ہمیشہ تم مجھے مجبور کرتے ہو کہ میں تم جیسے فضول انسان کو منہ لگاؤں تمام تر ناپسندیدگی کے

باوجود، بتاؤ ژالے سے کہاں ملے تھے تم؟ کہاں بلوایا تھا اسے جھانسا دے کر، اگر تم اسے اپنے جذبات نہیں سنبھالے جاتے تو سیدھا سیدھا اسے رخصت کرا کے لے جاؤ یہ کیا کہ......"

"شٹ اپ جسٹ شٹ اپ۔" وہ پوری طاقت صرف کر کے چلایا، مسز آفریدی کی بیہودہ الزام تراشی نے اس کا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا تھا، غم و غصے سے وہ پاگل ہونے لگا، جبھی ان کی مزید بکواس سنے بغیر اس نے رابطہ منقطع کر دیا تھا اور یوں مضطرب سا کمرے میں چکرانے لگا جیسے پیروں تلے کانٹے بچھے ہوں، توہین سبکی اور ہتک کے احساس نے اسے لمحوں میں ادھ موا کر کے رکھ دیا تھا۔

(میں کیوں ملوں گا ژالے سے......اوہ کہیں ژالے نے ان کے سامنے اس معمولی واقعہ کو بڑھا چڑھا کر بیان تو نہیں کیا؟) وہ ایکدم ٹھٹک گیا، اگلے لمحے اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

کن گھٹیا لوگوں میں پھنس گیا تھا وہ، اسے رونا سا آنے لگا، مسز آفریدی کا نام بار بار اسکرین پر بلنک کرتا تھا اور نیم تاریک کمرے کی دیواروں پہ نیلی روشنی کا عکس تھر کنے لگتا، جہان نے کال اٹینڈ نہیں کی وہ اس وقت ایسی کربناک اذیت کا شکار تھا کہ خود اپنے آپ سے بھی نگاہیں چار نہیں کر رہا تھا، چپ چاپ اٹھ کر وہ واش روم میں گھس گیا آدھے گھنٹے کے بعد شاور لے کر باہر نکلا تب بھی اس کے اندر کی آگ یونہی بھڑک رہی تھی، سیل فون کی مدھم ہوتی اسکرین پہ مسز آفریدی کے نام سے ٹوئنٹی مسڈ کالز تھیں، اس کے چہرے پہ زہر خند پھیل گیا، اس نے سیل فون اٹھا کر اس کے سوئچ آف کا بٹن پش کرنے کے بعد بستر پہ اچھال دیا تھا، اب اسے مسز آفریدی سے کس طرح نپٹنا تھا یہ وہ طے کر چکا تھا۔

☆☆☆

کیمل کلر کے نفیس لباس میں اس نے آف وائیٹ مردانہ شال اپنے مخصوص انداز میں کاندھوں کے گرد لپیٹی اور گھنی مونچھوں کو بل دے کر آئینے میں اپنے عکس کو مطمئن نظروں سے دیکھا، تیاری مکمل تھی وہ پلٹا تو نگاہ اپنے سیل فون پہ پڑی جو بیڈ کی پائنتی کی جانب پڑا ہوا تھا، تیمور خان نے اسکرین پہ چمکتے نام کو دیکھا۔

"زینب کالنگ۔" اس کی پیشانی پہ بل پڑ گئے، اب وہ وقت گزر چکا تھا، جب وہ اسی ایک نام کو اپنے سیل فون کی اسکرین پہ دیکھنے کو بے تاب رہا کرتا تھا، اس کے نزدیک زینب دیگر عورتوں سے معمولی سے اہمیت کی حامل تھی، وہ بھی اس لئے کہ وہ اسے نکاح کے بغیر حاصل نہیں کر پایا تھا، وہ غضب کا زیرک تھا، پہلی سے دوسری ملاقات میں ہی اس نے جان لیا تھا جہان کا زینب سے تعلق کس قسم کا تھا، پھر اس نے محض جہان کو ذہنی کرب میں مبتلا کرنے کی خاطر ہی شاہ ہاؤس میں زینب کے ساتھ بے تکلفی کی حدود کو پھلانگا تھا کچھ اس طرح کہ وہاں کے بھلے مانس مکینوں کو نہ صرف نگاہیں چرانا پڑتیں بلکہ وہ مارے شرمندگی کے کسی نہ کسی بہانے سے وہاں سے اٹھ جانے پہ مجبور ہو جاتے، حالانکہ زینب اسی بات پہ اس سے الجھی بھی تھی۔

"تیمور کچھ تو خیال کیا کریں، آپ تو مجھے بھی شرمندہ کر دیتے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا زینب؟ میری محبت تمہارے لئے شرمندگی کا باعث ہے؟" وہ الٹا اس

کے گلے پڑ گیا تھا، زینب کو لینے کے دینے پڑ گئے، کجا اسے باز کراتی اسے تیمور کی منتیں کر کے منانا پڑ گیا تھا، تب جا کے اس کی اینٹھن کچھ کم ہوئی تھی، مگر جہان سے اس نے بیر ضرور باندھ لیا تھا، آتے جاتے جہان پہ طنز کے تیر اچھالنا معنی خیز جملوں میں اس پہ نشتر زنی کرنا اس کا معمول بنتا جا رہا تھا جسے اور کسی نے کس حد تک جانا اور سمجھا تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ ہاں البتہ جہان اس سے ضرور کترانے اور گریزاں رہنے لگا تھا۔

''خیریت زینب؟'' تیمور نے کال پک کر لی تھی، وہ کمرے سے نکل کر راہداری تک آ گیا تھا، اس کا رخ گیراج کی سمت تھا، راستے میں ملنے والے ملازم اسے دیکھ کر ہاتھ ماتھے پہ لے جا کر عاجزی سے سلام کرتے مگر وہ جواب دینے کا تکلف کیے بنا بے اعتنائی سے آگے بڑھتا رہا تھا، گیراج میں آ کر اس نے ڈرائیور کو گاڑی کی چابی دے کر اسٹارٹ کرنے کا اشارہ کیا اور خود زینب کی سمت متوجہ ہوا جو کہہ رہی تھی۔

''یہاں زیاد بھائی کی منگنی کے ساتھ پرنیاں کی رخصتی کی تقریب ایک ساتھ منعقد ہو رہی ہیں، آپ کہیں تو میں تب تک وہاں ٹھہر جاؤں؟''

''پرنیاں کی رخصتی......؟'' تیمور کی کشادہ پیشانی پہ ناگواری لہرائی، اس نے برہمی کے انداز میں ایک پتھر کو ٹھوکر سے اڑایا تھا۔

''جی!''

''پرنیاں صاحبہ راضی ہو گئیں؟'' تیمور خان اندر کی بات سے زینب کی وجہ سے آگاہ تھا جبھی یہ اہم سوال کیا تھا۔

''ارے وہ تو ایک مذاق تھا، ورنہ حقیقت یہ تھی کہ پرنیاں بھابھی شروع دن سے ہی لالے سے امپریس تھیں، ہوتی کیوں نہ لالے میں کمی بھی تو کوئی نہیں ہے، ہزاروں لڑکیاں ان کی وجاہت پہ مرتی ہیں۔'' زینب کے لہجے میں بھائی کی محبت کا مان اور تفاخر تھا، تیمور کا حلق کچھ اور کڑوا ہوا۔

''تو اب مجھ سے کیا چاہتی ہو تم؟'' تیمور کی یہ بدمزگی کچھ اور بڑھی، ایک نوخیز شگفتہ کلی جیسی ان چھوئی لڑکی کی دسترس سے مکمل طور پہ باہر جا رہی تھی، جسے دیکھ کر چھونے اور محسوس کرنے کا خیال دامن گیر ہو جائے، پھر اس جیسا عیاش مرد جو کلی کلی منڈلانے والا بھنورا تھا، مگر پرنیاں کے لئے وہ ہمیشہ دل مسوس کر ہی رہا تھا، معاملہ سسرال ہی کا نہیں تھا وہ ہمیشہ اپنا دامن بچا کر گزرنے والا انسان تھا، جس نے اسی احتیاط کی بدولت اپنا بھرم اب تک قائم رکھا ہوا تھا، اس کا اختیار وادی کے علاقے میں ہی چلتا تھا، وادی سے باہر وہ ایک عام فرد تھا، پھر یہ لڑکی جس کی ملکیت تھی وہ معاذ حسن تھا، قوی بے باک اور نڈر انسان جس کے ارادے اس کے وجود کی مانند مضبوط اور چٹانی محسوس ہوتے تھے، تیمور سمجھ سکتا تھا اگر اس نے غلطی سے بھی کوئی فضول حرکت کی تو اسے قتل کر کے بھی معاذ اس کا قصور معاف کرنے کو تیار نہ ہوتا، جبھی وہ اس خبر کو لے کر بس دل میں ہی کلس اور جھلس سکتا تھا، ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر لی تھی وہ پچھلی سیٹ پہ شاہانہ طنطنے کے ساتھ بیٹھا تو گاڑی پھاٹک سے نکل کر وادی کی پہاڑوں کے بیچ گھری اونچی نیچی بل کھاتی سڑک پر دوڑنے لگی،

زینب کی کال اس نے ڈراپ کر دی تھی، زینب کا یہ جرم معمولی نہیں تھا کہ اس نے اس قسم کی خبر سنا کر اس کا اچھا بھلا موڈ غارت کر دیا تھا، اب اسے خود کو کمپوز کرنے میں کچھ وقت لگنا تھا، شاندار پراڈو تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی، موسم تبدیل ہو رہا تھا، مگر گاڑی کے شیشے بند تھے، وادی کے مقافات میں پہنچ کر پہاڑ بلند تر اور سبز تر ہو گئے تھے، فضا میں پھلوں کی خوشبو تھی، مخروطی چھتوں والے گھر اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ پورے علاقے میں پھیلے ہوئے نظر آ رہے تھے، گاڑی اسی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی، ایک موڑ مڑتے ہی جھیل اور مسجد صاف نظر آنے لگی، یہ منظر ڈوبتے سورج کی روشنی میں اتنا بھلا لگتا تھا کہ دیکھنے والا لمحہ بھر کو اس کے سحر سے نکل نہیں سکتا تھا، یہ کافی بڑی اور گہری جھیل تھی، جو چاروں طرف سے درختوں میں گھری ہوئی تھی، اکثر درختوں پر پھل بھی موجود تھے، کنکریٹ کی بنی ہوئی ایک خوش نما منڈیر جھیل کی حد بندی کرتی تھی، اس حد بندی کے ساتھ فٹ پاتھ تھا، جس پر مقامی اور غیر مقامی لوگ چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے اب ڈھلوان سڑک پر اوپر کی سمت جا رہی تھی، جلد ہی جھیل اور مسجد صاف نظر آنے لگے، اگلے پندرہ منٹ میں ایک صاف ستھری بنگلہ نما کوٹھی کے سامنے گاڑی لمحہ بھر کو رکی تھی پھر ڈرائیو وے سے گزر کر پورچ میں جا پہنچی، کوٹھی اندر سے نہایت صاف ستھری اور سبزے میں گھری ہوئی تھی، روشن کھڑکیوں سے نیچے جھیل کا پانی دعوت نظارہ دیا کرتا تھا اور جھیل کے پار مسجد کے سفید مینار پوری شان سے سر اٹھائے کھڑے تھے، تیمور کا استقبال کرنے کو اندر سے ایک موٹی تازہ زیورات سے لدی خرانٹ قسم کی عورت کشتم پشتم باہر آئی تھی، وہ شکل سے ہی نائکہ لگتی تھی، اس کا ہر انداز و اطوار دعوت نظارہ دیتا تھا، وہ ادھیڑ عمر تھی مگر ادائیں دوشیزاؤں والی دکھا رہی تھی، تیمور سے وہ گلے ملی تھی پھر اس کا ہاتھ تھام کر بڑے والہانہ انداز میں اندر کی جانب لے کر چلی گئی۔

''کیا یہ اطلاع درست ہے کہ آپ کا ہاں بالکل نیا اور شاندار مال آیا ہے؟'' تیمور کی نگاہیں متلاشی انداز میں یہاں وہاں بھٹکی تھیں، عورت خباثت بھرے انداز میں طویل قہقہہ لگانے کے بعد بے باکی سے بولی تھی۔

''فکر کیوں کرتے ہیں سائیں، آپ کے اک اشارے پہ قدموں پہ نثار ہونے کو بے تاب ہیں ساری، یہ بتائیں آپ کتنے دن قیام فرمائیں گے؟''

''قیام کا دورانیہ تو آپ کے مال پہ ڈپنڈ کرتا ہے۔'' وہ بھی تیمور خان تھا اس جنگل کا گھاگ شکاری، عورت اس کی برجستگی سے محظوظ ہو کر نہیں تھی قہقہہ اس مرتبہ بھی طویل اور بے باک تھا۔

''آپ فکر نہ کریں جناب! ہمارے انتخاب کی آپ داد دیئے بغیر نہیں رہو گے۔'' تیمور مطمئن ہوا تھا، عورت کے ہمراہ کارپٹڈ سیڑھیاں چڑھ کر وہ بالائی منزل پہ آ گیا تھا، کمرا کشادہ اور دیدہ زیب تھا، دیواروں پہ یہاں قیام کرنے والوں کے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے واہیات اور قابل اعتراض پوسٹر نمایاں کر کے لگائے گئے تھے، ایک کھڑکی بائیں جانب کھلتی تھی، جس میں بل کھاتی سڑک نظر آتی تھی، برآمدے کی کھڑکی سے جھیل کا بھی نظارہ کیا جا سکتا تھا، ایک شاندار باتھ روم میں نیم گرم پانی سے غسل کر کے وہ باہر آیا تو کھڑکی کے عین سامنے رکھی میز پہ کھانے کے لوازمات سجا دیئے گئے تھے، بلیک چست جینز جو گھٹنوں سے ذرا نیچے آ کر ختم ہو جاتی تھی اور مختصر سے سلیولیس

ٹاپ میں ملبوس سنہرے بالوں والی لڑکی غیر ملکی شراب کی بوتل میز پہ رکھ رہی تھی، اس کے ذرا سا جھکنے پہ گلے کا گہرا گھاٹ قابل اعتراض حد تک گہرائی سمیٹ لاتا تھا، تیمور کی خدمت پہ معمور ہوئی تھی، تیمور خان کی وہ بے زاری جو پرنیاں کی رخصتی کا سن کر اس پہ طاری ہوئی تھی بھاپ بن کر اڑتی محسوس ہوئی، وہ کھانے سے زیادہ اس لڑکی میں گم ہو رہا تھا، جس کی ادائیں قاتل تھیں کچھ فاصلے پہ پڑے اس کے سیل فون کی اسکرین پہ بار بار زینب کالنگ کے الفاظ چمکتے تھے مگر وہ اس جانب ہرگز متوجہ نہیں تھا۔

☆☆☆

چن سجنا وے نیڑے نیڑے ہو
ڈھول جانیا وے نیڑے نیڑے ہو
کہندیاں نے بانہواں میتوں دور نہ کھلو
چن سجنا وے نیڑے نیڑے ہو

اس کا موڈ بے حد خوش گوار تھا، کالج سے واپسی پہ اس نے گاڑی کا رخ شاپنگ مال کی جانب موڑ دیا تھا، کچھ سوچنے کے بعد اور بہت خواری کے بعد وہ پرنیاں کے لئے ایک مہنگا ترین جیولری سیٹ خرید سکا تھا، اسے کچھ بھی پرنیاں کے شایان شان نہیں لگ رہا تھا، اب جبکہ اس نے معاذ کو قبولیت کی سند بخش دی تھی تو یقیناً اس کا تحفہ بھی لازمی قبول کرتی، اس نے تصور کی آنکھ سے پرنیاں کی گردن میں اس طلائی چین اور موتی کا تصور کیا اور آہستگی سے مسکرا دیا تھا۔

سڑک پہ بے تحاشا ٹریفک تھی، سرخ سگنل ہوا تو اس نے گہرا سانس بھر کے گاڑی کو لمبی قطار میں شامل کر لیا، اسی پل اس کے سیل کی بیپ ہونے لگی تھی، معاذ نے چونک کر کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا، اسکرین پہ نام کی بجائے ہندسے بلنک کرتے تھے، معاذ نے ایک نظر آہستگی سے رینگتی گاڑیوں کی قطار کو دیکھا پھر کال ریسو کی تھی۔

''معاذ حسن سے بات کر رہی ہوں نا میں؟'' اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی دوسری جانب سے بے صبری سے پوچھا گیا، نسوانی کھنک دار لہجہ تھا، جسے معاذ پہچاننے سے بہر حال قاصر رہا تھا۔

''جی مگر آپ......؟''

''نیہاں بات کر رہی ہوں سر!'' اسی اعتماد سے تعارف پیش کیا گیا، معاذ کی حیرانی بڑھی تھی۔

''جی نیہاں خیریت؟''

''مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی سر۔''

''ایسی کون سی ضروری بات تھی نیہاں؟ کچھ دیر پہلے میں کلاس میں تھا آپ کر لیتی بات۔'' معاذ نے رسانیت آمیز لہجے میں جواب دیا تو دوسری جانب نیہاں ہنسنے لگی تھی۔

''مجھے جو بات آپ سے کرنی تھی اس کے لئے کلاس روم کا ماحول ہرگز بھی سوٹ ایبل نہیں تھا سر۔''

''ایسی کون سی بات ہے؟'' معاذ کا ماتھا ٹھنکا اس لڑکی کی حرکتیں اسے ویسے ہی کچھ ناگوار محسوس ہوا کرتی تھیں۔

''بہتر نہیں ہو گا سر کہ ہم کہیں مل لیں اور میں آپ کے روبرو وہ کہہ دوں جو کہنا چاہ رہی ہوں۔''

''ہرگز نہیں، میں اس طرح ملنا پسند نہیں کرتا، آپ جو کہنا چاہتی ہیں ایسے ہی کہیں۔'' معاذ نے ناگواری دبا کر قطعیت بھرے انداز کو اختیار کیا، تو دوسری جانب کچھ لمحوں کو خاموشی چھا گئی۔

''اف یو ڈونٹ مائنڈ سر! لیکن میں پوچھنا ضرور چاہوں گی کہ اس قسم کی حد بندی آپ نے صرف میرے لئے ہی کیوں لگائی، جبکہ مس پرنیاں کے ساتھ تو......''

''ویل یو شٹ اپ نیہاں! آپ آخر جتلانا کیا چاہتی ہیں؟'' معاذ کو یکلخت بے تحاشا غصہ آ گیا تھا۔

''کیا آپ نہیں سمجھ رہے ہیں کہ میں کیا جتلانا چاہ رہی ہوں سر؟'' وہ خائف ہوئے بنا چیخ کر بولی تھی، معاذ نے جھلا کر کال ڈراپ کر دی، وہی نمبر پھر بلنک کرنے لگا مگر معاذ نے سیل فون ڈیش بورڈ پہ اچھال دیا تھا، بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ آدھے گھنٹے بعد جب وہ گھر پہنچا تو بھی اس کا موڈ اس بات کو لے کر برہم تھا۔

''جے کی طرح مما کو بھی یہی فکر ہے کہ ہمیں لالے کو اصل بات بتا دینی چاہیے، وہ اس بات سے خوفزدہ ہیں کہیں لالے کا موڈ خراب ہو جائے۔'' لاؤنج کے آگے سے گزرتے ہوئے اسے زینب کی ہنستی ہوئی آواز سنائی دی تھی، وہ دھیان دیئے بنا آگے بڑھ رہا تھا مگر بھابھی کی کہی بات نے اس کے قدم ٹھٹکا دیئے تھے۔

''میرا بھی یہی خیال ہے زینب اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین کر دیا جائے، بس بہت ہو گئی بیچارا معاذ بہت دیر بے وقوف بن گیا تمہارے ہاتھوں، میں سمجھتی ہوں یہ بات اسے پتہ چل جانی چاہیے کہ پرنیاں ہی اس کی منکوحہ ہے۔'' بھابھی ہنس رہی تھیں، وہ سناٹے کی زد پہ کھڑا رہ گیا۔

حیرانی، پریشانی، تحیر، تعجب، بے یقینی، صدمہ، جیسے ہر لفظ اس کی کیفیت بیان کرنے کے لئے ناکافی ثابت ہو رہا تھا، کچھ دیر وہ سکتے کے عالم میں کھڑا رہا تھا پھر وہ جیسے اس کیفیت سے باہر آیا، اس کی جگہ طیش، غیض اور اشتعال نے لے لی، اس کی آنکھیں یکلخت دہک اٹھی تھیں، کچھ کہے بغیر وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گیا تھا۔

(جاری ہے)

''انتقال پر ملال''

ہماری مصنفہ فرحت شوکت کی والدہ چار اپریل کو قضائے الٰہی سے انتقال کر گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرحت کی والدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین قارئین سے التماس ہے کہ مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے دعا کریں۔

فوزیہ احسان رانا

مکمل ناول

''امی...... امی!'' حبا زور زور سے آوازیں دیتی سیڑھیاں اتر رہی تھی، اس کی آواز اور انداز میں ایک محسوس کی جانے والی خوشی تھی۔

حبا دو دو سیڑھیاں پھلانگتی تیزی سے نیچے آئی تھی، اس نے اِدھر اُدھر نظریں گھمائیں مگر امی کہیں نظر نہیں آرہی تھیں۔

''امی کہاں ہیں آپ؟'' اب وہ ایک ایک کمرے میں جھانک رہی تھی وہ پر جوش انداز میں دروازہ دھکیلتی امی کے کمرے میں آئی مگر دہلیز میں ہی ٹھٹک کر رک گئی امی گھٹنوں پر سر رکھے، دونوں بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹے بیٹھی تھیں، ان کا گھٹنوں پر رکھا سر ساکت تھا مگر ان کا ہولے ہولے لرزتا بدن، ان کی وقفے وقفے سے ابھرتی سسکیاں اس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھیں کہ وہ رو رہی ہیں۔

حبا اپنی جگہ تھم سی گئی اس کا سارا جوش و خروش ماند پڑ گیا، اس کے قدم بے جان سے ہو گئے وہ مرے مرے قدموں سے چلتی بیڈ کے کنارے جا کر کھڑی ہو گئی۔

وہ تو امی کو بتانا چاہتی تھی کہ وہ بی ایس سی شاندار نمبروں سے پاس کر چکی ہے ان کی اکلوتی لاڈلی بیٹی بہت خوش ہے مگر امی تو رو رہی تھی اور جب امی روئے تو حبا بے جان ہو جایا کرتی تھی۔

''امی!'' حبا نے ہچکیاں لیتی صائمہ نواز کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو یکدم ان کا جھٹکے کھاتا وجود ساکت ہو گیا انہوں نے اوپر سر اٹھایا مگر نظریں اوپر نہیں اٹھائی تھیں۔

''امی فری کا فون آیا تھا، میں پاس ہو گئی ہوں۔'' وہ سرشار لہجے میں ان کے گلے میں بازو اب وہ ایسے بتا رہی تھی کہ جیسے کوئی بہت ہی اداس

کر دینے والی بات ہو۔
صائمہ نے ایک نظر حبا کو دیکھا اس ایک نظر میں کیا کیا کچھ نہیں تھا اداسی، غم بہت سی یادیں۔
''مجھے پتہ ہے حبا۔'' صائمہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگیں۔
''امی مت روئیں پلیز، مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔'' حبا نڈھال سی ہو کر بے بسی کی حالت میں خود بھی رونے لگی ساری خوشی ملیا میٹ ہو چکی تھی۔
''امی آپ کو کیسے پتہ ہے بتائیں نا۔'' حبا الجھ رہی تھی کہ امی کو کیسے پتا ہے کہ میں پاس ہو گئی ہوں میرا رزلٹ آ گیا ہے اور اگر پتہ چل گیا تو بجائے خوش ہونے کے رو کیوں رہی ہیں۔
''امی بتائیں نا کیا ہوا ہے؟'' حبا کی بات ابھی لبوں میں ہی تھی کہ نواز احمد کمرے میں داخل ہوئے حبا اور صائمہ نے ایک دم ہی بلکہ ایک ساتھ ہی نواز کو دیکھا تھا، کاٹن کے سوٹ پر جا بجا سالن کے دھبے تھے، ان کے منہ سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے، ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔
حبا نے صائمہ کو دیکھا تو وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی نظریں چرانے لگیں، حبا اپنی جگہ سے اٹھی اور ناگواری سے نواز احمد کو دیکھتی دروازہ دھکیلتی باہر نکلی تنفر اور نفرت کی لہریں اس کے دل میں ابال کی صورت ادھم مچا رہی تھیں۔
''اب تو شرم کر لو نواز، بیٹی جوان ہو گئی ہے۔'' جاتی ہوئی حبا کے پیچھے صائمہ کی آواز سرگوشی کی مانند ابھری اور کمرے کی فضا میں گونجی، حبا کی سماعتوں میں بھی آواز پہنچ گئی تھی وہ منہ پر ہاتھ رکھتی تیز قدموں سے ٹی وی لاؤنج عبور کرتی آ کر لان کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔
حبا لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی بے آواز روتی رہی ہمیشہ کی طرح بہت سارے آنسو اندر ہی اندر اس کے دل پر ہی گرتے رہے اور بہت سے آنسو آنکھوں سے گر کر گالوں سے پھسل کر دامن میں جگہ بناتے رہے نجانے کتنا وقت یونہی جلتے کڑھتے گزر گیا۔
وہ وہاں بے حس و حرکت بیٹھی رہی بہت سے لمحے گھنٹوں میں بدل گئے دھوپ بھرا آسمان کب سرمئی شام کے آنچل میں مدغم ہوا حبا بے خبر تھی۔
''حبا بیٹا!'' تایا جی کی آواز پر حبا نے ہڑبڑا کر انہیں دیکھا وہ اپنے خیالوں میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے رتی برابر بھی آہٹ کا احساس نہیں ہوا تھا کہ تایا جی کب آفس سے آئے تھے۔
''آپ آ گئے، شام ہو گئی۔'' وہ بے ربط سی دو سوال ایک ساتھ کر گئی۔
''جی بیٹا! میں ابھی آیا۔''
''سب خیریت تو ہے نا؟'' ان کا انداز سرسری سا تھا ہمیشہ کی طرح ان کے انداز اور لہجے میں تفکر نہیں تھا۔
''خیریت، ہونہہ۔'' وہ تلخی سے منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔
''کچھ کہا بیٹا!'' تایا جی نے اپنا لیدر کا بیگ ایک ساتھ سے دوسرے ساتھ میں منتقل کرتے ہوئے کہا ان کو اوپر جانے کی جلدی تھی ان کے انداز میں عجلت تھی مگر وہ ٹھہر گئے تھے۔
''کچھ نہیں تایا جی، بس ویسے ہی، وہ آج میرا رزلٹ آ گیا ہے۔'' وہ اضطراری کیفیت میں انگلیاں چٹخاتی بددلی سے بتا رہی تھی۔
''تو کیا بنا بیٹا؟'' تایا جی نے خوش دلی سے پوچھا ضرور تھا مگر خوشی ان کے انداز میں کہیں نظر نہیں آ رہی تھی، بہت نپا تلا سا انداز جیسے اس کا دل رکھنے کی خاطر بات کو بڑھاوا دے رہے ہوں۔
''فرسٹ پوزیشن۔'' حبا نے ہولے سے کہہ کر تایا جی کے چہرے کو نظروں کی گرفت میں لے کر فخر و انبساط ڈھونڈنے کی کوشش کی ایسا فخر ایسا ناز جو باپ کو اپنی بیٹی کی شاندار کامیابی پر ہوتا ہے ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ تایا جی کا چہرہ خوشی سے جگمگا اٹھا تھا اور وہ دو قدم آگے بڑھے اور حسب عادت اور حسب روٹین حبا کے سر پر ہاتھ رکھ کر چند لمحے رکے اور پھر سیڑھیاں چڑھ گئے، حبا کا خوش فہم دل ایک بار پھر تڑخ کر رہ گیا۔
''تایا جی کتنا دل چاہتا ہے کہ آپ مجھے بیٹی کہہ کر سینے سے لگائیں، میری پیشانی پر بوسہ دے کر دعائیہ کلمات کہیں۔'' حبا کے لبوں سے ایک آہ سسکی کی مانند برآمد ہو کر سرد فضا میں تحلیل ہو گئی۔
''کاش آپ کبھی تو مجھے سراہیں کبھی تو مجھے تسلیم کریں۔'' حبا نے پرنم نظریں گلابوں کے پودوں پر ٹکاتے ہوئے سوچا۔
''میری صلاحیتیں، میری قابلیت قابل ستائش نہیں کیونکہ میں ایک شرابی باپ کی بیٹی ہوں جو ایک نکما اور نکھٹو آدمی ہے۔'' حبا نواز کی ہر خوشی ہر کامیابی کو اتنا سرسری لیا جاتا تھا کہ اس کا دل تنفر سے بھر جاتا، دل خوش فہم کی ساری خوش گمانیاں دھری کی دھری رہ جاتیں۔
''جب میرے سگے باپ کو مجھ سے اور میری ماں سے کوئی غرض نہیں ہماری کوئی پروا نہیں تو وہ تو تایا جی ہیں، کون کسی کی اولاد کو گلے لگاتا ہے کوئی نہیں۔'' حبا گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے خالی خالی نظروں کو کسی غیر مرئی نقطے پر جمائے حسرت و یاس کی تصویر نظر آ رہی تھی اس کی کشادہ آنکھیں پانیوں سے لبریز ہو کر سامنے کا ہر منظر دھندلا کر ڈالتیں اور پھر آنکھوں میں جمع شدہ پانی قطروں کی صورت زمین بوس ہو جاتا۔
حبا کا دل اداسی کی دبیز تہہ تلے دبا ہوا تھا دلگیری نے اس کے صبیح چہرے پر سوز بکھیر رکھا تھا، وہ مضطرب سی اپنے گلابی ہونٹ کاٹتی رہی اور بے دردی سے خود کو لایعنی سوچوں میں الجھا کر اذیت دیتی رہی۔
''حبا بیٹا اندر آ جاؤ۔'' امی کی بجھی بجھی سی آواز نے حبا کو خیالوں سے جھٹکا دیا اس نے چونک کر اپنے اطراف دیکھا شام گہری ہو رہی تھی وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''حبا نواز یہ دکھ، یہ نارسائی اور ذات کی بے توقیری تو سدا سے تمہارے ساتھ ہے پھر یہ واویلا کیسا، دل کا ماتم کناں ہونا چہ معنی دارد، اب تک تو تمہیں عادی ہو جانا چاہیے تھا۔'' حبا خود کو کوستی اور خود پر طنزیہ ہنستی اندر کی جانب بڑھنے لگی۔
ہمیشہ کی طرح امی اس سے اور وہ اپنی امی سے نظریں چراتے خالی پیٹ ہی اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں تھیں۔

☆☆☆

سوچوں اور تلخ رویوں میں الجھتے ہوئے وہ چارپائی پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی اس کا دل سلگ رہا تھا اور بہت سارا رونے کی وجہ سے حبا کی آنکھیں جل رہی تھیں ساتھ والے کمرے میں ابو کے خراٹوں کی آواز حبا کو سنائی دے رہی تھی اور حبا کی کھولن میں اضافے کا باعث بن رہی تھی، مسلسل کروٹیں بدلنے کی وجہ سے اس کا بدن دکھنے لگا تھا مگر نیند تھی کہ حبا نواز پر مہربان ہونے سے مسلسل انکاری تھی۔
سیل فون کی ہلکی سی آواز نے خاموش فضا میں ارتعاش برپا کیا تو حبا نے بے دلی سے سیل فون سکرین پر نام دیکھنا چاہا افراح خان کی کال

تھی حبا نے نا چاہتے ہوئے بھی کال پک کر لی۔

''ہیلو حبا کیسی ہو؟'' فری خوشگواریت سے بولی، اس کے لہجے کی تازگی اس کے انداز کی دلکشی و رعنائی حبا کو بہت خاص محسوس ہوئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو۔'' حبا نے مختصر بات کرنے کی ٹھانی وہ خود کو اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کا قابل نہیں پا رہی تھی۔

''میں بھی ٹھیک، پتہ ہے حبا آج میرے بابا نے ساری کالونی میں مٹھائی بانٹی ہے۔'' وہ حسب عادت شروع ہو چکی تھی حبا کے جذبات کی پرواہ کیے بغیر۔

''ظاہر ہے ماں باپ اپنی اولاد کی خوشیاں تو یونہی دھوم دھام سے ہی منایا کرتے ہیں۔'' حبا نے زبردستی بشاشت سمو کر کہا۔

''اور حبا تم تو جانتی ہوں کہ میرے بابا مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔'' افراح اس کی کالج فرینڈ تھی، اس کی ذاتی زندگی سے ناواقف، اسی لئے تو انجانے میں مسلسل حبا کے زخموں پر نمک پاشی کیے جا رہی تھی ہو سکتا ہے کہ حبا کے حالات زندگی سے واقف ہوتی تو کچھ لحاظ کر جاتی۔

''حبا تم تو بہت قابل ہو، فرسٹ پوزیشن لی ہے تم نے، تمہارے امی ابو تو بہت خوش ہونگے، اپنی لائق فائق بیٹی کی شاندار کامیابی پر۔'' افراح اپنی رو میں جوش و خروش سے بولے چلی جا رہی تھی حبا کے گلے میں جیسے کوئی پھندا سا اٹک گیا وہ اپنے نم ہوتے لہجے کی لرزش پر قابو پاتی اسے ہوں ہاں میں جواب دیتی رہی اور جب ضبط کا یارانہ رہا تو چپ ہو گئی۔

''بابا نے مجھے گفٹ میں نئی گاڑی دلانے کا وعدہ کیا ہے یار۔'' ایک خوشی تھی اور اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار جوش و خروش سے کر رہی تھی۔

حبا اپنی دوست کی خوشی میں خوش تھی، مگر اس کا اپنا دل آس و بیم، امید و ناامیدی میں پسپاں ہو کر رہ گیا تھا زیاں ہی زیاں، خسارہ ہی خسارہ، وہ کس کس دکھ کو روئے، ہر دکھ ایک سے بڑھ کر ایک، پھر کیسی زندگی، کیسی خوشی، کیسی آسودگی، صحرا ہی صحرا، ناختم ہونے والا صحرا، وہ جل کڑھ رہی تھی اس کا تن بدن سلگ رہا تھا بچپن سے لے کر جوانی تک حبا نواز یونہی اپنی ہر خوشی پر بجھ جایا کرتی تھی ہر بار اس کا خوش فہم دل بہت ساری امیدیں باندھ لیتا تھا کہ اس بار سب ٹھیک ہو جائے گا۔

اس کے دل میں امنگ بیدار ہوتی کہ اس بار تایا جی اور میرے ابو مجھے سینے سے لگا کر پیار کریں گے مجھے دعائیہ کلمات سے نوازیں گے خوش ہو کر سب اکٹھے بیٹھیں گے اکٹھے کھانا کھائیں گے مگر یہ حبا نواز کا خواب کبھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ پاتا تھا، اس کی ہر کامیابی کو اتنا سرسری لیا جاتا تھا کہ جیسے کوئی بہت ہی عام سی بات ہو۔

حبا نواز رونا نہیں چاہتی تھی مگر ڈھیر سارا نمکین پانی پلکوں کی باڑھ توڑ کر اس کا تکیہ بھگوئے چلا جا رہا تھا، روتے روتے اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ ایک بار پھر اس کے سیل فون کی بیل بج اٹھی حبا نے غنودگی کی حالت میں تکیے کے نیچے سے سیل فون نکالا سیل کی چمکتی سکرین پر زعیم فراز کا نام جگمگا رہا تھا حبا نواز کی پوری آنکھیں کھل گئیں اور غصے سے اس کی ننھی سی ناک پھول گئی، اس نے بادل نخواستہ کال او کے کی۔

''بہت بہت مبارک ہو حبا، رئیلی ایم سو ہیپی۔'' زعیم فراز فرط جذبات سے چور لہجے میں بولا خوشی اس کے ہر ہر لفظ سے چھلک رہی تھی۔

''مبارک کس بات کی۔'' وہ جلی بھنی بیٹھی تھی تنک کر بولی اور زعیم فراز اس کے مزاج کے تمام موسموں سے آشنا تھا وہی تو تھا اس کا درد

آشنا۔

''کیونکہ میری جان حبا نے شاندار نمبروں سے بی ایس سی کلیئر کی ہے مجھے فخر ہے کہ میری ہونے والی بیوی اتنی ذہین اور قابل ہے۔'' وہ جانتا تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح آزردہ اور مغموم ہو رہی ہو گی۔

''تو۔'' وہ پہلے سے ہی بھری بیٹھی تھی جھلا کر بولی۔

''تو۔'' زعیم نے تو کو لمبا کھینچ کر یوں تاثر دیا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔

''تو یہ کہ آج میں بہت خوش ہوں۔''

''مگر میں خوش نہیں ہوں۔'' حبا بے زاری سے بولی زعیم نے ایک پل کے لئے چپ سادھ لی اور خود کو ذہنی طور پر حبا کی جلی کٹی سننے پر تیار کرنے لگا وہ جانتا تھا کہ وہ اپنے سارے گلے شکوے صرف زعیم سے ہی کرتی ہے اپنے دل کا ہر دکھ اپنی ہر محرومی اپنا ہر درد وہ صرف اسی کے ساتھ بانٹا کرتی تھی کبھی طعنے تشنے دے کر، کبھی تایا جی کو مورد الزام ٹھہرا کر اور کبھی تائی جی کو غاصب کہہ کر اور زعیم اسے ہر بات کہنے کا، اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا پورا موقع دیا کرتا تھا۔

''کیوں؟'' زعیم سب جانتا تھا کہ وہ اب کیا بولے گی، اس لئے اس نے جان بوجھ کر ''کیوں'' کو سوالیہ انداز میں پوچھا تھا تاکہ وہ تپ جائے وہ اپنا سارا غصہ اپنی ساری جلن نکال سکے۔

''میں فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہو گئی ہوں تو میں خوشی کے مارے لمحوں میں امی کے پاس پہنچی تو امی گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھیں۔'' حبا کا لہجہ بھرا سا گیا اور آنسوؤں کی آمیزش اس کے الفاظ میں شامل ہونے لگی شدت جذبات سے اس کی آواز رندھ گئی، ایسے موقع پر زعیم ہمیشہ خود کو بہت بے بس محسوس کرتا تھا اسے لگتا کہ کوئی حرف تسلی حبا کے غم کا مداوا نہیں کر سکے گا۔

اس کی آہ کی صورت نکلتی سسکیاں زعیم کے دل کو نڈھال کر رہی تھیں وہ مسلسل سوں سوں کیے جا رہی تھی۔

''زعیم ابو نے آج پھر پی رکھی تھی، قصور ہمیشہ ابو کا ہوتا ہے مگر شرمندگی امی کے چہرے پر نظر آنے لگتی ہے وہ مجھ سے چھپتی پھرتی ہیں مجھ سے اپنی ماں کا دکھ دیکھا نہیں جاتا۔'' اب وہ بچوں کی طرح ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی، زعیم کو اپنے دل کی سطح نم ہوتی سی محسوس ہو رہی تھی، وہ خود کو کچھ کہنے کے قابل نہیں سمجھ رہا تھا اس کے سامنے الفاظ گونگے بہرے ہو گئے تھے بولا بھی تو صرف اتنا۔

''حبا رو مت پلیز مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔''

''مجھے بھی بہت تکلیف ہو رہی ہے زعیم، مجھے کسی نے بھی وش نہیں کیا، میرا کوئی نہیں ہے۔'' وہ خود کو اس وقت بہت تہی داماں اور اکیلا سمجھ رہی تھی وہ اپنی کم مائیگی کا سوگ منا رہی تھی اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''حبا فضول مت سوچا کرو ہم سب تمہارے اپنے ہیں بس تم بات کو اتنا زیادہ محسوس مت کیا کرو تمہاری ذات کی حساسیت تمہیں رنج والم میں مبتلا کر دیتی ہے۔'' زعیم اسے اس غم سے نکالنا چاہتا تھا حبا کے رونے سے اس کا دل کٹ رہا تھا۔

''میں فضول سوچتی ہوں۔'' وہ پھنکاری۔

''ہاں تم لایعنی باتوں پہ خود کو الجھاتی ہو، چاچو آج سے نہیں تمہارے بچپن سے ڈرنک کرنے کے عادی ہیں، تمہیں اس بات کو اپنے

اعصاب پر سوار کرنے کی بجائے چاچی کا خیال رکھنا چاہیے تو تم اپنا ہر غصہ مجھ پر نکال دیتی ہو مگر کبھی ان کے بارے میں سوچا ہے چاچو تو جو کرتے ہیں سو کرتے ہیں مگر تم جو کرتی ہو کیا وہ ٹھیک ہے۔'' زعیم نے نرمی وحلاوت سے ایک بات اس کے ذہن میں ڈالنے کی کوشش کی جسے وہ اپنی ذاتی خوشی کے ملیامیٹ ہونے کا ماتم مناتے ہوئے یکسر فراموش کر چکی تھی۔

زعیم کی بات پر حبا کے ذہن کو جھٹکا سا لگا اور جیسے موجودہ سب خیالات درہم برہم ہونے لگے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' حبا ناسمجھی کے عالم میں بولی حالانکہ کچھ تو وہ بھی بات کی تہہ تک پہنچ چکی تھی کہ زعیم اسے کیا سمجھانا چاہ رہا ہے۔

''زعیم، تایا جی نے مجھے گلے لگا کر وش نہیں کیا انہوں نے مجھے کبھی اپنی بیٹی نہیں سمجھا کبھی میری حوصلہ افزائی کے لئے دو لفظ تک نہیں کہے، یہی جملے ہوتے ہیں نا تمہارے حبا، ہر بار تم امید لگاتی ہو اور ہر بار مایوس ہو کر واویلا کرتی ہو۔'' وہ غصے سے بولا تو حبا ہل کر رہ گئی۔

''محبت مانگنا کیوں چاہتی ہو۔'' زعیم کو اس پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

''چھوٹی چھوٹی باتیں چھوٹی چھوٹی خوشیاں مجھے سیراب کر سکتی ہیں، زعیم مگر میرے اپنے۔'' حبا کے لبوں پر شکوہ در آیا۔

''حقیقت کو جلد قبول کر لینا دانشمندی ہے حبا اور بہت سارے مسائل کا حل بھی، ہر بات کے لئے دوسروں کی طرف دیکھنا چھوڑ دو۔'' وہ ناصحانہ انداز میں اسے سمجھا رہا تھا۔

''زعیم ابو کا حوالہ میرے لئے ہمیشہ شرمندگی کا باعث ہی رہا ہے جب وہ مجھ سے پیار نہیں کرتے تو کسی اور سے کیا گلا۔'' وہ ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''اگر چاچو ایسے ہیں تو اس میں ابو کا کیا دوش ہے پاگل لڑکی، ابو تو خود ساری زندگی تم لوگوں کی خاطر امی سے لڑتے رہے ہیں۔'' وہ تپ کر بولا۔

''پتہ ہے مجھے جتنا لڑتے رہے ہیں ان کی تو تائی کے سامنے زبان گنگ ہو جاتی ہے۔'' وہ جھنجھلا کر زعیم کی بات کو جھٹلا گئی۔

''حبا ہمیشہ اپنی ذات کے گرداب میں گھومتے رہنا بے حسی کی نشانی ہے۔'' زعیم تحمل و بردباری سے بولا۔

''میں بے حس نہیں ہوں زعیم۔'' وہ تڑخ کر بولی۔

''میں جانتا ہوں حبا کہ تم بہت اچھی ہو مگر خدارا ایسی بے کار کی باتوں سے خود کو مت ٹینس کرو، بہت قیمتی اور خاص ہو تم میرے لئے۔'' زعیم کے انداز کی ذومعنویت حبا سے مخفی نہیں تھی۔

''تمہیں میری محبت نظر نہیں آتی۔'' پہلی بار زعیم کے لہجے میں شکوہ نظر آیا مان بھرا شکوہ۔

''آتی ہے۔'' اس کی پلکیں لرز رہی تھیں وہ دھیرے سے بولی۔

''پھر خود کو ملامت کر کے خود کو ارزاں کر کے مجھے اور میری محبت کو ڈی گریڈ کیوں کرتی ہو۔''

''سوری۔'' وہ ایسی ہی تھی نرم دل محبت کرنے والی ذرا ذرا سی بات پر جذباتی ہو کر رونے والی، مگر اپنی غلطی کا اعتراف بھی جلد کر لیتی تھی۔

''سوری کی کوئی بات نہیں، جو محبت آپ کے پاس ہوتی ہے اس کی قدر کرنی چاہیے۔'' زعیم اسے ڈپٹتے ہوئے بولا۔

''کھانا کھایا۔'' زعیم نے دو لفظی بات کی۔

''نہیں۔'' حبا نے کہہ کر ہونٹ سختی سے باہم پیوست کر لئے۔

''چاچی نے کھایا۔''

''نہیں۔''

''چلو اٹھو اور چاچی کے پاس جاؤ ان سے باتیں کرو آنسو صاف کر لو۔'' زعیم کہیے اور حبا نہ مانے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا وہ فوراً اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

''اور ہاں باہر کا دروازہ اگر بند ہے میرا مطلب ہے اگر لاک لگا ہوا ہے تو کھول دو میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔'' زعیم نے یہ کہہ کر کال کاٹ دی حبا اٹھی اور صائمہ نواز کے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

صبح حبا بہت خوش تھی گزشتہ شب کی مایوسی اور دلگرفتگی کا کہیں شائبہ تک نظر نہیں آ رہا تھا اس کے گلابی گداز ہونٹ مسکرا رہے تھے حبا کی آنکھیں محبت کی روشنی سے جگمگا رہی تھیں جیسے کسی نے ڈھیر سارے جگنو اس کی پلکوں پر سجا دیئے ہوں۔

وہ کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی جب وہ دبے پاؤں چلتا ہوا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''اتنے خضوع وخشوع سے مجھے سوچا جا رہا ہے نا۔'' اس کی آواز نے حبا کی سوچوں کا تسلسل توڑ ڈالا حبا نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو زعیم اسے ہی پرشوق نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ مسکراہٹ ہونٹوں پہ رقصاں کیوں ہے۔'' زعیم اب اس کے مقابل کھڑا حبا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اگر روتی ہوں تو بھی ناخوش ہوتے ہو اور ہنستی ہوں تو بھی اعتراض۔'' حبا نے ہونٹ سکوڑ کر زعیم کو دیکھا تو ایک دلکش مسکان زعیم کے ہونٹوں کی تراش میں بکھر گئی۔

''نہیں حبا میں تمہیں ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔'' زعیم ابھی بھی مسکرائے جا رہا تھا۔

''کیوں؟'' حبا نے ابرو اچکا کر کہا حالانکہ کہ یہ بات حبا کے لئے ڈھکی چھپی تو نہیں تھی کہ زعیم حبا کو بہت چاہتا ہے اور اسی لئے وہ حبا کی ہر کڑوی کسیلی بھی خوش دلی سے سن لیتا تھا۔

''کیونکہ۔'' زعیم نے کچھ سوچنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آنکھیں سکوڑ لیں پھر کچھ دیر پرخیال انداز میں حبا کو دیکھتا رہا پھر ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''کیونکہ تم میری ہو اور اپنی چیزوں کی حفاظت کرنی چاہیے ان کو سنبھال کر رکھنا چاہیے۔'' وہ ایک جذب سے بول رہا تھا۔

''اگر اوپر سے تائی جی آ جائیں تو تم اپنی چیزوں کو پھینک بھانک کر بھاگ جاؤ۔'' حبا تمسخرانہ ہنسی اڑانے لگی زعیم نے خفگی سے اسے دیکھا ہلکا سا تاسف زعیم کی آنکھوں میں ابھرا اور اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

''تم ہر وقت میرا دل کیوں جلاتی ہو حبا، تمہیں کچھ احساس نہیں ہے کہ کس بے دردی سے تم مجھے اس جرم کی سزا دیتی ہو جو میں نے کیا ہی نہیں۔'' زعیم یک دم سنجیدہ ہوا تھا پیالیوں میں چائے ڈالتی حبا اب پشیمان نظر آ رہی تھی، اس کے ہاتھوں کی لرزش زعیم سے مخفی نہیں تھی مگر اس وقت وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آ رہا تھا۔

''سوری زعیم پلیز۔'' باٹرے میں پیالیاں رکھتے ہوئے لرزتی پلکوں اور جھکی آنکھیں سے معافی مانگ رہی تھی۔

''چچی کو چائے دے آؤ، خود واپس آؤ جلدی۔'' زعیم نے بظاہر نروٹھے پن سے مگر استحقاق بھرے انداز میں کہا تو حبا سر ہلا کر چائے

کی پیالی لے کر چلی گئی۔

زعیم کرسی پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا بالوں میں دونوں ہاتھ پھنسائے وہ کسی گہری سوچ میں مدغم تھا جب حبا واپس آ گئی زعیم نے ایک خفگی بھری نظر اس پر ڈالی اور بغور اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگا۔

سیاہ کاٹن کے سادہ سے سوٹ میں وہ اس سے اتنی دلکش اور دل ربا نظر آ رہی تھی کہ زعیم اسے دیکھے گیا وہ ٹیبل پر چائے اور کیک رکھ کر پلٹی تو اس کی لمبی گھنے بالوں والی چوٹی کے کچھ بل کھل کر ریشم کا گچھا سا بکھر گیا زعیم پہلو بدل کر رہ گیا اور اس نے اضطراری کیفیت میں حبا کی نازک سی کلائی تھام کر اسے اپنے مقابل اپنے سامنے بٹھالیا۔

''کیوں کرتی ہو ایسا، کیوں دکھ دیتی ہو مجھے بولو۔'' زعیم اس کا چہرہ تھام کر اس کی شہد رنگ آنکھوں میں جھانک کر پوچھ رہا تھا حبا کی آنکھیں پل میں نم ہوئی تھیں اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا جواب دینا تو دور کی بات۔

''ہزار بار کہا ہے کہ صرف تمہاری عزت کی خاطر، میں امی کے سامنے تم سے اجتناب برتتا ہوں تا کہ وہ تمہارے لئے مشکلات پیدا نہ کر سکیں اور تمہارے بے داغ کردار کو داغدار نہ کر سکیں سمجھی تم۔'' زعیم نے حبا کے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے پیار سے ڈپٹا۔

''چائے ٹھنڈی ہو جائے گی پیو۔'' زعیم نے خود حبا کو چائے پکڑائی اور اپنی پیالی اٹھا کر سیپ لیتے ہوئے جیب سے کچھ نکالنے لگا۔

''یہ تمہارے لئے۔'' زعیم نے ایک خوبصورت سا کیس اس کی جانب بڑھایا۔

''یہ کیا ہے؟'' حبا تحیر زدہ سی بولی اور ہاتھ بڑھانے میں ہچکچا رہی تھی۔

''تمہارا گفٹ، مگر اکیلے میں کھولنا او کے۔'' زعیم نے آنکھیں پٹپٹاتی حبا کا ہاتھ پکڑ کر کیس اسے پکڑا دیا حبا پھیکی سی بے جان سی ہنسی ہنسی۔

''سوری زعیم مجھے معاف کر دو، میں بہت بری ہوں پتہ نہیں کیا کیا بولے جاتی ہوں۔'' وہ شرمندہ تھی۔

''سوری کی کوئی بات نہیں میری جان! بس زندگی کے روشن راستوں پر چلنے کی کوشش کرو میں تمہارے ساتھ ہوں ہر راستے میں تمہارا ہم سفر۔'' وہ سب بھول کر سرشار سا بولا۔

''ہر دکھ میں بغیر پکارے تمہارے پاس آ جاتا ہوں نا۔'' زعیم جذبوں سے چمکتی آنکھوں سے معصوم سی حبا کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا حبا تو اس کی بچپن کی محبت تھی۔

''تم مجھے زندگی کی طرح پیاری ہو بس تھوڑا سا اور انتظار کر لو پھر تم نے میری ماں کو سائیڈ میں لگا دینا ہے ان کی بہو بن کر۔'' زعیم نے ماحول کی سوگواریت کو کم کرنے کے لئے چھیڑا۔

''اتنی بدتمیز اور بری نہیں ہوں میں، سمجھے جسے بڑوں کا لحاظ اور احترام نہ ہو۔'' حبا کڑے تیوروں سے بولی تو زعیم کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''تھینکس زعیم!'' حبا مسکراتی ہوئی تشکر بھری نظروں سے زعیم فراز کو دیکھا۔

''تھینکس کی کوئی بات نہیں، حق ہے تمہارا مجھ پر۔'' زعیم نے بھرپور نظروں سے حبا کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں چائے کیک سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کافی دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے خوش آئندہ مستقبل کی باتیں، محبت کی باتیں، اپنی محبت کی باتیں، وقت تھا کہ جیسے تھم کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

نواز احمد زیادہ تر زمینوں پر ہی رہتے تھے مگر جب بھی وہ گھر آتے صائمہ ان کا ایسے خیال رکھتیں کہ جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو، وہ ان کے کھانے پینے پہننے اوڑھنے کا خاص دھیان رکھتیں وہ ایک مشرقی عورت ہونے کی بنا پر اپنے شوہر کو ان کی تمام خامیوں سمیت دل سے چاہتی تھیں۔

نواز رات گھر پر تھے کھانا حبا نے بنایا تھا اور بہت دن کے بعد ان تینوں نے مل کر کھانا کھایا تھا، کمرے کے وسط میں بچھی چٹائی پر وہ اس وقت بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

''تم ٹھیک ہو بیٹا!'' نواز نے مرغ کی ران سے کھینچا تانی کرتے ہوئے پوچھا تو حبا نے حیرت سے اپنے خود غرض اور بے حس باپ کو دیکھا جو صرف اپنے لئے جینا جانتے تھے۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔'' نواز نے اچنبھے سے حبا کو دیکھا جو مسلسل سرد نگاہوں سے ان کو گھور رہی تھی۔

''کچھ نہیں اور ٹھیک ہوں میں۔'' حبا نے دو سوالوں کے جواب ایک ساتھ دیئے تھے۔

''کچھ الجھی سی نظر آ رہی ہو کیا بات ہے؟'' وہ آج باپ بننے پر تلے ہوئے تھے اور بڑے خوش گوار موڈ میں تھے اور شاید حبا سے بھی توقع کر رہے تھے کہ وہ ایک نارمل انداز میں بات چیت کرے مگر حبا نے عرصہ ہوا ایسی گھریلو خوشگواریت کا خواب توڑ ڈالا تھا۔

''ابو جی ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' حبا نے گلاس میں پانی ڈال کر صائمہ کو تھمایا صائمہ کو انجانے خدشے کی بنا پر اکثر ایسے موقعوں پر پھندا سا لگ جایا کرتا تھا۔

''بلکہ میں تو آج بہت خوش ہوں کہ آج آپ کی بدولت ہمیں بھی اتنا اچھا کھانا کھانے کو مل گیا۔'' نا چاہتے ہوئے بھی ایک ہلکی سی تلخی حبا کے انداز میں نظر آ رہی تھی، صائمہ سراسمگی سے حبا کو دیکھ رہی تھیں کسی خوف سے گنگ وہ سہم سی گئی تھیں وہ نہیں چاہتیں تھیں کہ کوئی بدمزگی ہو۔

''کیوں کیا تم لوگوں کو کھانے کو نہیں ملتا کیا؟ تمہارے تایا جی تم لوگوں کا خیال نہیں رکھتے کیا۔'' وہ ایسے کبھی حبا اور کبھی صائمہ کو دیکھ رہے تھے جیسے کہ ان میں کوئی کمی نہ ہو وہ بہت اچھے ذمہ دار باپ اور بہت خیال رکھنے والے شوہر ہوں، صائمہ کے تو نواز کے بگڑتے تیور دیکھ کر ہی ہاتھ پاؤں پھول جاتے تھے، اس وقت بھی صائمہ کی حالت بہت دگرگوں ہو رہی تھی۔

''ارے یہ کیسی باتیں شروع کر دیں آپ لوگوں نے۔'' صائمہ عجلت میں بولیں مبادا حبا کچھ الٹا سیدھا بول گئی تو لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔

ساتھ میں برابر آنکھوں کے خفیف اشاروں سے حبا کو خاموش رہنے کا کہہ رہی تھیں اور حبا غصے میں کھانا بھی چھوڑ کر چلی گئی تھی صائمہ کو حبا کا پاؤں پٹخنا اور جھلاتے ہوئے کھانا ادھورا چھوڑ جانا برا لگا تھا مگر وہ دم سادھے چند ثانیے جاتی ہوئی حبا کو دیکھتی رہی۔

''یہ اتنی اکھڑی اکھڑی سی کیوں ہے۔'' نواز کے چہرے کے عضلات تن سے گئے تھے پتہ نہیں کہ وہ اتنے ہی انجان تھے یا صرف نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''بچی ہے نا کبھی کبھی تلخ ہو جاتی ہے۔'' صائمہ نے خوشامدانہ انداز میں حبا کی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی تھی مگر نواز پر الٹا اثر ہوا ان کے چہرے کے عضلات جو پہلے سے ہی تنے ہوئے تھے ڈھیلے ہونے کی بجائے جیسے چٹخنے لگے تھے صائمہ کو بہت ڈر لگا ان کا دل کسی انہونی کے خیال سے لرز کر رہ گیا نواز خون خوار اور غصیلی نظروں سے کچھ دیر صائمہ کو دیکھتے رہے اور پھر

نہایت کھردرے انداز میں بولے۔

''بھائی جان کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دیتے تم ماں بیٹی کو، میں جانتا ہوں بہت اچھی طرح کہ وہ تم دونوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

''جی جی بھائی صاحب ہمارا بہت خیال رکھتے ہیں۔'' صائمہ کا دل ہی نہیں ہونٹ بھی لرز رہے تھے عرصے سے اس کا اعتماد رخصت ہو چکا تھا عرصہ ہوا صائمہ نواز کا دل اجڑ چکا تھا آنکھیں بنجر ہو چکی تھیں، اب تو وہ ایک ڈری سہمی، ٹوٹی پھوٹی، اعتماد سے عاری عورت تھی۔

''تو پھر کیا تکلیف ہے تمہاری لاڈلی کو، بتا دینا اسے کہ مجھے اکڑتی ہوئی عورت پسند نہیں ہے بھلا وہ میری بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔'' نواز اٹھے برتنوں کو ٹھوکریں مارتے سانپ کی طرح پھنکارتے جا کر کمرے میں گھس گئے ایک دھاڑ کی صورت دروازہ بند ہو گیا۔

صائمہ بند دروازے کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی تا دیر ہمیشہ کی طرح انہیں اپنا دل بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

''ہم بھائی صاحب کی نہیں آپ کی ذمہ داری ہیں کاش آپ سمجھ سکتے۔'' دو آنسو صائمہ کی پلکوں پہ آ کے ٹھہر گئے، صائمہ کا دل خالی تھا ان کے بخت کا ستارہ مدھم ہوتے ہوتے سو گیا تھا۔

کس سے نواز کے سرد اور بے مہر انداز کا گلہ کرتی کوئی بھی نہیں تھا اپنا، کوئی بھی تو نہیں، صائمہ نے اپنی آنکھوں کے آنسو صاف کیے برتن اکٹھے کیے دھونے والے برتن سنک میں رکھے سالن نئے سرے سے گرم کیا اور پلیٹ میں ڈال کر، ٹرے میں رکھا اور کھانا لے کر حبا کے کمرے میں چلی گئیں، حبا اوندھے منہ لیٹی سسک رہی تھی۔

''حبا!'' صائمہ نے ٹرے ایک طرف رکھ کر آواز دی، حبا نے تڑپ کر نہ صرف اپنا رخ روشن سامنے کیا بلکہ ایک ہی جست میں اٹھ کر بھی بیٹھ گئی اور سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی، حبا کی متورم آنکھیں، ستا ہوا چہرہ، نڈھال انداز، صائمہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''بیٹا تمہیں کیا ضرورت تھی اتنا روکھا انداز اختیار کرنے کی۔'' صائمہ نے رسان سے کہا۔

''امی آپ کیوں ابو سے اتنی خائف ہیں کیوں ڈرتی ہیں۔'' حبا تنک کر بولی۔

''اس لئے بیٹا کہ وہ جیسے بھی ہیں میرے شوہر ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ اللہ کے ہاں میرا شمار نافرمان بیویوں میں ہو۔'' صائمہ نے لقمہ بنا کر حبا کے منہ میں ڈالا، حبا نے لقمہ چباتے ہوئے تحیر سے اپنی ماں کی بات سنی۔

''امی جی ایک تو مجھے آپ کی اس منطق کی سمجھ نہیں آئی آج تک۔'' حبا نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر بولی، صائمہ نے پوری توجہ و محبت سے حبا کو دیکھا۔

''حبا گھر ٹوٹنے سے بھی ہمیشہ عورت ہی ٹوٹا کرتی ہے بلکہ ٹوٹ کر بکھر جاتی ہے دنیا کا خوف، قدموں تلے زمین نہیں ہوتی سر پر آسمان نہیں ہوتا مجھ میں اتنی ہمت اور جرأت کبھی نہیں رہی کہ میں تن تنہا زندگی گزار سکوں۔'' صائمہ کے چہرے پر سکون تھا جبکہ اس کے اندر ایک طلاطم برپا تھا ہیجان آمیز طلاطم، بہت سے دکھ اپنی ذات کی بے توقیری کا دکھ، اپنی عزت نفس کے روز روز کچلے جانے کا درد، اپنی انا اور نسوانیت کے مجروح ہونے کی اذیت نے مل کر ان کے اندر ایسا شور برپا کیا، ایسا ادھم مچایا کہ صائمہ نواز کو اپنی سانسوں تک میں دھواں سا بھرتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

''اچھا بیٹا آپ آرام کرو پریشان نہیں ہوتے۔'' صائمہ نواز حبا سے کہہ کر اٹھیں خالی برتن اٹھائے دہلیز پار کر گئیں، ان کو اپنا درد چھپانا مشکل ہو رہا تھا ان کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں سینے میں کچھ سلگنے کا سا احساس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

حبا ہمیشہ اپنے ابو کے ناروا سلوک اور کھردرے رویے پر ایسے ہی آرزدہ ہو جایا کرتی تھی کھانا پینا تک چھوڑ دیتی غصے میں صائمہ کو اکساتی کہ وہ یہ جبر اور زیادتی برداشت مت کریں اور صائمہ ہر بار گھر ایک عورت کے لئے کتنا ضروری ہے یہ حبا کو بتایا کرتیں اور حبا آج کی لڑکی ہونے کی بنا پر اپنی زندگی آپ گزارو مرد کی زیادتی اور ظلم اپنی ذات پر مت سہو، والی سوچ رکھتی تھی۔

حبا بذات خود بہت اچھی محبت کرنے والی لڑکی تھی مگر حالات کچھ ایسے رہے کہ وہ دن بدن نڈھال ہو رہی تھی نواز کی ذات کی کمزوری حبا کا سب سے بڑا دکھ بن چکی تھی اوپر سے نواز شرمندہ ہونے کی بجائے ڈھٹائی اور اپنی جھوٹی شان و شوکت کے مظاہرے کرتے تو حبا کا دل بیزار ہی نہیں اوب بھی جاتا۔

وہ اپنا ہر درد زعم سے بانٹ لیتی اور جانے انجانے میں اپنی باتوں کے نشتر صائمہ کو بھی چبھو دیا کرتی تھی اسے اپنی دکھی ماں سے بہت محبت اور ہمدردی تھی مگر اس کو صائمہ کی مروت و لحاظ اور رواداری ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے ابو کے سامنے لجاجت بھرا ان کا لہجہ حبا کے اندر کوفت و بیزاری بھر دیتا۔

حبا اپنی ماں سے بھی ناراض ہو جاتی کہ وہ ابو کو کھری کھری کیوں نہیں سناتیں۔

جب حبا کا غصہ اترتا تو اسے شدت سے احساس ہوتا کہ اس کی ذات بھی صائمہ کے لئے دکھ کا باعث بن رہی ہے وہ انجانے میں اپنی ماں کا دل دکھا دیتی ہے پھر وہ صائمہ سے معافی مانگا کرتیں۔

صائمہ جانتی تھی کہ حبا کے اندر اتنی کڑواہٹ حالات کی مرہون منت ہے اس لئے وہ تو کبھی اپنی بیٹی کی کسی بات کا برا منایا ہی نہیں کرتی تھی وہ تو چاہتیں تھیں کہ حبا اپنے اندر کا سارا درد سارا غبار نکال لیا کرے کہ من کے اندر چھپا درد بہت ساری گھٹن اور حبس سمیٹ لاتا ہے وہ نہیں چاہتیں تھیں کہ حبا کے سامنے کوئی بات ہو اور وہ غمگین ہو مگر ایسا اکثر ہو جاتا تھا، نواز شام تک کمرے سے باہر نہیں نکلے تھے، حبا نے صائمہ سے اپنے رویے کی معافی مانگی تو صائمہ نے تڑپ کر حبا کو گلے لگا لیا۔

''بیٹا مجھے آپ کی کوئی بات بری نہیں لگتی ماؤں کو اپنی بیٹیوں پر غصہ نہیں آیا کرتا بیٹیاں تو دعاؤں جیسی ہوتی ہیں تم تو میرے لئے سب کچھ ہو بیٹا۔'' صائمہ بولیں۔

''مگر امی میں بھی تو بجائے آپ کی ڈھارس بندھوانے کے الٹا فضول گوئی کرتی ہوں۔'' حبا روہانسی ہو کر بولی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے بیٹا۔'' صائمہ نے بات سمیٹنا چاہی اس وقت وہ دونوں کچن میں رات کے کھانے کی تیاری میں مگن ہوئی تھیں جب اچانک ہی فراز صاحب کچن کے باہر آ کھڑے ہوئے ان دونوں نے کچن کی چوکھٹ کے پار کھڑے فراز صاحب کو دیکھا جن کے انداز میں برہمی تھی اور چہرے پر کچھ ناقابل فہم تاثرات رقم نظر آ رہے تھے صائمہ اور حبا نے ان پر سے نظریں ہٹا کر ایک دوسرے کو دیکھا وہ دونوں اس وقت حیرت اور تشویش کے ملے جلے احساسات میں گھری ایک ہی جیسے خیالات میں الجھی ہوئی تھیں فراز نے ایک سرسری نظر ان ماں بیٹی پر ڈالی

اور عجلت میں قدم اٹھاتے نواز کے کمرے کے سامنے جا کر رک گئے اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے حبا نے کچن سے باہر جھانک کر تایا جی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تائی جی آخری سیڑھی پر کھڑی تھیں ان کا ایک ہاتھ ریلنگ پر ٹکا تھا۔

حبا واپس پلٹی صائمہ بھی بھابھی جی کو دیکھ چکی تھیں اور گنگ سی اپنی جگہ ایستادہ آنے والی متوقع صورت حال پر غور کر رہی تھیں، تایا جی نے چند ثانیے توقف کیا تب تک تائی بھی نواز کے کمرے کے سامنے پہنچ چکی تھیں وہ دونوں ایک ساتھ کمرے میں گئے تھے۔

''الٰہی خیر۔'' صائمہ نے دھل کر سینے پر ہاتھ رکھا ان کا ناتواں وجود کمزور پتے کی مانند لرزنے لگا کسی انہونی کسی خدشے نے ان کے بدن کا جیسے سارا خون نچوڑ ڈالا تھا طرح طرح کے وسوسے ان کے دل کی سر زمین میں سر اٹھا رہے تھے وہ کس برتے پر کس مان پر ان واہموں کا سر کچلتیں کیا کرتیں برسوں کی تھکن ان کی پور پور میں سما چکی تھی۔

''امی یہ لوگ کس لئے آئے ہیں۔'' حبا نے جیسے خود کلامی کی تھی صائمہ خود نہیں جانتی تھیں اسے کیا بتاتیں وہ اپنی جواں سال بیٹی کو جتنا بھی دکھوں سے بچانے کی سعی کرتی اسے اذیت کے کچوکوں سے بچا نہیں پاتی تھیں، ان کے بس میں کچھ نہیں تھا۔

''صائمہ اندر آؤ۔'' تایا جی کی بلند آواز بازگشت کی صورت ان تک پہنچی تھی اور صائمہ کا تو بدن میں لہو نہیں کی عملی تفسیر بنی کھڑی تھیں۔

''صائمہ اندر آؤ اور حبا کو بھی لیتی آنا۔''

اب کی بار تایا جی کی آواز میں نمایاں غصے کی جھلک تھی صائمہ نے اپنی خشک ہوتی سانس کو ہموار کیا اپنی ساری ہمتیں مجتمع کر کے حبا کا ہاتھ پکڑا اور چند لمحوں کے بعد ہی وہ دونوں ان تینوں کے سامنے تھیں۔

''بیٹھو۔'' تایا جی نے کہا اور صائمہ کسی معمول کی طرح سامنے کرسی پر ٹک گئی حبا بھی اپنی ماں کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''نواز میں آج تم سے فائنل بات کرنے آیا ہوں۔'' اب انہوں نے اپنا روئے سخن نواز کی طرف کیا۔

''نواز میں نے پچھلے بیس سالوں سے تمہاری بیٹی اور بیوی کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے مگر اب نہیں اب اپنے گھر بار کی فکر آپ خود کرو۔'' تایا جی نے کڑک لہجے میں کہا نواز سر جھکائے بیٹھے تھے۔

''یہ گھر ابا جی نے بنوایا تھا اس لئے نیچے والا پورشن تمہارا ہے رہی بات زمینوں کی تو میں چاہتا ہوں کہ ان کا اب بٹوارا کر لیا جائے۔'' نواز ہنوز خاموش تھے۔

''نواز بولو کچھ۔'' تایا جی پھر گھن گرج سے دھاڑے۔

''کیا بولوں بھائی صاحب۔'' نواز منمنا کر بولے۔

''ہاں نواز تو بول بھی کیا سکتا ہے بولتا تو وہی شخص ہے نا جو مکمل ہوتا ہے۔'' اب کہ تائی جی بولیں تھیں حبا نے تحیر سے تائی جی کو دیکھا ان کا اعتماد قابل دید تھا ان کی آنکھوں میں اک محسوس کی جانے والی چمک تھی حبا کی نظریں غیر محسوس انداز میں صائمہ پر آ رکیں دونوں ہاتھ گود میں دھرے اعتماد سے عاری عورت، مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بنی بیٹھی تھی معتوب ٹھہری تھی۔

''ہاں ٹھیک ہی تو کہتی ہے تمہاری بھابھی تمہارے جیسے نکھٹو نالائق آوارہ اور نشئی نے کیا بولنا ہے بولنے کے قابل ہی کہاں ہو تم، کاش نواز تو

پیدا ہی نہ ہوتا اور اگر اس دنیا میں آ ہی گیا تھا تو ہر جگہ میرے لئے شرمندگی اور ذلت و خواری کا باعث نہ بنتا۔'' حبا کو لگا تایا جی کا لہجہ نم سا ہے۔

''بھائی صاحب وہ تو آپ شکر کریں کہ ہم آپ کی بیٹی کا رشتہ لے رہیں ہیں۔'' تائی جی نے نواز کے جھکے سر پر ایک اور کاٹ دار لب و لہجے میں طعنہ مارا اور ترچھی نظر سے صائمہ کو دیکھا جس کے گود میں دھرے ہاتھ لرز رہے تھے حبا سے یہ درد برداشت نہیں ہو رہا تھا اتنی تحقیر اتنی سگی تائی کا حقارت آمیز لہجہ اسے سر تا پا سلگا گیا کہ مائیگی کا جان لیوا احساس اسے ادھ موا کرنے لگا۔

''ہاں تو ورنہ نشئی کی بیٹی کا رشتہ کون لیتا ہے۔'' تائی کے نشتر میں ابھی بہت تیر باقی تھے اور وہ شاید یہ سنہرا موقع ضائع نہیں کرنا چاہتی تھیں حبا کی آنکھیں لہو رنگ ہو کر دہکنے لگیں۔

''ہاں ٹھیک تو کہہ رہی ہے صوبیہ۔'' تایا جی نے ان کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنی بیوی کا مان بڑھایا۔

''بھائی صاحب یہ آپ کا احسان ہے کہ آپ میری بیٹی کو بہو بنائیں گے۔'' نواز بولے بھی تو صرف اتنا، احسان مندی سے بولتے نواز کو نہایت قابل نفرت لگے۔

''آج کے بعد میں تمہاری بیوی اور بیٹی کا خرچہ نہیں اٹھا سکوں گا تم جو پہلے اپنے حصے کا زمین کا ٹھیکہ لے کر اپنی عیاشیوں میں خرچ کرتے ہو اب اپنے اللے تللے ختم کرو اور اپنے گھر بار کا خیال کرو اپنی بیوی اور بیٹی کا خیال کرو۔'' تایا جی نے نواز کے جھکے سر پر تازیانے برساتے ہوئے کہا۔

حبا اور صائمہ رو رہی تھیں نواز گم صم بیٹھے تھے پھر وہ اٹھے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے کمرے سے نکل گئے۔

''انسان کے بے شرم ہونے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے نا۔'' صوبیہ تائی نے تنفر اور حقارت سے سلگتی نظر ڈال کر کہا۔

''مگر یہاں تو بے غیرتی اور بے شرمی کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔'' صوبیہ نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑ کر کاٹ دار نظروں سے حبا اور صائمہ کو دیکھا۔

''حبا بتا دینا دوبارہ اپنے باپ کو، یاد دھانی کروا دینا کہ آج کے بعد تم لوگ اپنا بندوبست کر لینا۔'' تائی جی نے کہہ کر قدم باہر کی جانب بڑھائے تمسخرانہ نظر حبا پر ڈالی اور تایا جی کو چلنے کا مبہم سا اشارہ کیا۔

''تائی جی۔'' حبا کی آواز پر ان دونوں کے قدم پل میں ساکت ہوئے تھے اور انہوں نے نہ صرف پلٹ کر دیکھا بلکہ واپس مڑے بھی تھے۔

''ہاں بولو۔'' تائی جی نے حیرانگی کے عالم میں پوچھا۔

''مجھے اس رشتے سے انکار ہے جو میرے مرحوم دادا نے طے کیا تھا۔'' وہ چہرے پر چٹانوں کی سی سختی سجائے کہہ رہی تھی اپنے ہاتھوں اپنا دل کچل رہی تھی وہ ٹھٹک کر حبا کو دیکھنے لگے وہ انگشت بدنداں تھے حبا کی ہمت پر اس کی جرأت پر۔

''تمہیں اپنے الفاظ کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہے حبا کہ تم کیا بک رہی ہو ہم نے تمہیں چھوڑ دیا تو در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرو گی۔'' تایا جی نے انتہائی سخت لہجے میں کہا صائمہ بس لرزتی رہی اور صوبیہ تنفر سے ان دونوں ماں بیٹی کو دیکھتی رہی۔

''کون سی ٹھوکریں تایا جی، بتائیں مجھے جو میں بچپن سے کھا رہی ہوں میری ماں کھا رہی ہے۔'' وہ بولی تو آنسوؤں کی نمی اس کے لفظوں سے واضح جھلکی تھی۔

''حبا تم اتنی بدتمیز اور گستاخ ہو سکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' تایا جی درشت لہجے میں دھاڑے مگر حبا کے دل میں لگی آگ آج اسے جلا کر بھسم کر رہی تھی مزید صبر کا یارا نہیں رہا تھا۔

''تایا جی اس کمرے میں موجود دو عورتیں ہیں ایک میری ماں دوسری میری تائی، میری ماں چپ ہے ڈرتی ہے خوفزدہ ہیں کیونکہ وہ ایک دھتکاری ہوئی ٹھکرائی ہوئی عورت ہیں ایک ناکام اور ادھورے شخص کی بیوی ہیں یہ اپنے حق کے لئے بول نہیں سکتیں کیونکہ یہ ان چاہی عورت ہیں ان کے ساتھ ان کا شوہر ایک مان کی صورت کھڑا نہیں ہے یہ عدم تحفظ کا شکار ہیں یہ سچ بولنے کی سکت اپنے اندر کھو چکی ہیں یہ ایک دیمک زدہ درخت کی طرح اندر سے کھوکھلی ہو چکی ہیں اور پتہ ہے تایا جی اتنی نفرت مجھے اپنے باپ سے محسوس نہیں ہوتی جتنی آپ سے تایا جی۔'' وہ زارو قطار رو رہی تھی بلک رہی تھی تڑپ رہی تھی یہی وہ لمحہ تھا جب زعیم گھر آیا تھا اندر سے آتی آوازیں سن کر وہ سیدھا ادھر ہی چلا آیا تھا بری طرح سے روتی ہوئی حبا کے الفاظ زعیم کی سماعتوں تک پہنچے تھے وہ ششدر سا اپنے ماں باپ کی وہاں موجودگی دیکھے جا رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے حبا کیوں رو رہی ہے۔'' وہ سب کو دیکھ کر حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

''محترمہ نے تمہارے اور اپنے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔'' تائی جی چمک کر بولیں صائمہ خاموش تماشائی بنی روئے جا رہی تھیں۔

''اللہ معاف کرے اتنی لمبی زبان۔'' تائی جی نے گال پیٹے، زعیم ساکت وصامت کھڑا تھا۔

''تائی جی آپ آج کتنا بولیں اور میری ماں چپ رہی آپ بول سکتی ہیں کیونکہ آپ ایک مکمل مرد کی بیوی ہیں ایک جوان بیٹے کی ماں ہیں آپ چاہی گئی ہیں مان ہیں نا آپ کو بیٹے اور شوہر پر اس لئے بڑھ بڑھ کر بول رہی ہیں۔'' وہ روئے جا رہی تھی۔

''حبا کیا ہو گیا تمہیں ریلیکس ہو جاؤ۔'' زعیم نے اسے کندھے سے چھو کر جیسے احساس دلانا چاہا کہ وہ اپنے بڑوں کے سامنے کھڑی ہے اور کچھ زیادہ بول رہی ہے۔

''نہیں زعیم پلیز آپ لوگ جاؤ اپنے گھر، ہمارا کوئی نہیں ہے کاش میری ماں کا بھی بیٹا ہوتا تو آج ان کا سر بھی تائی کی طرح اٹھا ہوا ہوتا ان کی طرح جھکا ہوا نہیں۔'' حبا نے اپنی ماں کی طرف اشارہ کیا۔

''حبا ہوش کے ناخن لو پلیز۔'' زعیم بگڑی ہوئی صورت حال پر اپنے طور پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا مگر حبا نہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور نہ ہی زعیم فراز کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تایا جی میرے ابو اچھے انسان نہیں ہیں مگر آپ تو اچھے تھے نا اپنی کمائی میں سے لوگ صدقہ خیرات بھی تو نکالتے ہیں نا لاوارثوں کے لئے، مگر صرف اللہ کی رضا کے لئے، اللہ کی خوشنودی کے لئے کاش آپ نے ہمیں وہی لاوارث سمجھ کر ہی ہمیں تین وقت کی روٹی دی ہوئی صلا اللہ دیتا۔'' حبا کھوئی کھوئی سی بولے چلی جا رہی تھی، تائی جی نفرت سے اسے گھور رہی تھیں ان کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے۔

''زعیم وہ تمہیں ٹھکرا چکی ہے تم کس برتے پر یہاں کھڑے ہو۔'' تائی جی کے لہجے میں سانپ کی سی پھنکار تھی۔

''خدا کے لئے امی آپ جائیں یہاں سے۔'' وہ ملتجی انداز میں بولا تو صوبیہ ماتھے پر بے شمار شکنیں ڈالے قہر آلود نظروں سے سب کو

دیکھتیں باہر نکل گئیں فراز بھی ان کے پیچھے ہو لئے۔

''کاش تایا مجھے کبھی تو بیٹی کہہ کر گلے لگاتے کبھی تو بیٹی والا مان دیتے کاش وہ سمجھ سکتے کہ جب دلوں میں جگہ کم ہو جاتی ہے تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا کاش وہ اپنے دل میں ہمارے لئے وسعت پیدا کر سکتے ہمیں تو ہمیشہ ناکردہ گناہوں کی بھی سزا ملی ہے ابو کا ہر گناہ ہمارے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہمارا قصور کیا ہے آخر۔'' وہ رو رہی تھی تڑخ کر بول رہی تھی فراز نے جاتے ہوئے حبا کی آواز سنی تھی ایک پل کے لئے ان کے دل کو کچھ ہوا مگر اگلے ہی پل وہ تیزی سے سیڑھیاں عبور کرنے لگے۔

☆☆☆

نواز نشے میں دھت رات گئے گھر لوٹا تھا وہ بری طرح سے لڑکھڑا رہے تھے وہ قدم کہیں رکھتے اور پڑتا کہیں تھا۔

صائمہ ان کو سہارا دے کر کمرے میں لائیں تھیں نواز کے قدم بار بار لڑکھڑا رہے تھے، صائمہ آج حبا کی وجہ سے بہت اداس اور دل گرفتہ تھیں حبا روتے روتے سوئی تھی اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی وہ ماں تھیں اپنی بیٹی کے اندر ہوتی ٹوٹ پھوٹ سے بخوبی آگاہ تھیں۔

صائمہ نے نواز کو بیڈ پر لٹا دیا وہ چند لمحوں کے بعد ہی خراٹے لینے لگے صائمہ نے اپنے پھوڑے کی مانند دکھتے سر کو تکیے پر رکھتے ہوئے خود کو ہر تلخ و شیریں یاد سے چھٹکارا دلانے کی کوشش کی اور کچھ دیر بعد وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئی تھیں پرسکون نیند سوتی صائمہ اس بات سے قطعاً بے خبر تھیں کہ آنے والی صبح انہیں بیوگی کے صدمے سے دوچار کرنے والی ہے۔

فراز ساری رات کروٹیں بدلتے رہے تھے اک عجب سی بے چینی ان کو اپنے بدن میں سرائیت ہوتی محسوس ہو رہی تھی اک ایسی بے چینی جس کی کوئی سمجھ نہیں آ رہی تھی بس وہ باوجود کوشش کے بھی پرسکون نیند سو نہیں پا رہے تھے حبا کا رویا رویا چہرہ اس کا رونا بلکنا بار بار فراز کو ڈسٹرب کر رہا تھا۔

کچھ ایسا تھا جو نظر بھی آ رہا تھا پھر بھی پوشیدہ تھا نظروں کی رسائی سے، فراز کو اپنے پہلو میں دل کی جگہ پہ ٹیس سی اٹھتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''تایا جی تا جی میں فرسٹ آئی ہوں۔'' وہ پھولوں جیسی بچی جس کی عمر بمشکل چھ یا سات سال ہو گی اچانک ہی ان کے راستے میں آ گئی تھی، سفید براق فراک پہنے وہ سکول کے لئے تیار کھڑی وہ حبا تھی۔

''اوہ میری جان اوہ میرا بچہ۔'' فراز بینک جانے کے لئے نکلے تھے انہوں نے چمکتی آنکھوں والی حبا کو اٹھا کر زور سے سینے سے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیا اس کی حوصلہ افزائی کی وہ بے تحاشا خوش ہو رہی تھی جواباً فراز کے گال چوم رہی تھی لاڈ کر رہی تھی۔

فراز کے دل میں ایک یاد نے چٹکی کیا لی وہ بلبلا اٹھے ایک اضطراب کی تیز لہر ان کے اندر ٹھوکریں مارنے لگی۔

''میری باربی ڈول کو کیا تحفہ چاہیے۔'' فراز روز شام کو زعیم اور حبا کو لے کر واک کے لئے نکلتے تھے ان دونوں کی معصوم باتوں میں وقت کے کٹنے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

''بتاؤ نا حبا جانی آپ کو گفٹ میں کیا چاہیے۔'' فراز نے دوبارہ زور دے کر اپنے الفاظ دہرائے تھے۔

''تایا جی آپ کو حبا کو صرف آپ کا پیار چاہیے۔'' وہ اک معصوم ادا سے گال پہ انگلی رکھے

پپی کا اشارہ کر رہی تھی اور فراز تو اس کی اس ادا پر دل و جان سے فریفتہ ہو گئے اور اپنی ننھی پری حبا کے گالوں پر چٹا چٹ بوسوں کی بوچھاڑ کر ڈالی۔

''ابو آپ حبا کو مجھ سے زیادہ پیار کرتے ہیں نا۔'' زعیم خفگی سے بسورا تو فراز ہنسنے لگے حبا نے زعیم کو منہ چڑایا تو زعیم غصے سے تنتناتے ہوئے حبا کی پونی کھینچنا شروع ہو گیا۔

''تایا جی۔'' وہ اپنے بچاؤ کے لئے فراز سے چپک گئی فراز نے دونوں بچوں کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر پیار کیا حبا کو ٹوائے ہاؤس گفٹ کے طور پر لے کر دیا اور ان دونوں کو آئس کریم بھی کھلائی۔

☆☆☆

اگلی صبح اس گھر کے مکینوں پر کسی غم کی طرح طلوع ہوئی تھی نواز کی روح سوتے میں ہی قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی ان کی چارپائی صحن میں رکھی ہوئی تھی سارا محلّہ اکٹھا ہو چکا تھا چند دور پرے کے رشتے داروں کو اطلاع دی جا چکی تھی۔

صائمہ اور حبا دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں ان کے چہرے سپاٹ تھے آنکھوں میں ایک بھی آنسو نہیں تھا وہ اپنے حصے کے سارے آنسو بہا چکی تھیں اب تو آنسو بھی ان سے عاجز آ چکے تھے۔

''ہائے بے چاری بیوہ ہو گئی۔'' کسی پڑوسن نے ہمدردی جتائی۔

''لو بہن یہ بھی خوب کہی، پہلے کون سا بے چاری بہت سکھ بھری زندگی گزار رہی تھی ناکارہ پرزہ تھا نواز احمد۔'' حبا نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اپنا سر دیوار سے لگا کر آنکھیں موند لیں اس کے اعصاب چیخ رہے تھے اس نے اپنے ہاتھوں کی پوروں سے اپنی آنکھیں دبائیں حبا کے پورے بدن میں درد کی جان لیوا ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

''گھر تو کم کم ہی آتا تھا اور اگر آتا تو نشے میں ہوتا تھا بے چاری بچی نے پیار دیکھا ہی نہیں اپنے باپ کا۔'' کوئی سرگوشیانہ انداز میں کسی دوسرے کو بتا رہا تھا حبا کو لگا اس کا بدن بے جان ہو رہا ہے اس کے پیروں سے جان نکل رہی ہے اب شاید وہ بھی جہاں سے اٹھ نہیں پائے گی۔

''ہائے ہائے بے چاری ماں بیٹی۔'' کسی نے سرد آہ بھر کر حبا کے سر پر ہاتھ رکھا حبا کا دل چاہا کہ وہ اپنے سر پر رکھا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دے اور چیخے چلائے جی بھر روئے اتنا روئے اتنا روئے کہ اس کی بھی جان نکل جائے مگر باوجود ہر کوشش کے بھی اس کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا تھا۔

وہ حبا جو ذرا ذرا سی بات پر رو رو کر نڈھال ہو جاتی تھی جس کا نام زعیم نے رونی صورت رکھا ہوا تھا جس کے آنسو ہمہ وقت پلکوں پہ ہی اٹکے رہتے تھے مگر آج تو جیسے آنسو بھی اس کی آنکھوں سے روٹھ گئے تھے۔

تایا جی غم سے نڈھال ہو رہے تھے زعیم بھی بار بار گھر آتا اپنے چاچو کو دیکھتا نواز کی ناگہانی موت نے فراز کو ادھ موا کر ڈالا تھا وہ اسے بہت پیار کرتے تھے، مگر ان کی بگڑی ہوئی عادتوں کی وجہ سے چڑنے لگے تھے گزرتے وقت نے ان کے بیچ ایک ان دیکھی خلیج حائل کر دی تھی جسے فراز کی سرد مہری اور تنفر نے اتنا اونچا کر دیا کہ اسے خلیج کو پاٹنا نواز کے بس کا روگ نہیں تھا نواز صائمہ کے سامنے اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کٹھور اور سنگدل بھلے بن جاتے تھے مگر اپنے بھائی صاحب کے سامنے جواب دینا تو درکنار، نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے کہ کہیں وہ گستاخی کے مرتکب نہ ٹھہریں۔

نواز چونکہ کبھی بھی اپنی محبت اپنی بیٹی اور بیوی پر جتا نہیں سکے تھے وہ اپنی خامیوں کو چھپانے کے لئے ان کے ساتھ ہمیشہ تلخ رویہ اپنائے رکھتے تاکہ صائمہ ان سے کوئی باز پرس نہ کر سکے ان کو لگتا کہ اگر میں صائمہ سے نرم رویہ اور اچھا برتاؤ کیا تو کہیں وہ روک ٹوک نہ شروع کر دے اس لئے وہ ہمیشہ سنگدلی اور کٹھور پن کی انتہا کر دیتے تھے۔

صائمہ کو انہوں نے کبھی محبت تو دور کی بات کبھی خود سے بے تکلف ہونے کی بھی اجازت نہیں دی تھی صائمہ نے شادی کے شروع شروع کے دنوں میں نواز کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی اپنی محبت سے اپنی خدمت سے مگر وہ کامیاب نہیں ہو سکی تھی نواز ہر دفعہ وعدہ کر لیتے تھے کہ وہ آئندہ نشہ نہیں کریں گے مگر جلد ہی وہ اپنا ہر وعدہ بھول جاتے تھے رات کی تنہائی میں قربت کے لمحات میں کیے ہوئے سارے وعدے سورج طلوع ہوتے ہی بھلا دیتے تھے۔

''کون جان سکتا ہے میرا درد اور میری اذیت۔'' صائمہ نے اپنی بنجر آنکھوں کو مسل ڈالا سوچوں کی یلغار نے انہیں ادھ موا کر ڈالا تھا کیا تھا یاد کرنے کے لئے ایسا جس کو یاد کر کے وہ اپنے شوہر کے لئے آنسو بہا سکتی رد کرا اپنی محبت اپنی وفاداری کا یقین دلا سکتی کوئی محبت بھرا جملہ کوئی پیار بھری اک نظر۔

کچھ بھی تو نہیں، اس شخص نے صائمہ کو دنیا کی نظروں میں بے مول کر ڈالا تھا نفرت کرتے تھے سب لوگ صائمہ اور حبا سے، صرف نواز کی وجہ سے، لوگوں کے رشتے داروں اور محلے والوں کے سرد رویئے کٹیلی نظریں ہمیشہ صائمہ کو شرمندہ کر دیتی تھیں۔

وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ قصور وار گردانی جاتی تھیں، نواز کی ہر غلطی پر انہیں نہیں بلکہ صائمہ کو زیادہ مورد الزام ٹھہرایا جاتا تھا اور صائمہ نظریں جھکائے ہمیشہ سنتی رہی تھیں کیونکہ وہ بولنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھیں وقت کے ساتھ ساتھ صائمہ کی نظروں کے ساتھ ان کا سر بھی جھکنے لگا تھا فراز کی بے راہ روی ان کی ذات کی خامیوں نے صائمہ کی ساری صلاحیتوں ساری خوبیوں کو برباد کر ڈالا تھا۔

صائمہ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا نواز کی نگاہ التفات، مان، محبت کچھ بھی نہیں۔

نواز کی بے اعتنائی نے صائمہ کے دل میں کیسے گھاؤ ڈالے تھے کسی کو کیا خبر۔

وہ ساری زندگی روتی رہی تھی اپنے رل جانے پر اپنے مٹ جانے پر مگر آج ان کی آنکھ سے تمام تر کوشش کے باوجود بھی ایک قطرہ تک آنسو کا نہیں نکلا تھا۔

☆☆☆

فراز اور زعیم دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے حتیٰ کہ صوبیہ بھی روتی رہیں مگر حبا اور صائمہ سپاٹ چہرے پر بیگانگی اور اجنبیت کا تاثر لئے کھوئی کھوئی بیٹھی رہیں۔

نواز کا جنازہ اٹھا تو تب نجانے صائمہ کو کیا ہوا وہ چیخیں مار مار کر رونے لگیں حبا اپنی ماں کو دیکھ کر رو رہی تھی اور زعیم ان دونوں کو سنبھالنے میں ہلکان ہو رہا تھا مگر لگتا تھا صائمہ کے اندر جمع شدہ سارا غبار ساری گھٹن آج باہر کا راستہ دیکھ بیٹھی تھی، بلکتی ہوئی حبا کو دیکھ کر فراز کے دل کو کچھ ہوا ان کا دل چاہا کہ وہ آگے بڑھیں اور تڑپتی بلکتی حبا کو گلے سے لگا کر بھینچ ڈالے اس کے سارے آنسو اپنے دامن میں چھپا لیں اور پھر کبھی اپنی حبا گڑیا کو رونے نہ دیں وہ دو قدم آگے بڑھے مگر ان کی ہمت نہیں ہوئی کہ اپنا لرزتا ہاتھ حبا کے سر

پر رکھ سکیں، فراز نے اپنا آگے بڑھتا قدم روکا اپنا لرزتا ہاتھ شدت غم سے بھینچ ڈالا۔

وہ وضو کرنے کے لئے واش روم کی طرف مڑے ان کے گرتے پڑتے قدم ان کے اندرونی جذبات اور خلفشار کے غماز تھے ان کا اکلوتا بھائی مر گیا تھا تو ان کے دل پر جمی بے حسی کی برف یک لخت پگھل گئی تھی ان کے وجود سے لپٹی بیگانگی اور اجنبیت کا خول چیخ کر رہ گیا تھا۔

کبھی کبھی ہوتا ہے نا ایسا کہ ہم اپنی ذات کے مدار میں گم ہو کر اپنے سے وابستہ لوگوں کے جذبات ان کی خوشی یکسر فراموش کر دیتے ہیں اپنی انا میں مقید صرف خود کو ہر معاملے میں حق بجانب سمجھتے ہیں صرف خود کو ٹھیک سمجھتے ہیں اور پھر کوئی حادثہ کوئی سانحہ ہمیں اندر باہر سے ہلا دیتا ہے جھنجھوڑ ڈالتا ہے تو پھر ہم اپنی ذات کا محاسبہ کرتے ہیں تو فہم وادراک کے سارے در وا ہو کر ہمیں سرتاپا ندامتوں میں ڈبو دیتے ہیں۔

''ہم آخر حادثوں کے منتظر کیوں رہتے ہیں بغیر کسی حادثے بغیر کوئی نقصان جھیلے ہم ٹھیک سمت کا تعین کیوں نہیں کرتے ٹھیک درست اور بر وقت کیوں نہیں سنبھلتے۔'' فراز نے وضو کرتے ہوئے جیسے خود سے کہا خود کو باور کروایا کہ وہ انجانے میں زیادتی کرنے کے مرتکب ٹھہرے ہیں۔

وہ تیز چلتے ہوئے چند قدموں کے فاصلے پر جاتے ہوئے نواز کے جنازے کی بھیڑ میں شامل ہو گئے ایک مجمع نواز کے جنازے کے ساتھ جا رہا تھا حتی کہ وہ لوگ بھی جو نواز کی زندگی میں ان سے بات تک کرنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

☆☆☆

نواز کو فوت ہوئے چند دن ہوئے تھے فراز صاحب نے وہ بہت بدل گئے تھے ان کے کندھے جھک گئے تھے وہ ہر وقت نڈھال اور پژمردہ سے رہنے لگے تھے وہ بیٹھے بیٹھے رونے لگ جاتے تھے اس وقت بھی رات کے کھانے کا ٹائم تھا صوبیہ ٹیبل سجائے بیٹھی تھیں زعیم فراز صاحب کو ان کے کمرے سے لینے گیا تھا تاکہ سب لوگ مل کر کھانا کھا سکیں زعیم نے آہستگی سے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

کمرہ نیم تاریک تھا زیرو پاور کی نیلگوں روشنی نے عجیب اداسی سے ماحول میں رچا رکھی تھی زعیم نے لائٹ آن کر دی تو انرجی سیور کی دودھیا روشنی نے سارے کمرے کو جگمگا ڈالا زعیم نے ٹھٹک کر تحیر سے اپنے ابو کو دیکھا ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

''ابو جی آپ۔'' زعیم کے پاس کوئی حرف تسلی نہیں تھا جو وہ اپنے ابو کو تھما سکتا، بس بے بسی اور لاچاری کے احساس تلے دب کر وہ چپ کر گیا تھا وہ کیا کہتا وہ کیا تسلی دیتا۔

''زعیم میں خود کو معاف نہیں کر پا رہا بیٹا۔'' فرزا اپنا سر پٹخ کر بولے۔

''ابو جی صبر کریں، مرنے والوں کے ساتھ مرا تو نہیں جاتا نا۔'' زعیم نے بمشکل خود کو یہ الفاظ کہنے کے لئے تیار کیا تھا ورنہ اس کا اپنا دل اپنے چاچو کی موت پر خون کے آنسو رو رہا تھا۔

''وہ میرا بہت تابعدار تھا جیسا بھی تھا میرا بھائی میرا اکلوتا بھائی میری بہت عزت کرتا تھا۔'' فراز کھوئے کھوئے انداز میں جیسے خود کو بتا رہے تھے زعیم نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا۔

''ابو جی اٹھ جایئے تھوڑا سا کھانا کھا لیں۔'' زعیم نے اب دونوں ہاتھوں میں ان کا ہاتھ گرم جوشی سے دبا کر التجا کی تھی، تو فراز صاحب نے نفی میں سر کو جنبش دی تھی۔

یہی وہ وقت تھا جب صوبیہ بھی کمرے میں آئیں تھیں وہ بھی اپنے شوہر کی حالت پر دلگرفتہ نظر آ رہی تھیں۔

''فراز اٹھیے پلیز کھانا کھا لیجئے۔'' صوبیہ آہستہ روی سے چلتیں ان کے پاس آ رکیں تھیں، فراز نے نظر اٹھا کر صوبیہ کو دیکھا ایک کٹیلی نظر جس میں شکایت بھی تھی۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں آپ؟'' صوبیہ ناسمجھی سے انہیں دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

''صوبیہ آپ نے اچھا نہیں کیا، آپ نے مجھے میرے رشتوں سے الگ کر دیا میں نے بہت برا کیا بہت برا کیا جاؤ تم سب لوگ مجھے اکیلا چھوڑ دو، مجھے کھانا نہیں کھانا۔'' وہ دھاڑ کر بولے تھے صوبیہ گڑبڑا کر رہ گئیں۔

''آپ کھانا نہیں کھائیں گے تو ہم کیسے کھا سکتے ہیں۔'' صوبیہ نے محبت جتائی تو فراز صاحب نے سلگتی نظروں سے صوبیہ کو دیکھا کیا کچھ نہیں تھا ان نظروں میں ملامت، آزردگی، گلہ۔

''کاش آپ مجھ سے حقیقتاً محبت کرتیں۔'' فراز نے شاکی نظروں سے ان کو دیکھا تو صوبیہ جو ٹکٹکی باندھے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھیں یک لخت گڑبڑا کر رہ گئیں اور کچھ دیر ساکت نظروں سے ان کو دیکھتی رہیں پھر ڈبڈبائی آنکھوں کو صاف کرتیں جز بز ہوتیں بیڈ کے کنارے بیٹھ گئیں۔

''میرا بھی تو نواز بھائی سے خون کا رشتہ تھا فراز، ماموں زاد بھائی تھے وہ میرے، آپ کیا سمجھتے ہیں مجھے دکھ نہیں ہے۔'' صوبیہ کے دل کی سطح گداز ہوئی اور وہ آبدیدہ ہو گئیں۔

''بس کرو صوبیہ بس کرو، ہم سب نے اچھا نہیں کیا تمہاری صائمہ اور حبا سے نفرت نے مجھے بھی ان سے دور ہونے پر مجبور کر دیا مگر تم سے کیسا گلہ، جب میں ایک گھر کا سرپرست ہونے کے ناطے اپنی ذمہ داریاں نبھا نہیں سکا تو تم تو ان کی کچھ بھی نہیں تھیں۔'' فراز اب بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے اپنی انگلیوں کی پوروں سے اپنی جھلستی آنکھیں دبا رہے تھے۔

''قصور تمہارا نہیں صوبیہ، جہاں مرد کمزور ہو جاتے ہیں وہاں گھر کی عورتیں شیر ہو جاتی ہیں اور جہاں گھروں کے سربراہ عورت کے ذہن سے سوچنا شروع کر دیتے ہیں وہاں میرے جیسے مرد تب تک نہیں سمجھتے جب تک منہ کے بل نہیں گرتے یا کسی بڑے نقصان سے دوچار نہیں ہوتے۔'' فراز ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولے وہ اس وقت خود اذیتی کا شکار تھے زعیم ان کے اندرونی کیفیات کو نہ صرف محسوس کر رہا تھا بلکہ سمجھ بھی رہا تھا کہ وہ اس وقت کس قسم کی جذباتی کشمکش کا شکار ہیں۔

''تلافی ممکن ہے ابو جی۔'' زعیم نے دھیرے سے کہا صوبیہ اور فراز صاحب نے بیک وقت نگاہ اٹھا کر زعیم کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے کو، مگر صوبیہ نے فراز صاحب کی آنکھوں میں منجمد سرد مہری دیکھ کر نگاہ جھکا لی تھی۔

''وہ کیسے؟'' فراز نے الجھ کر زعیم کو دیکھا ان کے انداز میں واضح تحیر تھا۔

''ابو جی اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو ہم لوگ اگر حبا اور صائمہ چچی سے معافی مانگ لیں اور ان کو ان کا حق پورے عزت واحترام سے دیا جائے ابو جی بھلے ہم نے بہت دیر کر دی مگر ''دیر آید درست آید۔'' زعیم کی بات فراز بہت انہماک اور توجہ سے سن رہے تھے اس کی بات کے اختتام پر انہوں نے پرسوچ انداز میں اثبات میں سر ہلایا جیسے زعیم کی بات کی تہہ تک پہنچ کر غور کر رہے ہوں۔

''معافی کس بات کی معافی۔'' صوبیہ تڑخ

کر بولیں تو فراز نے تحیر سے انہیں دیکھا ان کی آنکھوں میں غصہ عود کر آیا۔

''جو زیادتیاں تم نے اور تمہارے ورغلانے پر میں نے ان سے کہیں ان کی معافی صوبیہ بیگم۔'' فراز نے غضبناک لہجے میں چبا چبا کر ایک ایک لفظ ادا کیا بلکہ ان کے انداز میں کچھ جتاتی ہوئی سی کیفیت تھی۔

''ہم نے کیا زیادتی کی۔'' وہ انجان بن کر معصومیت سے کندھے اچکا کر پوچھ رہی تھیں۔

''بس صوبیہ بات تو احساس کی ہے نا، ہم جتنا بھی پڑھ لکھ جائیں جتنا بھی خود کو روشن خیال ثابت کریں مگر اندر سے بہت حقیر اور گھٹیا ہوتے ہیں جہاں بھی ہماری دسترس میں کوئی کمزور آ جاتا ہے ہم اسے دبانے اور ذلیل کرنے سے باز نہیں آتے بھلے وہ ہمارا اپنا خون ہی کیوں نہ ہو۔'' ان کا لہجہ بھرا گیا اور آنکھیں نم ہو گئیں آج کل وہ ایسے بات بات پر رونے لگ جاتے تھے۔

''رشتوں کا تقدس پامال کر دیا میں نے۔'' فراز کا دل پانی پانی ہونے لگا اور وہ ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے اپنے اضطرابی کیفیت پر قابو پانے میں نڈھال ہونے لگے مگر یہ خود احتسابی کا عمل تھا جتنا وہ اپنی ذات کا محاسبہ کرتے اتنا ہی بے چینی کی لہریں ان کے دل میں آگ لگا دیتیں ان کو احساس ندامت جینے نہیں دے رہا تھا زعیم نے اپنی ماں کو اشارہ کیا اور وہ دونوں آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے تھے۔

سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر گم صم ہو کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

''تایا ابو مجھے زعیم سے پہلے سائیکل چاہیے۔'' وہ فراز کے ساتھ لیٹی ہوئی تھی ان کے بازو پر سر رکھے وہ لاڈ کر رہی تھی فراز حبا کے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیر رہے تھے زیر لب مسکراتے ہوئے حبا کو دیکھ رہے تھے۔

''مگر زعیم بابا کہہ رہے ہیں کہ پہلے مجھے چاہیے۔'' فراز لب دانتوں تلے دبائے شرارت سے بولے حبا نے گھور کر ان کو دیکھا ہلکی سی خفگی اس کی آنکھوں میں در آئی حبا کچھ دیر تایا ابا کی طرف دیکھتی رہی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی فراز کو لگا کہ شاید وہ روٹھ گئی ہے۔

''روٹھ گئی ہو کیا گڑیا۔'' فراز نے حبا کا چہرہ اپنی طرف موڑا تو دنگ رہ گئے حبا کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، فراز کی جان پر بن آئی وہ عجلت میں اٹھ بیٹھے۔

''میرا بیٹا میری شہزادی روئی کیوں۔'' فراز نے حبا کی آنکھیں صاف کر کے اسے اپنے سینے میں بھینچ ڈالا اور اس چھ سال کی بچی کو گود میں اٹھا کر کمرے سے باہر آئے حبا کی ٹانگیں فراز صاحب کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں وہ کمرے سے حبا کے ناز نخرے اٹھاتے نکلے تو صوبیہ سامنے ٹیرس پہ رکھی کرسی پر بیٹھیں سوچوں میں مدغم تھیں انہوں نے ٹھٹک کر فراز کو دیکھا جو ارد گرد سے یکسر بے نیاز بھتیجی کی چاپلوسی کر رہے تھے صوبیہ نے تنفر کی ایک تیز لہر اپنے اندر اٹھتی ہوئی سی محسوس کی اور قدرے ناگواری سے ان دونوں کو دیکھا فراز نے پلٹ کر دیکھا صوبیہ قہر آلود نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں مگر فراز نے چنداں پروا نہیں کی اور قدم اگلی سیڑھی پر رکھ دیا، فراز نے حبا کو اپنے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور گاڑھی اسٹارٹ کرنے لگے۔

''ابو جی میں بھی جاؤں گا۔'' زعیم پرجوش انداز میں بولا تو فراز صاحب نے فرنٹ ڈور کھول کر اسے بھی حبا کے ساتھ بٹھا لیا حبا نے منہ بسورا فراز مسکرائے۔

''تایا جی اپنا وعدہ یاد ہے نا۔'' حبا فراز کے ساتھ چپکی ان کو یاد دھانی کروا رہی تھی کہ زعیم سے پہلے سائیکل اسے چاہیے۔

''یس مائی ڈول یاد ہے۔'' تایا جی نے اس کا گال سہلایا صائمہ واپس چلی گئیں فراز صاحب نے گاڑھی تارکول کی سڑک پر ڈالتے ہوئے اچانک ہی دیکھا تھا صوبیہ ٹیرس کی ریلنگ کے کہنیاں ٹکائے خونخوار نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں اتنی دور سے بھی اک محسوس کی جانے والی تپش فراز کو اپنی شریک حیات کی نظروں سے شعلوں کی مانند ہویدا ہوتی نظر آ رہی تھی وہ چپ سے ہو گئے دلگرفتہ اور نڈھال سے۔

''کیا ہوا آپ کو تایا ابو؟'' حبا نے ان کا کندھا ہلایا تو وہ چونکے اور ہونٹ بھینچ کر مسکرا دیئے وہ اس وقت حبا کے ساتھ حبا کی خوشی کے لئے آئے تھے اور وہ کچھ بھی ایسا ویسا سوچ کر نہ ہی خود اپنا موڈ غارت کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی اپنے بچوں کی خوشی ملیامیٹ کرنا چاہتے تھے۔

''آپ حبا کو سائیکل دلا رہے ہیں کیا؟'' زعیم نے سوالیہ انداز میں اپنے ابو کو دیکھا تو فراز نے اثبات میں سر ہلا کر دوبارہ نظریں سڑک پر ٹکا دیں۔

''اب تم کہو گے مجھے بھی چاہیے۔'' حبا نے منہ کے زاویے بگاڑ کر زعیم کو جتلایا تو زعیم نے اسے ایک چپت رسید کی اور بولا۔

''میری عمر نو سال ہے میں تین سال کے بعد لونگا مگر سائیکل نہیں بائیک۔'' زعیم نے اس پر اپنے چند سال بڑے ہونے کا رعب جمایا تھا فراز ان کی نوک جھونک سے محفوظ ہو کر مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆

حبا کے کمرے کی کھڑکی کھولے بے خیالی سے ہی باہر دیکھے جا رہی تھی تا حد نظر ویرانی ہی ویرانی تھی کوئی منظر بھی نظروں کی گرفت میں نہیں آ رہا تھا کوئی چیز بھی دل لبھانا تو کجا وقتی طور پر ہی سہی مگر حبا کی توجہ اپنی جانب مبذول کروانے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھی کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا اس کا دل ہر چیز سے اور اپنے سارے رشتوں سے اتنا اکتاہٹ اور بیزاری محسوس کر رہا تھا کہ اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ ہر چیز تہس نہس کر ڈالے ریزہ ریزہ کر دے حتیٰ کہ خود کو بھی مار ڈالے۔

آنسو قطار در قطار اس کی آنکھوں سے موتیوں کی صورت بہہ رہے تھے بے بسی و لاچاری کے دبیز احساس تلے دبی وہ شیشے کی وال پر دونوں ہاتھ ٹکائے سامنے دیکھے گئی بے تاثر اور سپاٹ آنکھوں میں اس سمے سوائے آنسوؤں کے کوئی جذبہ موجزن نہیں تھا۔

اسی صحن میں ان کے بچپن میں حبا اور زعیم بیڈ منٹن کھیلا کرتے تھے حبا ہار کر بھی ڈھٹائی پر اتر آتی اور زعیم کو ہی برا بھلا کہتی اسے اپنی مات اچھی نہیں لگتی تھی اور ایسے ہر موقع پر فراز صاحب حبا کی حمایت بھی ہی بولا کرتے تھے۔

فراز کو احساس تھا کہ حبا ضرورت سے زیادہ حساس ہے اور اسے اپنے باپ کی شفقت و محبت نصیب نہیں ہو سکی تھی اور فراز بحر طور مداوا کرنے کی اپنی سی کوشش کرتے رہتے تھے۔

زعیم اور وہ دونوں بہت اچھے دوست تھے پھر گزرتے وقت نے اس دوستی کو محبت میں بدل دیا مگر فراز آہستہ آہستہ صوبیہ کے آگے کمزور پڑتے گئے وہ جو گھر آتے ہی حبا کو آواز دیتے تھے۔

''حبا یہ چاکلیٹ کا پیکٹ آپ کا۔'' وہ بھاگ کر ان کے گلے لگتی حبا کو ہر چیز سے زیادہ

تایا جی سے محبت تھی وہ اپنے ہر مسئلے کے لئے صرف ان کی طرف ہی دیکھا کرتی تھی مگر یہ سب اب بہت سالوں سے ماضی کا حصہ بن چکا تھا۔

حبا کے دل میں درد کی ایک تیز لہر اٹھی تھی گلاس وال پر اسے اپنے ہاتھ بے جان ہوتے محسوس ہو رہے تھے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو وہاں سے ہٹا کر ایک دوسرے سے مس کیا ٹھنڈی ہوا کے یخ بستہ جھونکے نے حبا کے چہرے کو چھوا تو اس کے چہرے کے عضلات میں جنبش ہوئی اور اسے یک دم ہی ٹھنڈک کا احساس تن بدن میں سرایت ہوتا محسوس ہوا تھا مگر وہ بہت دیر سے اسی پوزیشن میں کھڑی تھی سردی گرمی کے احساس سے مبرا۔

''تایا جی آپ نے کب مجھے سینے سے لگانا چھوڑا مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔'' اک دبی دبی سسکی اس کے ہونٹوں کی قید سے آزاد ہو کر کمرے کی فضا میں تحلیل ہو گئی، اس کا دل گداز ہو کر بھر آیا حبا نے گلاس وال سے ٹیک لگائی اور گھسٹتے ہوئے فرش پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

حبا نے اک ہچکی لے کر سسکاری بھری بہت سے آنسو ایک ساتھ اس کے گود میں رکھے ہاتھوں پر گرے اسے اپنے ہاتھوں پر پھیلتی نمی کا احساس ہوا تو حبا نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر تڑپ کر اپنے ہاتھ سیدھے کر کے ان کو دیکھنے لگی اس کی نظریں ہاتھوں کی لکیروں میں الجھنے لگیں۔

''تایا ابو آپ نے مجھے محبت کیوں دی، کیوں عادی بنایا اپنے وجود کا۔'' اب وہ بلند بولتے ہوئے زور زور سے رو رہی تھی صائمہ جو بہت دیر سے کمرے کی دہلیز میں آ کر کھڑی تھیں وہ اپنی بیٹی کو گھٹ گھٹ کر روتے دیکھ رہی تھی مگر وہ حبا کی ڈھارس کیسے بندھاتیں کیا حوصلہ دیتی اپنی ٹوٹی بکھری بیٹی کو، کس آس پر کس امید پر جھوٹے دلاسے دیتیں۔

سارے راستے بند ہو چکے تھے ان تلخ اور جان لیوا یادوں سے کوئی راہ فرار نہیں تھی اندھیروں اور مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ٹھوکریں کھانا شاید ان کے نصیب کی دین تھا کوئی امید کا دیا دکھائی نہیں دیتا تھا کوئی روشن راہ قدموں تلے نہیں تھی۔

صائمہ چوکھٹ پر ہاتھ رکھے اپنی بیٹی کی کسمپرسی کی حالت دیکھ کر دل مسوس کر کے رہ گئیں اور پھر حبا کے پاس آ کر رک گئیں حبا کا گھٹنوں پر رکھا سر ہولے ہولے لرز رہا تھا صائمہ کے دل کو کچھ ہوا وہ آگے بڑھیں اور اپنا لرزتا ہوا ہاتھ حبا کے سر پر رکھ دیا حبا نے سر اٹھایا اور آنسوؤں بھری آنکھوں سے اپنی ماں کو دیکھا جو مکمل بے بسی کی تصویر تھیں مجبور و بے کس عورت۔

''امی ہم یہاں سے چلے جائیں گے یہ گھر بھی تایا ابو کو دے دیں، ہمیں کچھ نہیں چاہیے، مجھے یہاں نہیں رہنا جہاں رشتوں کی پامالی کی جاتی ہے جہاں رشتوں سے بڑھ کر مادی اشیاء کو اہمیت دی جاتی ہے۔'' حبا بلک بلک کر رونے لگی اس کا سارا وجود جھٹکوں کی زد میں تھا اس کے اندر طوفان برپا تھا۔

''حبا تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔'' صائمہ نے حبا کی کلائی پر ہاتھ رکھا تو گویا انگاروں کو چھو لیا تھا۔

''امی جو آگ میرے اندر لگی ہوئی ہے اس کے آگے اس بخار کی بھلا کیا اہمیت ہے۔'' وہ اس سمے زود رنج ہو رہی تھی جانے انجانے میں خود کو اذیت دے رہی تھی۔

صائمہ نے زبردستی اسے اٹھا کر بیڈ پر لٹا دیا پھر کمبل اوڑھا دیا اور خود کچن میں دودھ گرم کرنے چلی گئیں انہیں یاد آیا کہ دودھ تو گھر میں ہے ہی نہیں، وہ کچھ دیر یونہی بے خیالی میں کھڑی پھر اپنی انا کو بالائے طاق رکھ کر سیڑھیاں چڑھنے لگیں (مائیں ہمیشہ اپنی اولاد کی خاطر اپنی عزت نفس کو کچل دیا کرتی ہیں) صائمہ مختلف سوچوں میں گھری بے خیالی میں زینے عبور کر رہی تھیں کہ ان کا سر بری طرح چکرا رہا تھا وہ دودھ لینے اوپر جا رہی تھیں تا کہ حبا کو ٹیبلٹ دودھ کے ساتھ دے سکیں ذہن مختلف سوچوں کی آماہ جگاہ بنا ہوا تھا ان کا پاؤں لڑکھڑایا اس سے پہلے کہ ان کا کمزور و ناتواں وجود سیڑھیوں پر گر کر پھسلتا کسی کے مضبوط بازوؤں نے ان کو تھام لیا تھا، یہ زعیم تھا جو کہیں جانے کے لئے اچانک ہی اوپر سے آیا تھا۔

زعیم صائمہ چاچی کو سہارا دے کر نیچے لایا تھا اس نے ان کو بیڈ پر لٹایا حبا دوسرے کمرے میں تھی زعیم حبا کو ڈھونڈتے ہوئے دوسرے کمرے میں آیا تا کہ اسے بتا سکے مگر وہ خود بے سدھ لیٹی بخار میں پھنک رہی تھی، زعیم کے دل کو کچھ ہوا اس سمے اس نے خود کو بہت لاچار محسوس کیا۔

زعیم بے بسی سے حبا کو دیکھتے ہوئے صائمہ کے کمرے میں بھاگا اور اس نے بہت عجلت میں اپنے فیملی ڈاکٹر کا نمبر ملایا اس کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ہوا کیا ہے اور اب وہ کیا کرے، ڈاکٹر کو جلدی آنے کا کہہ کر وہ صائمہ کے ہاتھ سہلانے لگا ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ہی صائمہ نے آنکھیں کھول دیں۔

''چاچی جی آپ ٹھیک تو ہیں نا۔'' زعیم نے بدستور ان کے ہاتھ سہلاتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا مگر صائمہ نے کوئی جواب نہیں دیا بے تاثر نظروں سے زعیم کو دیکھے گئیں۔

''آپ کو کیا ہوا تھا؟'' زعیم نے اب کی بار ان کے گال کو سہلا کر جیسے ان کو بیدار کرنے کی کوشش کی تھی انہوں نے ایسی نظروں سے زعیم کو دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں زعیم کے دل پر گھونسا سا لگا اور کسی خوفناک خیال کے تحت وہ یک دم سہم سا گیا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکلا تا کہ امی اور ابو کو ساری صورت حال بتا سکے۔

جب تک ڈاکٹر کمال آئے تب تک فراز بھی پہنچ چکے تھے البتہ صوبیہ نیچے نہیں آئی تھیں، ڈاکٹر نے کچھ طاقت کی دوائیاں لکھ کر دی تھیں زعیم فوراً دوائیاں لینے چلا گیا تھا۔

''کمال کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے نا۔'' فراز آنکھوں میں تشویش لئے پوچھ رہے تھے۔

''نہیں خطرے کی کوئی بات نہیں بس کچھ ڈپریشن اور کمزوری و نقاہت کی بنا پر بی پی بہت لو ہو گیا ان کو خوش رکھنے کی کوشش کریں۔'' ڈاکٹر کمال ہدایات دے رہے تھے اور فراز پوری توجہ سے ان کی بات سن رہے تھے۔

''جی ہم پوری کوشش کریں گے۔'' فراز نے کہا۔

''اوکے فراز صاحب میں چلتا ہوں۔'' ڈاکٹر کمال بولے۔

''آپ دوا وقت پر دیجئے گا یہ اعصابی طور پر بہت کمزور ہیں۔'' ڈاکٹر کمال نے فراز کے ساتھ مصافحہ کیا اپنا بیگ اٹھایا اور کمرے سے نکل گئے۔

فراز نے صائمہ کو دیکھا جو دور کہیں نظریں ٹکائے بے حس و حرکت لیٹی تھیں زرد رنگت اندر کو دھنسی پیلاہٹ زدہ آنکھیں، فراز کا دل احساس ندامت میں ڈوبنے لگا۔

☆☆☆

حبا کا سر گود میں رکھے وہ بہت محویت سے

اسے دیکھ رہے تھے حبا کی شہد رنگ آنکھیں بند تھیں اس کی ستواں ناک اور کٹاؤ دار ہونٹ جو اس وقت نقاہت اور بخار کی وجہ سے خشک ہو رہے تھے یوں لگتا تھا جیسے وہ بہت دیر روتی رہی ہے اس کی آنکھوں کے گوشے نم تھے حبا کے نرم گالوں پر اب بھی آنسوؤں کے نشان ثبت تھے اس کے چہرے پر کرب و اذیت واضح نظر آ رہی تھی۔

"میری جان میری گڑیا۔" تایا جی نے حبا کے بکھرے بال ہاتھوں سے سمیٹ کر اس کی جلتی پیشانی پر ہونٹ رکھے وہ ذرا سا کسمسائی پھر بے سدھ سو گئی، زعیم میڈیسن لے آیا تھا اور زبردستی حبا کو کھلائی تھی اب وہ دوا کے زیر اثر سو رہی تھی۔

"میری بیٹی حبا بس ایک بار اپنے تایا کو معاف کر دو، صرف ایک موقع دو تلافی کا۔" وہ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہہ رہے تھے ان کی آنکھیں بار بار نم ہو کر حبا کا چہرہ دھندلا دیتی تھیں۔

"میں بہت برا ہوں حبا میں تمہارا خیال نہیں رکھ سکا۔" ان کی آنکھوں سے آنسو گرے تھے۔

"یا اللہ مجھے معاف کر دے میری حبا کو ٹھیک کر دے میری بیٹی میرے گھر کی رحمت ہے بچے تو ماں باپ کا سرمایہ ہوتے ہیں میں اس رحمت کی قدر نہ کر سکا۔" فراز صاحب نے ہاتھوں کی پشت سے اپنی آنکھیں مسلیں اور آزردگی سے حبا کا ہاتھ پکڑا کچھ دیر وہ دھندلائی ہوئی نظروں سے حبا کا سفید ہاتھ دیکھتے رہے اور پھر جذبات سے مغلوب ہو کر حبا کا ہاتھ چوم ڈالا اور پھر ان کو خود پر اختیار نہیں رہا وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے بہت سے غم بہت سے دردناک پچھتاوے آنسوؤں کی صورت بہنے لگے وہ گھٹ گھٹ کر روتے ہوئے تھک گئے ان کے اندر بہت سی گھٹن بہت سی حبس دھواں کی صورت ان کے اندر جیسے رچ بس گئی تھی۔

"حبا مجھے معاف کر دو گڑیا میں بہت شرمسار ہوں میں تمہارا دامن محبت اور مان سے بھرنا چاہتا ہوں اس گھر کی بیٹی ہو تم، مجھے معاف کر دو۔" فراز حبا کے ہاتھ پہ لب رکھے روئے جا رہے تھے۔

حبا کا سارا بدن پسینے میں بھیگ گیا تھا اس کا بخار اتر گیا تھا حبا کی نیند کسی خیال کے تحت ٹوٹی تھی اسے یوں لگا تھا کہ جیسے کوئی اس کے پاس بیٹھا ہے۔

اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں تھیں اسے لگا تایا جی اس کا سر اپنی گود میں رکھے ہوئے ہیں کیا یہ خواب ہے کوئی الوژن، جب سے تایا جی نے اپنا ہاتھ حبا کے سر سے اٹھایا تھا تب سے ایسے منظر وہ صرف خوابوں خیالوں میں ہی دیکھا کرتی تھی۔

اسے تایا جی کی آواز سنائی دے رہی تھی مگر واضح نہیں یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے پاس سرگوشیاں کر کے دھیرے دھیرے حبا کی سماعتوں میں انڈیل رہا ہے کچھ ایسا تھا جو اسے اپنا اپنا اور دلکش سا لگ رہا تھا جیسے کوئی مانوس چہرہ کوئی جانا پہچانا سا لمس، جذبات میں گرماہٹ پیدا کر رہا تھا کچھ جانا انجانا سا احساس دل میں ہلکورے لینے لگا۔

پھر کسی کے شدت سے رونے کی آواز اسے سنائی دی تھی جیسے کوئی بہت عاجزی و انکساری کے ساتھ گریہ زاری کر رہا ہو ملول اور آزردہ ہو حبا کو یہ آواز کانوں کے راستے دل میں ہلچل مچاتی محسوس ہوئی اس نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں وہ تایا جی کی نرم گود میں سر رکھے لیٹی تھی اسے یہ اپنی نظر کا دھوکا لگا۔

یہ خواب تو وہ روز دیکھتی تھی مگر تعبیر نہ ملنے پر گھنٹوں افسردہ رہتی تھی اب بھی اسے لگا کہ یہ اس کی بصارت کا دھوکا ہے اب وہ پھر آنکھیں موند کر دم سادھ گئی جیسے وہ ذرا سا بھی کسمسائی تو یہ خواب ٹوٹ کے بکھر جائے گا تایا جی آنکھیں بند کیے حبا کا ہاتھ تھامے اک جذب سے ہونٹ اس کے ہاتھ پہ رکھے اشک بہائے جا رہے تھے حبا کو اپنا چہرہ نم سا لگا تایا کے آنسو حبا کا چہرہ بھگو رہے تھے حبا کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"حبا میری جان میرا بچہ مجھے معاف کر دو تم بہت پیاری ہو بس میں ہی غلط تھا مجبور ہو گیا تھا۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور حبا کب ایسا چاہتی تھی کہ اس کے جان سے پیارے تایا احساس جرم میں مبتلا ہو کر بیمار ہو جائیں وہ ندامت کے آنسو بہا رہے تھے اور حبا ان آنسوؤں میں چھپی اذیت اور تکلیف کو دل سے محسوس کر رہی تھی اور وہ تایا جی کے ہر آنسو کو اپنے دل پر گرتا محسوس کر رہی تھی اور پھر جب ضبط کا یارا نہ رہا تو وہ دھیرے سے کروٹ بدل کر ان کے کشادہ سینے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

"بیٹا میں بہت شرمندہ ہوں مم...... مجھے......" ان کا شدت جذبات سے گلا رندھ گیا فراز کے چہرے پر ٹھہرا حزن و ملال ان کے اندرونی کرب کا غماز تھا ان کے ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔

"پلیز تایا جی ایسے مت کہیں، ایسے مت کہیں۔"

"خدا جانتا ہے بیٹا میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی بیٹی سمجھا دل سے تمہیں چاہا۔" وہ لرزیدہ آواز میں بولے۔

"مجھے پتہ ہے تایا جی میں باخبر ہوں آپ کی محبت سے مگر......" حبا نے ہکلا کر جملہ ادھورا چھوڑا۔

"مگر آپ نے ایک دم بھی مجھے اکیلا چھوڑ دیا اپنی حبا کو تنہا کر دیا۔"

"میں صوبیہ کے سامنے کمزور ہو گیا کمزور پڑ گیا اور اپنی آنکھیں بند کر کے اس عورت کی آنکھوں سے دیکھنے لگا جس پر بے حسی اور خود غرضی و بے رخی کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔" وہ شرمندہ تھے۔

"تایا جی جو چیز انسان نے دیکھی نہیں ہوتی اس کا غم بھی نہیں ہوتا مگر ایک چیز کسی کو تھما کر چھین لی جائے اس کا ملال دل میں کسی نوکیلے پتھر کی طرح گڑ کر رہ جاتا ہے ابو نے مجھے قابل محبت نہیں سمجھا یہ ایک دکھ تھا اور میں نے ان سے تو کبھی امیدیں وابستہ بھی نہیں کی تھیں مگر آپ نے مجھے بے تحاشا محبت دے کر ایک مان دے کر میرا دامن خوشیوں سے بھر کر پھر خود اپنے ہاتھوں سے میرا دامن خالی کر ڈالا مجھے تہی داماں کر دیا وہ کیسا بے سروسامانی کا عالم تھا تایا جی جس نے میرے اندر قطرہ قطرہ زہر بھر ڈالا، میں ہر کامیابی پر آس بھری نگاہوں سے دیکھتی تھی اور آپ کی طرف قدم بڑھاتی تھی مگر آپ ہر بار میری آس کو یاسیت میں بدل دیتے تھے۔" جب وہ بولتے بولتے تھک گئی تو لمبی لمبی سانسیں لینے لگی فراز جانتے تھے وہ سچ کہہ رہی تھی وہ گم صم اس کے گلے شکوے سن رہے تھے۔

"تایا جی ساری دنیا نے مجھ سے نفرت کی ابو کے جرم کی مجھے سزا دی، مائیں اپنے بچوں کو مجھ سے کھیلنے نہیں دیتیں تھیں عورتیں مجھے اپنے گھر سے نکال دیتی تھیں مگر میں آپ کے وجود میں پناہ لے کر سب ذلتیں بھول جاتی تھی آپ کی شفقت آپ کی محبت میرا سرمایہ تھی آپ سے ہی میری

امیدیں تھیں۔"
"میں اپنی ہر غلطی کا ازالہ کرونگا بیٹا میں بھٹک گیا تھا بھول گیا تھا نادانستگی میں بہت بڑا نقصان کر بیٹھا میرا بھائی مجھ سے دور چلا گیا میری بیٹی مجھ سے ناراض ہے میرے ضمیر پر بہت بوجھ ہے پتہ ہے حبا خدا جب کسی شخص پر سرپرست کچھ کر ذمہ داریاں ڈالتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ خدا نے اس شخص کو اس قابل سمجھا ہے کہ وہ اپنے اس منسوب لوگوں کی کفالت کر سکے اپنے رشتوں کو توازن کے ساتھ ایک ساتھ رکھے ہر کسی کو اس کا پورا حق دے بھلے وہ مالی کفالت ہو یا محبت، مگر ہم کمزور نفس کے انسان خود کو بدتر سمجھنے لگتے ہیں اور اپنے ہی رشتوں کو ذبانے لگتے ہیں۔" وہ دور کہیں کھوئے کھوئے سے دیکھتے ہوئے بولے تھے۔
"بس کریں تایا جی جو ہوا سو ہوا پلیز آپ ریلیکس ہو جائیں۔"
"بیٹا جو لوگ گھروں کے سربراہ انصاف نہیں کرتے وہ میری طرح احساس جرم میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کی آنکھیں تب ہی کھلتی ہیں جب وہ اپنا ناقابل تلافی نقصان کر لیتے ہیں مگر اس وقت وہ کچھ بھی کر سکنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے بس بہت سارے کاش دل پر بوجھ بن کر دھرے رہ جاتے ہیں گیا وقت دوبارہ لوٹ کر نہیں آتا مگر حبا یہ تو ممکن ہے نا کہ جو وقت ہمارے پاس ہے اس کی ترتیب اس طریقے سے سبھاؤ سے کر لیں کہ دوبارہ کوئی ملال کاش کی صورت ہماری زندگی میں بھی نہ آئے۔" وہ بولے تو حبا نے بھی روتی آنکھوں سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

☆☆☆

زندگی نے اپنی خوبصورتی کی پیاری پرتیں اس گھر کے مکینوں پر کھول دی تھیں زندگی خوبصورت ہے پھر اس کو ہم اپنے بدصورت رویوں سے ہیبت ناک اور قابل نفرت بنانا چھوڑ کیوں نہیں دیتے زیست کی ساری رعنائیاں تو ہمارے اپنے بس میں ہوتی ہیں سانسوں کو مہکاتی ہوئی رعنائی یہ سارا گھرانہ یوں ہو گیا کہ جیسے درمیان میں کچھ ہوا ہی نہیں سب شاداں و فرحاں تھے۔
وہ انتہائی روشن صبح تھی بہت دن دھند رہنے کے بعد اجلا دن نکلا تھا چمکیلی دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی حبا صائمہ کے پاس بیٹھی دھلے ہوئے کپڑے تہہ کر رہی تھی۔
"امی اب آپ کی طبیعت بہتر لگ رہی ہے۔"
"ہاں بیٹا بھائی صاحب اور زعیم نے میرا اتنا خیال رکھا محبت انسان کو توانا رکھتی ہے۔"
صائمہ مسکرا کر بولیں تو حبا نے خوش دلی سے ان کی بات کی تائید میں سر ہلایا۔
"خدا آپ کو صحت دے میرا آپ کے سوا کون ہے۔"
"بیٹا غلط بات نہیں کہتے کفران نعمت ہوتا ہے خدا ناشکروں کو پسند نہیں کرتا فراز بھائی نے جس طرح مجھ سے اور تم سے معافی مانگی یہ بڑے پن کی علامت ہے دل سے معاف کر دو ان کو۔"
صائمہ تاسف سے سر ہلاتے اسے سمجھانے لگیں۔
"ارے امی آپ اپنی بیٹی کو اتنا برا سمجھتی ہیں کیا، میں نے ویسے ہی اک بات کی تھی، میں بہت خوش ہوں۔" وہ خوشی کے بے پایاں احساس سے مسکرائی تو صائمہ کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی ورنہ وہ تو نجانے کیا سمجھیں تھیں۔
"مگر میں خوش نہیں ہوں۔" یہ زعیم تھا جو تیزی کے ساتھ سیڑھیاں اترتا ہوا آیا تھا دونوں ماں بیٹی نے اسے دیکھا اس کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا۔
"ارے بیٹا تم کیوں خوش نہیں ہو۔"
صائمہ بولیں تو زعیم نے ایک گہری کچھ جتاتی ہوئی سی نظر حبا پر ڈالی اور شاپر صائمہ کے پاس رکھ دیا۔
"یہ سیب ہیں تازہ، آپ نے روزانہ ایک سیب اور ایک دودھ کا گلاس باقاعدگی سے لیں اور یہ ابو جی کی خصوصی تاکید ہے۔" زعیم شروع سے ہی ان کا خیر خواہ رہا تھا اس کی محبت پر کسی طور شک ممکن نہیں تھا آج بھی اس کی بات پر صائمہ زیر لب مسکرائیں اور ممتا کے جذبے سے مغلوب ہو کر اس کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگیں حبا نظریں جھکائے کپڑے تہہ کرتی رہی۔
"تمہیں یہ نہیں پتہ کہ جب کوئی گھر آئے تو اسے چائے پانی کا پوچھتے ہیں۔" زعیم نے چاچی کو ہدایات دینے کے بعد اپنا روئے سخن حبا کی طرف کیا اور اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا حبا نے نظریں اٹھائیں اور پھر جھکا لیں۔
"میں چائے لے کر آتی ہوں۔" حبا نے کوئی بحث و تکرار کیے بغیر کپڑے اٹھائے اور چلی گئی، زعیم تادیر نا سمجھی سے اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا پھر اٹھ کر اس کے پیچھے ہو لیا۔
"میں ناراض ہوں تم سے۔" حبا نے پلٹ کر دیکھا وہ کب دبے قدموں اس کے ساتھ آ کر کھڑا ہوا اسے احساس تک نہیں ہوا حبا کچھ دیر اسے گھورتی رہی پھر الماری میں کپڑے رکھنے لگی۔
"میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔" اس کے اس جملے میں ہلکی سی برہمی در آئی تھی وہ حبا کی چپ سے جھنجلاہٹ کا شکار ہو گیا تھا اور زعیم کے لہجے کی تلخی نے حبا کا ہاتھ وہیں ساکت ہو گیا حبا نے عجلت میں الماری کا پٹ بند کیا اور تحیر و تشویش کی ملی جلی کیفیت میں زعیم کو دیکھا۔
"وجہ۔" وہ اندر سے خائف ضرور تھی مگر بظاہر اس نے کڑی نظروں سے زعیم کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"تم نے رشتے سے انکار کیوں کیا۔" وہ خوامخواہ کا غصہ خود پر طاری کرتے ہوئے بولا۔
"میری مرضی۔" وہ بھی سمجھ گئی تھی کہ وہ صرف اسے تنگ کر رہا ہے اس لئے اس کا رکا سانس بحال ہوا اور وہ اعتماد سے کندھے اچکا کر بولی۔
"او کے تمہیں مجھ سے شادی نہیں کرنی نا۔" اب زعیم سوالیہ نظروں سے حبا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔
"شادی تو کرنی ہے مگر تم سے نہیں۔"
"پھر۔"
"اپنے جان سے پیارے تایا جی کے خوبرو بیٹے سے۔" زعیم نے اس کی بات سنی بھی اور پھر محظوظ ہو کر ہنسنے لگا۔
"چائے بناتی ہوں۔" حبا اس کی سائیڈ سے ہو کر گزرنے لگی تو زعیم نے پکارا۔
"میں نے تمہیں ایک گفٹ دیا تھا تم نے بتایا ہی نہیں بریسلٹ کیسا تھا۔"
"بہت خوبصورت ہے بریسلٹ بالکل آپ کے دل کی طرح۔" وہ کہہ کر رکی نہیں اور زعیم کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکان رقص کرنے لگی سب ٹھیک ہو جانے پر وہ اپنے خدائے بزرگ و برتر کا شکر گزار تھا حبا اب خوش رہنے لگی تھی اور صائمہ اپنی بیٹی کو مطمئن دیکھ کر خوش تھیں اور زعیم ان دونوں کو دیکھ کر۔

☆☆☆

فراز صاحب صوبیہ سے دل سے ناراض تھے صوبیہ سے بہت کم بات کرتے تھے صوبیہ

اپنے محبوب شوہر کی بے رخی ان کی بے اعتنائی سے ذہنی طور پر بہت پریشان رہنے لگی تھیں وہ فراز سے بہت محبت کرتی تھیں رات جب وہ سونے کے لئے بیڈ روم میں آئیں تو فراز کسی کتاب کے مطالعے میں گم تھے انہوں نے ذرا کی ذرا صوبیہ کو دیکھا صوبیہ لرز کر رہ گئی وہ کہاں عادی تھی فراز صاحب کی ایسی سرد مہر نگاہوں کی۔

''کافی بناؤں آپ کے لئے۔'' صوبیہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا بہت دنوں سے ایک ان دیکھی سی اجنبیت کی دیوار ان دونوں کے بیچ حائل ہو گئی تھی۔

''نہیں۔'' فراز صاحب نے سپاٹ انداز میں یک لفظی انکار کر کے دوبارہ کتاب پر نظریں ٹکا دیں، اس قدر رکھائی اور غیریت کا مظاہرہ صوبیہ تڑپ کر رہ گئیں، وہ شخص جو اس پر جان لٹاتا تھا اب ایک نظر دیکھنے کا روادار نہیں تھا وہ شخص جو ہر پل ہر لمحے اس پر فریفتہ رہتا تھا وہ اس سے اس سے بیزار نظر آ رہا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں فراز۔'' صوبیہ بیڈ پر ٹکتے ہوئے سسکی فراز صاحب نے کتاب بند کی اور گہری نظروں سے صوبیہ کو دیکھا وہ آبدیدہ تھیں ان کے لرزتے ہونٹ ان کی اندرونی کیفیات کی عکاسی کر رہے تھے ان کی پانیوں سے لبریز آنکھیں ان کے پشیمان ہونے کی گواہ تھیں۔

''کس بات کی معافی؟'' فراز صاحب نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں سارا قصور میرا ہے میں بہت کم ظرف نکلی آپ پر جو ذمہ داری خدا نے عائد کی تھی میں اس سے انحراف کرنے والی کون ہوتی تھی بہت بری ہوں میں۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگیں صوبیہ کا روتے ہوئے جھٹکے کھاتا بدن اس بات کو ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اپنی ذات کا محاسبہ کر چکی ہیں۔

''صوبیہ تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو؟'' صوبیہ نے یک لخت سر اوپر اٹھایا تھا فراز صاحب نے موجودہ صورت حال سے غیر متوقع سوال کر ڈالا تھا صوبیہ اچنبھے سے انہیں دیکھے گئیں۔

''فراز صاحب آپ جانتے ہیں میں آپ سے شدید محبت کرتی ہوں۔'' بات کے اختتام پر ان کا گلا رندھنے لگا۔

''میں بھی تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' فراز صاحب نے صوبیہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''جی میں جانتی ہوں آپ بہت اچھے ہیں آپ نے ہمیشہ میری ہر بات مانی مجھے آپ پر فخر ہے۔''

''مگر مجھے نہ ہی خود پر فخر ہے اور نہ ہی تم پر۔'' فراز نے شاکی نظروں سے اپنی شریک حیات کو دیکھا۔

''قابل فخر بیوی وہ ہوتی ہے جو مرد کو اس کے تمام رشتوں سے جوڑ کر رکھے کیونکہ رشتے، کھاد، پانی اور ہوا کی طرح سے ہوتے ہیں جیسے ایک درخت ایک پودا پتوں اور پھل کے بنا ادھورا اور ناکارہ ہوتا ہے ایسے ہی ایک مرد اپنے تمام رشتوں کو جب پوری ایمانداری کے ساتھ توازن کے ساتھ لے کر چلتا ہے اپنی ذمہ داروں کو نبھاتا ہے تو اس کی مثال اس سرسبز شاداب پودے جیسی ہے۔'' ان کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی صوبیہ پوری محویت سے ان کی بات سن رہی تھیں۔

''تم میرا ساتھ دینے والی بیوی نہیں بن سکیں تم بھی جان ہی نہیں سکیں کہ میری خوشی کیا ہے پھر محبت کا دعوی کیوں صوبیہ۔'' ان کے لہجے میں بہت سارے درد بول رہے تھے نڈھال سے انداز میں وہ اپنے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑنے لگے صوبیہ ہونٹوں پر چپ سجائے شرمساری سی نظریں جھکائے بیٹھی تھیں آنسو ٹپا ٹپ ان کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔

''میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں فراز، میں آپ کے بنا کچھ بھی نہیں، میں جو بھی ہوں آپ کی وجہ سے ہوں میرا اپنا کوئی کمال نہیں اور صائمہ بھابھی کا ان کے حالات میں کوئی قصور نہیں تھا وہ بہت صابر ہیں بہت عظیم ہیں میں بہت چھوٹے دل اور چھوٹے ظرف کی مالک نکلی مجھے معاف کر دیں۔'' صوبیہ پھر سے زارو قطار رونے لگیں۔

''صوبیہ محبت ایک نقطے یا ایک دائرے میں سمانے کی چیز نہیں ہے اس کا پھیلاؤ تو کائنات کے ہر رنگ میں پھیلا ہوا ہے پھر ہم اپنا دامن اور اپنا دل اتنا تنگ کر لیتے ہیں کیوں بے حسی اور خود غرضی کو اپنی ذات پر مسلط کر لیتے ہیں کیوں نہیں سمجھتے کہ ہم کسی کے رازق نہیں ہیں رزق دینے والی ذات تو خدا کی ہے انسان تو انسان کے لئے صرف وسیلا ہے ہم تو ادنی سے لوگ ہیں بڑائی اور برتری تو صرف اسی ذات پاک کو اچھی لگتی ہے جو شان والا ہے۔'' اب وہ دونوں ہی رو رہے تھے۔

''فراز میں صائمہ اور حبا سے بھی معافی مانگ لوں گی آپ مجھے معاف کر دیں میں بھول گئی تھی بھٹک گئی تھی میں نے ان کا دل دکھایا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا ہم دوسروں کا دل دکھاتے ہوئے دوسروں کے دل پر طنز کے نشتر چلا کے ان کو زخمی کرتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ ہم خدا نہیں ہیں ہم انسان ہیں کمزور انسان جو ایک سانس بھی اپنی مرضی سے لینے پر قادر نہیں خدا تو وہ ہے جو سراپا رحمت ہے ہم گناہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا، ہماری خطائیں بخشنے والا، میرا اللہ مجھے معاف کرے۔'' وہ ہاتھ جوڑے روئے جا رہی تھیں۔

☆☆☆

اے میرے ہم سفر میں تیری نظر میرے جذبہ دل کی شدتیں
میری حسرتیں میری خواہشیں میری دھڑکنیں میری چاہتیں
جو ترے قدم میرے گھر چلیں میرے ساتھ شمس و قمر چلیں
تیری قربتوں میں سمیٹ لوں راہ زندگی کی مسافتیں

حبا ڈسٹنگ کر رہی تھی جب اس کے سیل فون پر میسج ٹیون کی ہلکی سی بیپ ہوئی تھی زعیم کا میسج تھا وہ کسی کام سے اسلام آباد گیا ہوا تھا آج اس کی واپسی تھی صبح سے وہ بار بار میسج بھیج رہا تھا اور حبا ایلائی کرتے کرتے عاجز آ رہی تھی اب وہ شعر پڑھ کر زیر لب مسکرائی اور سیل سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر پھر سے ڈسٹنگ میں مصروف ہو گئی وہ گنگناتے ہوئے چیزوں پر سے گرد صاف کرتی رہی تھی جب دلوں پر جمی گرد کی تہیں صاف ہو جائیں تو ہر چیز صاف شفاف نظر آنے لگتی ہے ہر چیز دلکش اور سندر دکھائی دینے لگتی ہے اور جب ہر شے چمکتی دمکتی ہو تو دل سے ہنسنے مسکرانے کو دل کرتا ہے۔

زندگی خوبصورت لگنے لگتی ہے اور حبا دل سے خوش تھی اس کے دل میں بہار موسم آن ٹھہرا تھا اور اب تمام زیست اس کے من مندر میں اسی موسم کو قیام کرنا تھا یہ وہ جان گئی تھی اور حبا کو مصمم یقین تھا کہ اب زندگی کے تمام رنگ اس کے ہیں جس دن سے تائی جی نے امی اور حبا سے رو رو کر اپنی گزشتہ غلطیوں کا نہ صرف اعتراف کیا تھا بلکہ نہایت عاجزی وانکساری سے معافی بھی مانگ لی تھی اور ان دونوں ماں بیٹی نے بھی کھلے دل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کو گلے لگا لیا تھا، اسی لئے حبا آج کل اتنی سرشار نظر آ رہی تھی وہ اتنی

بے پایاں محبتوں پر سجدہ شکر بجالاتی تھی۔

حبا نے جھاڑن کو اس کی مخصوص جگہ پر رکھا اور صحن میں آ کر دیوار کے ساتھ لگے بیسن کا نل کھول کر ہاتھ دھونے لگی تبھی اس نے ذرا غور سے دیکھا تو امی اور تائی تخت پر بیٹھی دوپہر کے کھانے کے لئے سبزی بنا رہی تھیں حبا دوپٹے کے پلو سے ہاتھ صاف کرتی وہیں چلی آئی۔

''آج کیا بنا رہے ہیں لنچ میں۔'' حبا نے دونوں خواتین کو خوشدلی سے دیکھ کر پوچھا۔

''پالک گوشت۔'' صائمہ کہہ کر پالک کے پتے صاف کرنے لگیں تائی بھی ان کی معاونت کر رہی تھیں۔

''میں بھی مدد کرواؤں۔'' حبا نے تخت پر بیٹھتے ہوئے کہا

''نہیں ہم ہیں نا بیٹا آپ ٹی وی دیکھو جا کر۔'' تائی جان نے پیار بھری دھونس جمائی تو حبا مشکور سی تائی اماں کو دیکھتی اٹھ گئی اسے یقین آ گیا تھا کہ کوئی بھی شخص برا ضرور ہو سکتا ہے مگر اتنا نہیں کہ احساس دلانے پر بھی ان کے دل پر لگی بے حسی کی مہریں مٹ نہ سکیں، احساس تشکر حبا کے روم روم میں سرائیت کر گیا تھا۔

☆☆☆

زعیم اسلام آباد سے آ گیا تھا سب لوگ اکٹھے ناشتے کی ٹیبل کے اطراف رکھی کرسیوں پر بیٹھے ناشتے میں مصروف تھے۔

''حبا میں پراٹھا لوں گا بیٹا ساتھ آملیٹ۔'' تایا جی نے حبا سے کہا تو حبا نے کچن کی طرف چل دی یہ تو اس کا برسوں پرانا خواب تھا سب لوگ مل کر اکٹھے کھانا کھائیں کوئی رنجش کوئی کدورت نہ ہو کسی دل میں۔

حبا نے پراٹھے بنائے وہ جانتی تھی کہ زعیم بھی ناشتے میں پراٹھا لیتا ہے جبکہ صائمہ ناشتہ ہلکا پھلکا ہی کرتی تھیں اور تائی صرف جوس۔

حبا نے پراٹھے اور آملیٹ تایا جی کے سامنے رکھ کر زعیم کو اشارے سے پوچھا کہ پراٹھا لینا ہے تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ حبا سے پہلے تایا جی زعیم کی پلیٹ میں پراٹھا رکھ چکے تھے حبا جھینپی سی ہنسی ہنسی۔

''واہ حبا جان بہت خستہ پراٹھا ہے۔'' تائی جی نے تعریف کی تو سب مسکرانے لگے تائی واقعی بدل چکی تھیں سراپا محبت نظر آ رہی تھی منہ کے زاویے بگاڑنا وہ بھول گئی تھیں۔

''حبا بیٹھو بیٹا میں نے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' تایا جی نے حبا کا ہاتھ پکڑ کر اسے سامنے کیا اور اپنے ساتھ بیٹھا لیا حبا تحیر سے انہیں دیکھ رہی تھی کہ ایسی کیا بات ہے۔

حبا منتظر نظروں سے تایا جی کو دیکھ رہی تھی اس سمے وہ اتنی معصوم لگ رہی تھی کہ فراز صاحب اسے محبت پاش نظروں سے دیکھے گئے۔

''حبا آج کے بعد کھانا ایک جگہ ہی بنا کرے گا ہم سب اکٹھے کھانا کھایا کریں گے کیا خیال ہے۔''

''تایا جی یہ تو میرے دل کی خواہش ہے جو برسوں سے میرے دل میں جمی بیٹھی ہے۔'' وہ جو محویت سے تایا جی کی بات سن رہی تھی اس بات پر اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا خواہشیں یوں بھی پایہ تکمیل تک پہنچتی ہیں بھلا خواب یوں بھی تعبیر پا سکتے ہیں اسے گمان بھی نہیں تھا، وہ مسکراتی نم آنکھوں سے تایا جی کو دیکھے جا رہی تھی۔

''تایا آپ نے میرے دل کی ساری تشنہ آرزوں کو پورا کر دیا اپنی حبا کو سراب کر دیا۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی سب جانتے تھے کہ یہ خوشی کے آنسو ہیں۔

''بیٹیوں کی ساری خواہشیں والدین کو پتہ

ہوتی ہیں پھر میں کیسے بے خبر رہ سکتا تھا۔'' تایا جی نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا صورت حال خاصی گمبھیر اور رنجیدہ ہو گئی تھی۔

''ابو جی ایک فیصلہ میں نے بھی کیا ہے میں حبا سے شادی نہیں کر سکتا۔'' زعیم کے جملے اور اس کی سنجیدگی پر سب جہاں کے تہاں رہ کر ٹھٹکے تھے حبا نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔

''پہلے حبا کا ایم اے کرنے کا خواب بھی پورا ہو گا پھر شادی۔'' زعیم کے دوسرے جملے نے اصل مقصد واضح کر دیا تو سب ہنسنے لگے اور حبا کو زعیم کی محبت پر تو ہمیشہ ناز رہا تھا وہی تو تھا ہر دکھ سکھ کا ساتھی ہر آڑے وقت میں اس کے کام آنے والا۔

''کیا زندگی پہلے بھی اتنی ہی خوبصورت تھی کیا بادل اور نیلگوں آسماں پہلے بھی اتنے پرکشش اور سحر انگیز نظر آتے تھے تا حد نظر خوشبو ہی خوشبو رنگ ہی رنگ۔'' وہ ناشتے کے برتن کچن میں رکھنے آئی تھی اس کے تن بدن پر سرشاری چھائی ہوئی تھی۔

''بہت خوش ہو۔'' نجانے کب زعیم وہاں آیا تھا۔

''ہاں بہت۔''

''کہتا تھا نا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ مہکتے لہجے میں بولا۔

''زعیم بہت شکریہ کہ تم نے شادی پر زور دینے کی بجائے میری خواہش......''

''محبت لینے کا نہیں دینے کا نام ہے پگلی، شادی بھی ہو جائے گی جب خدا کو منظور ہو گا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

''فی الحال مجھے آفس جانا ہے او کے شام کو اچھا سا تیار رہنا لمبی ڈرائیو پر چلیں گے باہر سے کھانا کھائیں گے۔''

اے میرے ہم سفر ہیں تری نظر

حبا ہلکے سروں میں گنگناتے ہوئے اپنے لئے چائے بنانے لگی، بے شک خدا غفور الرحیم ہے نوازنے والا ہے سیراب کرنے والا ہے۔

☆☆☆

دوسرا اور آخری حصہ

میری وحشتوں کو قرار دو

مصباح علی تارڑ

شابی لالہ کو دنیا سے گئے اتنے دن ہو گئے تھے لیکن اس کا دل ابھی تک اس حقیقت کو قبول نہ کر پا رہا تھا، وہ دن میں کئی کئی بار ان کے کمرے کے چکر لگاتی تھی یہ سوچ کر کہ وہ اپنے کمرے میں ہوں گے اور ان کو کمرے میں نہ پا کر ہر بار بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی، اس وقت بھی وہ ان کے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی ان کی تصویر گود میں رکھے رو رہی تھی جب بھابھی چلی آئیں تھیں، انہوں نے اسے ساتھ لگا کر اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''زونی میری جان بس کرو اب، تمہارے اس طرح رونے سے شابی لالہ واپس تو نہیں آئیں گے نا، الٹا تم رو کر ان کی روح کو بھی بے چین کرتی ہو گی تم جانتی ہو کہ وہ تمہاری آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اور اب جب تم اتنا روتی ہو تو سوچو انہیں وہاں کتنی تکلیف ہوتی ہو گی۔'' بھابھی کی بات پہ اس نے تڑپ کر ان کی سمت دیکھا تھا تو بھابھی مزید بولیں تھیں۔

''دیکھو میری جان اگر واقعی تمہیں شابی لالہ سے محبت تھی تو مجھ سے وعدہ کرو کہ آج کے بعد تم رو گی نہیں اور جب بھی شابی لالہ تمہیں یاد آئیں تو رونے کے بجائے تم قرآن پڑھ کر ان کے لئے دعا کرنا، تم کہتی ہو نا کہ اتنے دنوں میں ایک بار بھی وہ تمہیں خواب میں نہیں ملے تو جانتی ہو کیوں، تمہارے ان آنسوؤں کی وجہ سے۔'' پھر اسمارہ بھابھی ہی تھیں جو اسے زندگی کی طرف واپس لے کر آئیں تھیں بھابھی سارا دن اسے اپنے ساتھ مصروف رکھتی تھیں تا کہ اس کا دھیان بٹا رہے لیکن اس سب کے باوجود بھی کبھی کبھی لالہ اس کو اتنی شدت سے یاد آتے کہ اس کا اپنے آنسوؤں پہ اختیار ختم ہونے لگتا تھا، اس رات بھی اس کے ساتھ یہی ہوا تھا اسے نیند نہیں آ رہی تھی تو

مکمل ناول
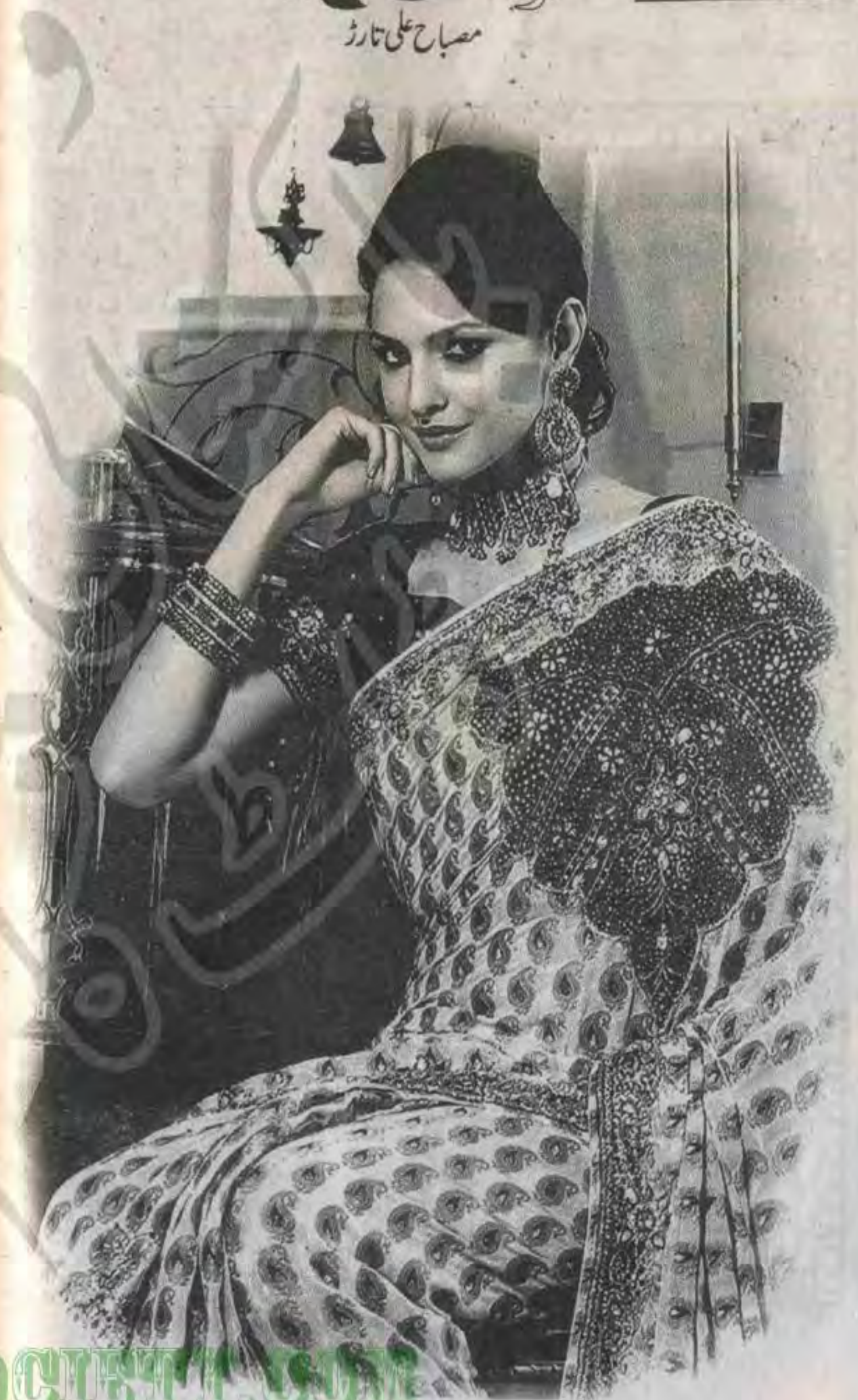
وہ لاؤنج میں آکر ٹی وی آن کر کے دیکھنے لگی، ٹی وی پر شاہ رخ خان کی مائی نیم از خان چل رہی تھی شاہ رخ خان شابی لالہ کا موسٹ فیورٹ ایکٹر تھا وہ اس کی فلمیں بہت شوق سے دیکھتے تھے، مائی نیم از خان بھی انہوں نے کوئی دس بار دیکھی تھی زونیہ کو شاہ رخ خان بالکل پسند نہ تھا کبھی کبھی تو وہ لالہ سے جھگڑ پڑتی تھی۔

''توبہ لالہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ کو اس بڈھے بندر میں اچھا کیا لگتا ہے۔'' وہ ان کے کمرے میں گئی تو انہوں نے مائی نیم از خان دیکھتے پا کر چڑ گئی تھی۔

''ایکٹنگ مائی جان اس کی ایکٹنگ، شاہ رخ جیسی ایکٹنگ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔'' لالہ مسکرا کر بولے تو وہ منہ بناتے ہوئے بولی تھی۔

اب ٹی وی اسکرین پہ شاہ رخ کا چہرہ دیکھ کر اسے ایکدم شابی لالہ کی یاد آتی تھی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں بہنے لگے تھے، اسے وہاں بیٹھے روتے نجانے کتنی دیر ہوتی تھی کہ اسمارہ بھابھی چلی آئیں۔

''زونی تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اب تم کبھی نہیں روؤ گی تو پھر یہ سب کیا ہے؟''

''نہیں تو بھابھی میں رو تو نہیں رہی وہ تو بس۔'' اس نے تیزی سے اپنے آنسو صاف کیے تھے پھر بھابھی کے جانے کے بعد وہ کچن میں چلی آتی کہ رونے کی وجہ سے اس کا سر دکھنے لگا تھا اس نے سوچا کہ چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لے لیتی ہوں وہ کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی جب ذوہیب چلا آیا تھا، اسے سامنے دیکھ کر ایک پل کو اس کے قدم کچن کے دروازے کے فریم میں رکے تھے پھر کچھ سوچتے ہوئے آگے بڑھ آیا تھا، زونیہ نے ایک نظر دیکھا تھا اسے پھر رخ موڑ کر

ساس پین کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''اگر چائے بنا رہی ہو تو پلیز ایک کپ میرے لئے بھی۔'' وہ آگے بڑھ آیا تھا تو زونیہ نے چائے کپ میں ڈال کر خاموشی سے کپ اس کی سمت بڑھا دیا، ذوہیب نے اس کے روئے روئے چہرے کو بہت دھیان سے دیکھا تھا پھر کچھ بولنے کو لب کھولے ہی تھے کہ رومیلہ آگئی رومیلہ کو دیکھ کر وہ اپنا کپ اٹھا کر وہاں سے چلا گیا رومیلہ نے ایک نظر وہاں سے جاتے ذوہیب کی پشت کو دیکھا تھا پھر طنزیہ نگاہوں سے زونیہ کو دیکھا تھا۔

''لگتا ہے میں نے کافی غلط ٹائم پہ انٹری دی ہے مجھے اس وقت کچن میں نہیں آنا چاہئے تھا۔''

''کیا مطلب، تم کہنا کیا چاہتی ہو۔'' زونیہ کافی حد تک اس کی بات کا مفہوم سمجھ گئی تھی مگر غصے سے پوچھا تھا۔

''میرا مطلب تم اچھی طرح سمجھ چکی ہو، بھولی نہیں ہو تم، لیکن میری ایک بات تم کان کھول کر سن لو میرے شوہر کا پیچھا چھوڑ دو تو بہتر ہوگا تمہارے لئے ورنہ اتنا ذلیل کروں گی کہ کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہو گی۔'' رومیلہ نے نفرت سے ایک ایک لفظ چبا کر کہا تھا اور جانے کے لئے مڑی تھی پھر جاتے جاتے پلٹی تھی۔

''اور ہاں تمہارا شوہر اس وجہ سے گھاس نہیں ڈالتا ہے نا کہ تم شادی سے پہلے ذوہیب کو پسند کرتی تھیں لیکن سوچو اگر اسے پتہ چل جائے کہ تم ابھی تک ذوہیب کے پیچھے پڑی ہو تو جانتی ہو وہ تمہارا کیا حشر کرے گا اگر تم اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئیں تو اسے سب میں خود بتاؤں گی۔'' اس نے زونیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا اور وہاں سے جانے

تو زونیہ نے جو ساکت کھڑی اس کی ساری بکواس سن رہی تھی ایک دم اس کا بازو تھام کر رخ اپنی جانب کیا تھا۔

''ایک منٹ رومیلہ اب ذرا میری بھی سنتی جاؤ۔'' رومیلہ نے اس کی اس حرکت پہ غصے سے اس کی جانب دیکھا تھا لیکن وہ اس کے غصے کو نظر انداز کرتی بڑے سکون سے بولی تھی۔

''گھٹیا تو تم ہو اس پہ تو نہ مجھے پہلے شک تھا اور نہ ہی اب لیکن اب بات کلیر کر دوں مسز رومیلہ ذوہیب کہ مجھے تمہارے شوہر کے پیچھے پڑنے کا قطعی کوئی شوق نہیں ہے، اگر میں اس کے پیچھے پڑتی تو تم اس گھر میں کبھی نہ آتیں اور ویسے بھی اس طرح کے کام تمہی کو مبارک ہوں سب کو اپنے جیسا مت سمجھا کرو اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جاذل مجھے گھاس نہیں ڈالتے ہیں تو یہ ہمارا پرسنل معاملہ ہے آئندہ اس سلسلے میں کچھ بھی مت بولنا، وہ مجھے گھاس ڈالیں یا نہ میں دوسروں کے سامنے اس بات کا رونا کبھی نہیں روؤں گی انڈر سٹینڈ۔'' پھر وہ تو یہ سب کہہ کر کچن سے نکل گئی جبکہ رومیلہ کمرے میں آنے کے بعد کتنی دیر تک جلتی کڑھتی رہی تھی ذوہیب کے خراب رویے کی وجہ سے وہ ایک دو بار ماما جان کے سامنے روئی تھی لیکن اس بات کی خبر زونیہ کو کیسے ہوئی اسے یہ سمجھ نہ آرہا تھا کیونکہ زونیہ تو تب پاس نہ تھی پھر اسے ایکدم یاد آیا تھا کہ جب ایک دن اس نے ذوہیب کی شکایت ماما جان سے کی تھی تب اسمارہ بھابھی وہیں موجود تھیں، یہ یاد آتے ہی اسے سمجھ آگئی تھی کہ زونیہ کو اس بات کا کیسے پتہ چلا۔

''گھنی میسنی، آئی بڑی زونیہ کی چچی اس کو تو ایسے ہر بات بتاتی ہے جیسے اس کی ماسے کی بیٹی ہے ایک بس میں ہی دشمن ہوں۔'' اس نے اسمارہ بھابھی کو دل ہی دل میں ڈھیروں گالیوں سے نوازتے ہوئے کہا تھا، جبکہ دوسری طرف زونیہ اگرچہ رومیلہ کو بہت کچھ سنا تو آئی تھی لیکن کمرے میں آکر وہ رونے لگی تھی رومیلہ کے شک کا دائرہ اس کے گرد فرنگ ہوتا جا رہا تھا کسی نہ کسی بات کو لے کر وہ زونیہ سے الجھ پڑتی تھی، زونیہ کو ڈر تھا کہ اگر اس کی یہ فضول قسم کی بکواس کسی دن ذوہیب نے سن لی تو رومیلہ کی خیر نہ تھی اور اس سب کی ذمہ داری کس پہ آنی تھی ماما جان نے اس سب کا ذمہ دار کسے ٹھہرانا تھا زونیہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی، پھر اس سوچ نے اسے ساری رات نہ سونے دیا تھا۔

☆☆☆

جاذل کافی لیٹ گھر آیا تھا اوپر کمرے میں جانے کے لئے اس نے ابھی سیڑھیوں کے پہلے زینے پہ پاؤں رکھا ہی تھا جب پیچھے سے بابا جان کی آواز سنائی دی تھی۔

''رکو۔'' بابا جان کی پکار پہ اس کے قدم وہیں تھم گئے تھے اس نے مڑ کر دیکھا وہ اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑے بہت غصے سے دکھائی دیئے تھے، پھر چلتے ہوئے اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔

''اس وقت کیا ٹائم ہو رہا ہے۔'' اس کے چہرے کو شعلہ باز نظروں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا تو وہ ان کی بات پہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''کم آن بابا جان! کیا آپ مجھ سے ٹائم پوچھنے کے لئے اتنی دیر تک جاگ رہے ہیں لگتا ہے آپ کی گھڑی، موبائل اور آپ کے کمرے کا وال کلاک خراب ہے تبھی تو آپ ٹائم پوچھنے کے لئے اتنی دیر تک جاگ کر میرا انتظار......''

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔'' بابا جان

اس کی بات پہ اتنی زور سے گرجے تھے کہ ان کی آواز پہ سبھی اپنے اپنے کمروں سے نکل آئے تھے، مگر سامنے جاذل کو دیکھ کر بابا جان کے اتنا اونچا بولنے کی وجہ سب کو سمجھ آ گئی تھی۔

''گھٹیا اور بے غیرت لوگوں میں رہ رہ کر اتنی تمیز بھی نہیں رہی ہے تمہیں کہ باپ سے بات کیسے کرتے ہیں۔'' بابا جان کی بات سن کر جاذل کو تو گویا آگ لگ گئی تھی۔

''آپ نے جو بھی کہنا ہے وہ مجھے کہیں میرے دوستوں کے بارے میں نیکسٹ ٹائم اس طرح بات مت کیجئے گا۔'' اس نے انگلی کے اشارے سے انہیں روکا تھا تو ان کے اس طرح وارننگ والے انداز پہ بابا جان کا خون کھول گیا تھا انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے ایک زور کا تھپڑ اس کے گال پہ مارا تھا دوسرا تھپڑ مارنے کو ان کا ہاتھ ابھی اٹھا ہی تھا کہ روحیل لالہ اور ذوہیب تیزی سے آگے بڑھے تھے انہوں نے بہت مشکلوں سے بابا جان کو پیچھے ہٹایا تھا۔

''اسے کہو دفعہ ہو جائے میری نظروں کے سامنے سے ابھی اور اسی وقت......'' بابا جان نے غصے سے کہا تھا۔

''اور تم بھی سن لو روحیل آج کے بعد اس کے اکاؤنٹ میں ایک روپیہ بھی جمع کروایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، اس کی عیاشیوں کے لئے نہیں کماتے ہیں ہم۔'' روحیل لالہ سے کہتے ہوئے انہوں نے ایک قہر بھری نگاہ جاذل پہ ڈالی تھی۔

''اب یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو، دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔''

''ہاں جا رہا ہوں مجھے بھی کوئی شوق ہیں ہے آپ کی نظروں کے سامنے رہنے کا۔'' اس نے بھی غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا تھا اور جلتا بھنتا سیڑھیاں چڑھ گیا زونیہ جو اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھی شور کی آواز سے اس کی آنکھ بھی کھل گئی تھی وہ اپنا دوپٹہ سنبھالتی باہر کو لپکی تھی وہ تیز تیز سیڑھیاں اتر رہی تھی جب جاذل انتہائی خراب موڈ میں اوپر آتا دکھائی دیا اسے دیکھ کر وہ ایک طرف ہٹتے ہوئے وہیں رک گئی تو وہ ایک ترچھی سی نگاہ اس پہ ڈال کر سیڑھیاں چڑھ گیا اس کے جانے کے بعد وہ دھیرے سے چلتی ہوئی اسمارہ بھابھی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہوا ہے بھابھی؟'' اس نے بابا جان کے غضبناک موڈ کو دیکھتے ہوئے بھابھی سے دریافت کیا تھا۔

''ہونا کیا ہے یار! وہی ہمیشہ کی طرح دیر سے آنے پہ جھگڑا، تم جانتی تو ہو کہ اس سلسلے میں کچھ بھی سننا موصوف کے مزاج پہ کتنا ناگوار گزرتا ہے۔'' بھابھی کی بات سن کر اس نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بابا جان کو دیکھا تھا جو اب لاؤنج میں ادھر سے ادھر ٹہلتے اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے تھے پھر ایکدم رکتے ہوئے انہوں نے ماما جان کی طرف دیکھا تھا۔

''اور بیگم آپ بھی میری ایک بات کان کھول کر سن لیں کہ اگر اب آپ نے اسے ایک روپیہ بھی دیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، آپ کی بے جا ڈھیل نے ہی یہ دن دکھایا ہے ہمیں۔'' ماما جان یوں سب کے سامنے بابا جان کا اتنا غصہ ہونے برداشت نہ کر پائیں تھیں تبھی ان سے بھی زیادہ غصے سے بولیں تھیں۔

''آپ میرے پہ کیوں غصہ ہو رہے ہیں میں نے کیا کیا ہے۔''

''نہیں آپ تو کچھ نہیں کیا ہے اور نہ ہی آپ کا بیٹا کچھ کرتا ہے کرتا تو سب کچھ میں ہی ہوں پچھتا رہا ہوں اس وقت کو میں نے جب آپ کے کہنے میں آ کر اس کی شادی کا فیصلہ کیا تھا۔'' بابا جان آج کچھ زیادہ ہی غصے میں لگ رہے تھے تبھی تو سب کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر سچ بولنے کے موڈ میں تھے لیکن ان کا اتنا سچ بولنا ماما جان سے ہضم نہ ہوا تھا تبھی تو غصے سے چیخ اٹھی تھیں۔

''ہاں کہا تھا میں نے کہ اس کی شادی کر دیں اس یقین کے ساتھ کہا تھا کہ جب اس کو گھر پہ بیوی کا پیار اور توجہ ملے گی تو یہ فضول قسم کی دوستیاں خود ہی چھوٹ جائیں گی اب اگر ایسا نہیں ہوا تو اس میں سارا قصور جاذل کا بھی نہیں ہے سمجھے آپ، ہمارے دوسرے دونوں بیٹے بھی شادی شدہ ہیں عمر، ان کی بیویوں کو ہی دیکھ لیں، روحیل پانچ منٹ لیٹ آئے آفس سے تو اسمارہ کی جان پہ بن جاتی ہے کہ وہ لیٹ کیوں ہو گیا، رومیلہ کی نگاہیں بھی تب تک دروازے پہ ٹکی رہتی ہیں جب تک ذوہیب گھر نہیں آ جاتا جبکہ جاذل...... وہ گھر آیا یا نہیں اس نے کھانا کھایا یا نہیں، اس سب کی پرواہ اس کی بیوی تو چھوڑ بیوی کی جوتی کو بھی نہیں ہوتی۔'' ماما جان تو اپنا سارا غصہ نکال کر کمرے میں چلی گئیں تھیں ان کے جانے کے بعد بابا جان بھی چلے گئے جبکہ زونیہ ڈبڈباتی آنکھیں لے ساکت کھڑی تھی اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ ماما جان یوں سب کے سامنے اس کی ذات کو ٹارگٹ بنا سکتی ہیں، وہ بھی سب کچھ جانتے ہوئے جاذل کو زونیہ سے نفرت ان سے پوشیدہ تو نہ تھی پھر بھی وہ سارا الزام کتنی آسانی سے اس پہ لگا کہ جا چکی تھیں۔

وہ وہیں صوفے پہ بیٹھ کر زار و قطار رونے لگی تھی، اسے اس طرح روتے دیکھ کر ذوہیب عمر خان کو نہ جانے کیا ہوا تھا کہ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا مگر زونیہ کو اس طرح روتے دیکھ کر رومیلہ کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ آ ٹھہری تھی، زونیہ کو آنسو بہاتے دیکھ کر اس کے اندر تک ٹھنڈک پڑی تھی کیونکہ اس لڑکی کی وجہ سے اس کا شوہر اس کا ہو کر بھی اس کا نہ تھا اگرچہ وہ اپنے شوہر ہونے کے سارے حقوق و فرائض تو ادا کرتا تھا لیکن اس کے دل تک رسائی پانا رومیلہ کو ناممکن لگتا تھا اور یہ سب زونیہ علی خان کی وجہ سے تھا، روحیل لالہ اور بھابھی زونیہ کو اس طرح روتے دیکھ کر چپ کرانے لگے تھے۔

''تم کیوں روتی ہو، سب جانتے ہیں کہ ماما جان ابھی جو کچھ بھی کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔'' روحیل لالہ نے اس کے برابر بیٹھ کر اس کا سر اپنے کندھے سے لگاتے ہوئے کہا تھا لیکن وہ ان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اٹھ کر کمرے میں آ گئی جاذل چینج کر کے نکلا تو وہ صوفے پہ بیٹھی رو رہی تھی اسے دیکھ کر اس کے بیڈ کی طرف بڑھتے قدم وہی رک گئے تھے وہ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اٹھ کر واش روم میں بند ہو گئی۔

''اسے کیا ہوا ہے؟'' اس نے واش روم کے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا کیونکہ ابھی کچھ دیر پہلے جو کچھ بھی ہوا تھا وہ بابا جان اور اس کے درمیان ہوا تھا پھر زونیہ کے اس طرح رونے کی وجہ اسے سمجھ نہ آئی تھی لیکن اگلی صبح اسے اس کے رونے کی وجہ سمجھ آ گئی تھی کیونکہ صبح جب وہ اٹھا تھا تو نہ صرف اس کا استری شدہ سوٹ بیڈ پہ پڑا تھا بلکہ اس کے جوتے بھی پالش کر کے بیڈ کے پاس رکھ دیئے گئے تھے، سوٹ کے اوپر ایک تہہ شدہ کاغذ بھی پڑا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ اٹھا لیا۔

''سوری مسٹر خان! آپ کے منع کرنے کے باوجود آج پھر آپ کی چیزوں کو ہاتھ لگا رہی

ہوں آئی نو کہ آپ کو یہ سب اچھا نہیں لگتا اور آپ یہ بات مجھ پہ واضح بھی کر چکے ہیں بٹ آئی ایم ایکسٹریملی سوری کہ آپ کے منع کرنے کے باوجود یہ سب ایک بار پھر کر رہی ہوں، اس لئے کہ یہ آپ کی مدر کی خواہش ہے، آپ کو اگر کوئی اعتراض ہے تو جا کے اپنے مدر سے بولیں اگر وہ مجھے منع کر دیں تو یقین کیجئے میں یہ غلطی دوبارہ نہیں دہراؤں گی، سوری اگین زونیہ۔''

''آئی نو ویری ویل کہ میرے لئے یہ سب تم اپنی مرضی سے کر بھی نہیں سکتی ہو بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے غصے سے کاغذ کو توڑ مروڑ کر دور اچھال دیا تھا پھر الماری سے دوسرا سوٹ نکال کر واش روم میں گھس گیا تیار ہونے کے بعد وہ ناشتہ کیے بغیر انتہائی خراب موڈ میں گھر سے نکلا تھا اور سارا دن اس کا موڈ خراب ہی رہا تھا شام کو وہ ارباز کے بیڈ پہ آڑھا ترچھا لیٹا تھا جب ثنا چلی آئی تھی ثنا کو دیکھ کر اس کا بگڑا موڈ کسی حد تک بحال ہوا تھا، پھر ثنا کے ساتھ ڈنر کرنے کے بعد وہ کافی حد تک واپس اپنے موڈ میں آ چکا تھا گھر اس کی واپسی حسب معمول کافی لیٹ ہوئی تھی، وہ انتہائی خوشگوار موڈ میں کمرے میں داخل ہوا تھا لیکن زونیہ کو جاگتے پا کر جہاں اسے حیرانی ہوئی تھی وہیں اس کے چہرے کے زاویے بدل گئے تھے وہ چینج کر کے نکلا تو وہ اس کے لئے کھانا لے آئی۔

''کھانا کھا لیں۔'' اس نے ٹرے بیڈ پہ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''میں کھا کے آیا ہوں اور پلیز یہ اٹھاؤ مجھے یہاں سونا ہے۔'' اس نے بگڑے لہجے میں ٹرے کی سمت اشارہ کر کے کہا تو وہ چپ چاپ ٹرے اٹھا کر باہر نکل گئی وہ اپنے کھولتے دماغ کے ساتھ تکیہ درست کر کے لیٹ گیا پہلے بھی جب وہ اس کا کوئی کام کرتی تھی تو اس کا ردعمل اسی سم کا ہوتا تھا اور اب تو وہ جانتا بھی تھا کہ وہ یہ سب کس وجہ سے کر رہی ہے، اپنے اشتعال پہ قابو پاتے وہ آنکھوں پہ بازو رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگا جب تھوڑی دیر بعد وہ پلیٹ میں دودھ کا گلاس رکھے آئی۔

''یہ دودھ۔'' اس نے آنکھیں کھولیں تو سامنے وہ پلیٹ میں دودھ کا گلاس لئے کھڑی تھی وہ کچھ پل اپنی غصے سے سرخ پڑتی آنکھیں لئے اس کی جانب دیکھتا رہا پھر ایکدم اٹھتے ہوئے نہ صرف دودھ کا گلاس اٹھا کر سامنے دیوار پہ دے مارا تھا بلکہ اس کے ہاتھ سے پلیٹ بھی چھین کر دور پھینک دی تھی۔

''تمہیں میری بات کا اثر کیوں نہیں ہوتا، جب میں ایک دفعہ کہہ چکا ہوں کہ میرے لئے یہ سب مت کیا کرو۔'' وہ اتنے زور سے دھاڑا تھا کہ ایک پل کو تو زوینہ بھی لرز گئی تھی لیکن دوسرے ہی پل اپنے خوف پہ قابو پا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میں یہ سب خود سے نہیں کر رہی ہوں اور نہ ہی مجھے کوئی شوق ہے آپ کے ہاتھوں اتنی انسلٹ کروانے کا میں آل ریڈی آپ کو بتا چکی ہوں کہ یہ سب آپ کی مدر کی خواہش ہے کیونکہ ان کے خیال میں میں ان کے بیٹے کا خیال بالکل بھی نہیں رکھتی ہوں، وہ خوامخواہ مجھے قصوروار سمجھ رہی ہیں اور اگر آپ کو یہ سب پسند نہیں ہے تو جا کر ان سے کہیں مجھ سے نہیں، وہ مجھے منع کر دیں تو آپ کو دوبارہ اس طرح چلانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' اس نے جاذل کے غصے سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر کہا تھا تو جاذل کا دل کیا تھا کہ اس کا گلا دبا دے خود پہ ضبط کرتے بھی وہ پھٹ پڑا تھا۔

''مدر...... مدر...... مدر، جب میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے یہ سب پسند نہیں تو کیوں کرتی ہو بار بار یہ سب۔'' وہ ایک بار پھر زور سے چلا رہا تھا تو زونیہ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھتی باہر نکل گئی جبکہ وہ کتنی دیر تک اپنے خون میں اٹھتے غصے کے ابال کو دباتا رہا تھا۔

☆☆☆

روحیل لالہ نے اس بار واقعی بابا جان کی بات پہ عمل کر دکھایا تھا اور اس مہینے جاذل کے اکاؤنٹ میں پیسے جمع نہ کروائے تھے، وہ ہر ماہ اس کے اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم جمع کروا دیئے کرتے تھے جس سے اس کا پورا مہینہ آسانی سے گزر جاتا تھا، اپنی گرل فرینڈز کو شاپنگ کرواتے اسے کبھی پیسے کی فکر نہ ہوئی تھی اگر کبھی پیسے مہینہ ختم ہونے سے پہلے خرچ ہو جاتے تو وہ ماما جان سے لے لیا کرتا تھا، بینک سے اسے پتہ چلا کہ اس ماہ اس کے اکاؤنٹ میں رقم ٹرانسفر نہیں کرائی گئی تو وہ غصے سے لال پیلا ہوتا روحیل لالہ کے پاس آیا تھا۔

''سوری یار! وہ ایکچوئیلی بابا کا تو تمہیں پتہ ہی ہے نا، اس بار انہیں کچھ زیادہ ہی غصہ ہے تم پہ اور ان کے سائن کے بغیر رقم تمہارے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر نہیں ہو سکتی۔'' روحیل لالہ کی بات سن کر وہ غصے سے کرسی کو ٹھوکر مارتا آفس سے باہر نکل آیا تھا اور اس وقت تو اس کے غصے کی انتہا نہ رہی تھی جب اگلے دن ماما جان نے بھی اس کو پیسے دینے سے انکار کر دیا تھا، ان کے بقول اس بار وہ بابا جان کی بات سے انحراف کر کے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھیں کیونکہ اس بار بابا جان واقعی بہت غصے میں تھے، پنکی کا برتھ ڈے قریب تھا اس کے پاس اسے گفٹ دینے کے پیسے نہ تھے، اس کے والٹ میں چند سرخ نوٹ رہ گئے تھے اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ پیسوں کا ارینج کہاں سے کرے، اسی سوچ میں گم وہ اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا تھا زونیہ صوفے پہ بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی اسے دیکھ کر کتاب رکھتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

''کھانا لاؤں۔'' اس نے اس کی بات کا جواب نہ دیا تھا اس کے چیخنے چلانے کے باوجود بھی وہ اپنی بات پہ قائم رہی تھی وہ کچھ پل کھڑی اس کے جواب کا انتظار کرتی رہی پھر باہر نکل گئی تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

''تم کون سی زبان سمجھتی ہو جب میں کتنی بار منع کر چکا ہوں کہ میرے لئے یہ سب مت کیا کرو تو پھر کیوں سمجھ نہیں آتی تمہیں میری بات۔'' دودھ کا گلاس ٹیبل پہ رکھ کر اس نے اس زور سے اس کا بازو پکڑا تھا کہ زوینہ کو اس کی انگلیاں اپنے بازو میں دھنستی ہوئیں محسوس ہوئی تھیں تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''مسٹر خان! میں بھی آپ کو کتنی بار بتا چکی ہوں کہ میں یہ سب کرنے پہ مجبور ہوں کیونکہ یہ آپ کی ماما جان کا حکم ہے آپ کو اگر کوئی اعتراض ہے تو جا کر ان سے کہیں۔'' اس نے اپنا بازو جاذل کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا تھا، خود پہ بہت ضبط رکھتے ہوئے بھی اس کا لہجہ آج نجانے کیوں تھوڑا ابلند ہو گیا تھا۔

پھر وہ اپنے آنسو صاف کرتی ٹیرس پہ آ گئی تھی کتنی دیر تک وہ ٹیرس پہ کھڑی آنسو بہاتی رہی تھی جب سردی کا احساس بڑھنے لگا تو اندر چلی آئی جاذل بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے سگریٹ ہونٹوں میں دبائے نجانے کس سوچ میں تھا وہ چپ چاپ اپنی سائیڈ پہ آ کر لیٹ گئی اور آنکھوں

پہ بازو رکھ لیا، لیکن دوسرے پل ایک گہرا سانس خارج کرتے اس نے کروٹ بدلی تھی کہ یہ سزا تو اس نے خود تجویز کی تھی اپنے لئے تو پھر اب رونا کیسا اس نے بے دردی سے آنکھوں میں آتے انسوؤں کو رگڑ ڈالا تھا اور سونے کی کوشش کرنے لگی آخر کچھ دیر بعد نیند کی دیوی اس پہ مہربان ہو ہی گئی تھی جبکہ جاذل سگریٹ پہ سگریٹ پھونکتا سوچ رہا تھا کہ اب پیسوں کا انتظام کہاں سے کرے، روحیل لالہ نے بھی انکار کر دیا تھا ماما جان نے بھی اس دفعہ پیسے نہ دیئے تھے اور وہ جانتا تھا کہ جتنے سخت انداز میں بابا جان نے ان کو منع کیا تھا وہ کبھی بھی اس کو پیسے نہیں دیں گی، اپنا خالی ہوتا والٹ اس کی پریشانی کا باعث تھا، اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ ثنا کے برتھ ڈے گفٹ کے لئے پیسے کہاں سے لے۔

ثناء نے فرمائش کی تھی کہ اس دفعہ برتھ ڈے پہ جاذل اس کو اچھا سا موبائل سیٹ گفٹ کرے یہی سب سوچتے اس نے آدھ جلا سگریٹ سائیڈ ٹیبل پہ پڑی ایش ٹرے میں پھینکا اور تکیہ درست کر کے لیٹ گیا لیکن اس پریشانی میں اسے نیند نہیں آ رہی تھی وہ پریشان سا کروٹیں بدل رہا تھا اس نے دائیں طرف کروٹ بدلی تو نظر گہری نیند میں سوئی زونیہ پہ پڑی تھی، لیکن جب نظر اس کے چہرے سے ہوتے ہوئے اس کے سینے پہ رکھے اس کے بازو پہ گئی تو اسے ایکدم اپنی ساری پریشانی دور ہوتی محسوس ہوئی تھی اس کے بازو پہ چمکتی سونے کی دو عدد چوڑیاں جاذل عمر خان کی ساری پریشانی ختم کر گئیں تھیں اس کی آنکھیں ایکدم مسکرانے لگیں تھیں وہ حیران ہوا تھا کہ پہلے اس طرف اس کا دھیان کیوں نہیں گیا تھا اور وہ اتنی اچھی آپشن کے موجود ہوتے ہوئے دوسروں سے پیسے کیوں مانگ رہا تھا پھر مسکراتے لبوں سے اس نے ہاتھ بڑھا کر سوئی ہوئی زونیہ کو اس کے اسی بازو سے پکڑ کر اپنے قریب گھسیٹ لیا گہری نیند میں سوئی زونیہ اس حملے کے لئے قطعی تیار نہ تھی اسے بالکل سمجھ نہ آئی تھی کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے اس لئے اس کی چیخ نکل گئی تھی لیکن جاذل نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اس کی چیخ کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

''سوری مسز میں یہ بھی یہ سب اپنی مرضی سے ہرگز نہیں کر رہا ہوں یہ میرے پیرنٹس کی خواہش ہے، ایکچوئیلی انہیں ہمارے بچے دیکھنے کی بڑی حسرت ہے اس لئے میں نے سوچا ہے کہ چلو ان کی اس خواہش کو تو پورا کر دیا جائے۔'' اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے گمبھیر لہجے میں کہا تھا تو اس کی بات پہ زونیہ کو اپنا سارا وجود سن سا ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے ساتھ چھوڑتے حواسوں کو بحال کیا تھا اور اپنا پورا زور لگا کر خود پہ جھکے جاذل کو پیچھے دھکیلتے ہوئے بیڈ سے اٹھی تھی وہ تیزی سے دروازے کو لپکی تھی لیکن جاذل اپنے لمبے چوڑے بے حد وجیہہ سراپے سمیت اس کی راہ میں ایستادہ ہو گیا تھا۔

''اوہو مسز کہاں بھاگی جا رہی ہیں بھئی! آپ تو بڑی فرمانبردار بہو ہیں سو پلیز اب ایک فرمانبردار بیوی کا رول پلے کرتے ہوئے میرا بھی اپنے پیرنٹس کی خواہش پوری کر کے ایک فرمانبردار بیٹا بننے میں تھوڑا ساتھ دیں۔'' اس نے زونیہ کے کانپتے وجود پہ نظریں جماتے ہوئے کہا تھا اور ایک ایک قدم اٹھاتا اس کی سمت بڑھا تھا، اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر زونیہ کا تو جیسے سارا خون خشک ہونے لگا تھا جاذل نے اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ پہ کھینچا تھا زونیہ نے اپنے وجود کی ساری توانائیاں جمع کر کے خود کو چھڑوانے کی

پوری کوشش کی تھی لیکن اس کی مضبوط گرفت سے خود کو آزاد نہ کرا سکی تھی۔

''جج...... جاذل...... فار گاڈ سیک، چھوڑ دیں مجھے۔'' اس کے اونچے لمبے توانا وجود کے سامنے اسے اپنی ساری مزاحمت رائیگاں جاتی محسوس ہوئی تو رو دی تھی جاذل نے بہت دھیان سے اس کے پسینے پسینے ہوتے وجود اور بھیگی آنکھوں کو دیکھا تھا اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی۔

''ارے میری جان ایسے کیسے چھوڑ دوں، بدلے میں مجھے بھی تو کچھ چاہیے۔'' اس کی بات پہ زونیہ نے چونک کر اپنی بھیگی پلکیں اٹھائیں تھیں اسے اپنی جانب دیکھتے پا کر وہ مزید گویا ہوا۔

''بھئی دیکھو نا اپنے حق سے دستبردار ہونا اتنا آسان تو نہیں ہوتا اس کے لئے کوئی قیمت تو ہونی چاہیے۔''

''کک...... کیا چاہیے آپ کو۔'' زونیہ نے نہ سمجھانے والے انداز میں اس کے چہرے کو دیکھا تھا اور کانپتی آواز میں دریافت کیا تھا تو جاذل نے مسکرا کر اس کا چوڑیوں والا بازو پکڑا اور اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تھا اس کے چہرے سے ہوتی ہوئی زونیہ کی نگاہ اپنے بازو پہ جا ٹھہری تھی وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کی بات کا مفہوم سمجھ چکی تھی۔

''ٹھٹ...... ٹھیک ہے لے لیں، لیکن پلیز پہلے مم...... مجھے چھوڑیں۔'' اس نے اپنے دھڑکتے دل پہ قابو پاتے ہوئے کانپتی آواز میں کہا تھا تو جاذل اسے چھوڑتے ہوئے سیدھا ہو گیا تھا، اس کے پیچھے ہٹتے ہی زونیہ نے تیزی سے اپنی کلائی سے چوڑیاں اتار کر بیڈ پہ رکھ دیں اور خود اپنے آنسو صاف کرتی دوپٹہ سنبھال کر کمرے سے باہر جانے لگی تھی، جب پیچھے سے جاذل کی آواز سنائی دی تھی۔

''مسز اب اس بات کا پتہ گھر میں کسی کو نہیں لگنا چاہیے ورنہ......'' وہ اثبات میں سر ہلاتی باہر نکل گئی تو جاذل بیڈ پہ پڑی چوڑیاں اٹھا کر مسکرانے لگا تھا۔

☆☆☆

ذوہیب آفس سے آیا تو ماما جان کو لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھے دیکھ کر وہیں ان کے پاس ہی بیٹھ گیا، اسے شاید بخار ہو رہا تھا تبھی تو پورا جسم درد کر رہا تھا۔

''تاجی ایک کپ چائے تو بنا دو۔'' اس نے ماتھے کو انگلیوں کی پوروں سے دباتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر ماما جان کو تشویش ہوئی تھی تبھی استفسار کیا تھا۔

''کچھ نہیں بس سر میں درد محسوس ہو رہا ہے، لگتا ہے بخار ہو جائے گا۔'' اس نے صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا تو ماما جان نے اسے اچھا خاصا ڈانٹ دیا تھا کہ اسے گھر آنے سے پہلے ڈاکٹر کو دکھا کر میڈیسن لینی چاہیے تھی۔

''اوہو ماما جان کچھ نہیں ہوا ہے، چائے کے ساتھ پیناڈول لیتا ہوں تو ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' پھر چائے ساتھ کے ساتھ پیناڈول لے کر وہ وہیں صوفے پہ ہی لیٹ گیا تھا ابھی اسے لیٹے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ رومیلہ چلی آئی۔

''ارے آپ یہاں لیٹے ہیں میں کب سے آپ کا انتظار کرتے پریشان ہو رہی تھی کہ آپ ابھی تک آفس سے کیوں نہیں آئے۔'' اس نے ذوہیب کو لاؤنج میں لیٹے دیکھ کر کہا تھا۔

''کیوں خیریت۔'' اس نے رومیلہ کے سجے سنورے سراپے پہ تنقیدی نگاہوں سے دیکھتے

ہوئے دریافت کیا تھا حالانکہ اس کی تیاری دیکھ کر وہ جان گیا تھا کہ ضرور اسے کہیں جانا ہوگا ایک تو وہ اس کی اس عادت سے بہت تنگ آ چکا تھا کہ ہر دوسرے روز اسے میکے کی یاد ستانے لگتی تھی اسے اس کے میکے جانے پہ اعتراض نہ تھا بلکہ وہ تو کچھ دیر کے لئے ہی سہی رومیلہ سے جان چھوٹنے پہ شکر کا سانس لیتا تھا اسے کوفت تب ہوتی تھی جب وہ گھر میں ڈرائیور اور گاڑی کے موجود ہوتے ہوئے بھی اس کے ساتھ جانے پہ بضد ہوتی تھی اور اب بھی یہی ہوا تھا، جب ذوہیب نے اس کے ساتھ جانے سے یہ کہتے ہوئے انکار کیا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے وہ ڈرائیور کے ساتھ چلی جائے تو اس کی بات پہ رومیلہ کی تیوری چڑھ گئی تھی۔

''اگر مجھے ڈرائیور کے ساتھ ہی جانا ہوتا تو میں اتنی دیر آپ کا انتظار نہ کرتی اور مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ کو جب بھی میرے ساتھ کہیں جانا پڑے تو آپ کا موڈ اس قدر خراب کیوں ہو جاتا ہے۔'' ذوہیب کے انکار پہ وہ آگ بگولہ ہو کر کافی تیز آواز میں بولی تھی جس پہ ذوہیب کو بھی غصہ آ گیا۔

''اور مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ تم گھر پہ ٹک کر کیوں نہیں بیٹھتی ہو، کبھی باہر ڈنر کرنا ہوتا ہے تو کبھی شاپنگ، کبھی ماما کے ہاں جانا ہوتا ہے تو کبھی کسی اور رشتے دار کے ہاں جانے کو تیار، آئے دن تمہیں کہیں نہ کہیں جانا ہوتا ہے کبھی گھر پہ بھی توجہ دی ہے، میرے آفس سے آنے کے بعد کبھی چائے پانی یا کھانے کا بھی پوچھا ہے، کبھی گھر کے کسی کام میں بھی دلچسپی لی ہے، اس گھر میں دو بہوئیں اور بھی ہیں تم کوئی آسمان سے اتری ہوئی نہیں ہو کہ تم سیر سپاٹے کرو اور وہ گھر کے کام۔'' رومیلہ کو سخت نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس نے انتہائی سخت لہجے میں کہا اور اٹھ کر کمرے میں چلا گیا تو رومیلہ نے اپنی اس قدر بے عزتی پہ ماما جان کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ دیکھ رہی ہیں نا خالہ جانی اس شخص کو جب بھی اسے میرے ساتھ کہیں جانا ہوتا ہے اسی طرح کرتا ہے یہ۔'' بات کرتے کرتے اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا پھر وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی تھی تو ماما جان کی تو گویا جان پہ بن گئی تھی وہ بھلا اپنی لاڈلی چہیتی بھانجی کو اس طرح روتے ہوئے کیسے دیکھ سکتی تھیں، انہوں نے فوراً اٹھ کر رومیلہ کو اپنے ساتھ لگا کر اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''ارے نہیں بیٹا ایسی بات نہیں ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے تھوڑا سا چڑ چڑا ہو رہا ہے۔'' تو ان کی بات پہ رومیلہ کا موڈ بگڑ گیا تھا۔

''جی مجھے دیکھتے ہی ان کی طبیعت خراب ہونے لگتی ہے اور ایسا کس کی وجہ سے ہوتا ہے مجھے بہت اچھی طرح پتہ ہے اور آپ بھی نا خالہ جانی آپ کو پتہ تھا کہ وہ زونیہ سے کتنی محبت کرتا ہے تو پھر آپ کو زونیہ کی شادی جاذل لالہ سے کرنے کی کیا ضرورت تھی، ہر وقت تو نظر آتی ہے وہ منحوس اس کو اس گھر میں، ایسے میں میرے ساتھ تو وہ ایسا ہی کرے گا۔'' رومیلہ کی بات پہ ماما جان خاموش ہو گئیں تھیں کہ کہہ تو وہ بھی صحیح رہی تھی ان کو بھی اب اکثر اپنی غلطی کا احساس ہوتا تھا اگر انہیں تب اس بات کا اندازہ ہوتا تو وہ کبھی بھی یہ فیصلہ نہ کرتیں، اس وقت تو ان کے سر پہ بس ایک ہی بات سوار تھی کہ کسی طرح ذوہیب کی شادی رومیلہ سے ہو جائے اور زونیہ علی خان اس شادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی جسے راستے سے ہٹانے کا انہیں اس وقت بس یہی حل نظر آیا تھا اس طرف تو تب ان کا دھیان ہی نہ گیا تھا ان کا خیال تھا کہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا، لیکن ایسا نہ ہوا تھا ذوہیب نے اگرچہ رومیلہ کو بیوی کا درجہ تو دے دیا تھا لیکن اس کے دل میں ابھی تک زونیہ بسی تھی یہ بات رومیلہ نہ بھی کہتی تب بھی ماما جان بخوبی جانتی تھیں ماما جان کچھ پل روتی ہوئی رومیلہ کو دیکھتی رہیں، پھر آگے ہو کر ایک بار پھر اس کے آنسو صاف کیے تھے اور بہت آہستہ آواز سے بولیں تھیں۔

''او کے میں مانتی ہوں کہ میں نے یہ غلطی کی ہے تو اب اس کو سدھاروں گی بھی میں ہی۔'' رومیلہ نے بے یقینی سے ان کو دیکھا تھا۔

''وہ کیسے؟''

''یہ تم مجھ پہ چھوڑ دو، ان آنسوؤں کو اس آنکھوں میں نہ سجایا جس کی وجہ سے تم روتی ہو تو میرا نام بدل دینا۔'' ماما جان نے رومیلہ کے کندھے کو تھپکتے ہوئے انتہائی نفرت سے کہا تھا، پھر رومیلہ تو ڈرائیور کے ساتھ میکے چلی گئی جبکہ ماما جان وہاں بیٹھی سوچ رہی تھیں کہ انہیں زونیہ کا اب کیا کرنا تھا، وہ ان کی اکلوتی بھانجی کی خوشیوں کی سب سے بڑی دشمن تھی اور اس دشمن کا انہیں کچھ نہ کچھ تو ضرور کرنا تھا، یہی سب سوچتے ہوئے ایک خیال سرعت سے ان کے ذہن میں آیا تھا اور دوسرے ہی پل وہ وہاں بیٹھی مسکرا رہی تھیں۔

☆☆☆

روحیل لالہ کے چھوٹے بیٹے حنظلہ کا برتھ ڈے تھا گھر پہ ایک پارٹی کا ارینج کیا گیا تھا جس میں بھابھی کے میکے والوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی مدعو تھے، بھابھی کچن میں تھیں تو زونیہ نے سوچا کہ وہ ان کے فارغ ہونے تک ایشبہ اور حنظلہ کو تیار کر دیتی ہے۔

''زونی اب تم بھی جلدی سے تیار ہو جاؤ، مہمان آتے ہی ہوں گے۔'' وہ حنظلہ کو جوتے پہنا رہی تھی جب بھابھی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا، وہ اپنے کمرے میں چلی آئی وہ دروازہ بند کر کے مڑی تو نظر واش روم سے نکلتے جاذل پہ پڑی، وہ گیلے بالوں کو تاول سے رگڑتا باہر نکلا، تو زونیہ کو دیکھ کر وہیں رک گیا تھا اس رات کے واقعے کے بعد وہ اپنی موجودگی میں آج زونیہ کو کمرے میں دیکھ رہا تھا، کیونکہ اس رات کے بعد وہ شانی لالہ کے کمرے میں سونے لگی تھی، وہ صبح جلدی اٹھ جاتی تھی اس لئے گھر میں کسی کو بھی اس بات کی خبر نہ تھی اس پہ نگاہ پڑتے ہی جاذل کے ہونٹوں پہ ایک بھرپور مسکراہٹ سج گئی تھی اسے یوں اپنی طرف دیکھتے اور مسکراتے پا کر زونیہ ایک پل کو کنفیوژ ہوئی تھی لیکن پھر خود پہ قابو پا کر تیزی سے الماری کی طرف بڑھی اور کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گئی جب وہ چینج کر کے نکلی تو وہ آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا اس کی طرف دیکھنے سے گریز برتتے ہوئے وہ الماری کی سمت بڑھ گئی جیولری نکالنے کے لئے اس نے جیسے ہی دراز کھولا اسے اپنے پاؤں کے نیچے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، وہ الماری کا پٹ تھامے ساکت سی خالی دراز کو گھورے جا رہی تھی، پھر اس نے وہ دراز تو کیا ساری الماری کنگال لی تھی لیکن جیولری وہاں ہوتی تو ملتی وہ سارا زیور اس دراز میں ہی رکھتی تھی پھر زیور کہاں گیا اسی سوچ میں اس کی نگاہیں جاذل پہ جا ٹھہری تھیں اسے یقین تھا کہ جیولری جاذل نے ہی اٹھائی ہے، جاذل جو آئینے کے سامنے کھڑا بالوں کو برش کر رہا تھا آئینے میں سے اسے یوں اپنی طرف گھورتے پا کر اس کی طرف مڑا تھا، وہ سوچ میں گری اسے ہی دیکھ رہی تھی کہ جاذل کے مڑ کے دیکھنے پہ بھی اس کی محویت نہ ٹوٹی تھی جاذل کافی حیران ہوا تھا کہ وہ تو اس کی

طرف دیکھ کر بات نہ کرتی تھی پھر ایکدم اسے شرارت سوجھی تھی۔

''او ہیلو، ایسے کیا دیکھ رہی ہیں، کیا بہت اچھا لگ رہا ہوں۔'' اس نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر کہا تھا تو زونیہ جیسے ایکدم ہوش میں لوٹی تھی پھر مشکوک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے باہر نکل گئی۔

جب وہ نیچے پہنچی کافی مہمان آچکے تھے، وہ سارا وقت یہ سوچ کر ہی پریشان ہوتی رہی کہ آیا یہ بات اس کو گھر میں کسی کو بتانی چاہیے یا نہیں لیکن یہ کوئی معمولی بات نہ تھی لاکھوں کا زیور تھا پھر اگر ماما جان کو پتا چل جاتا تو انہوں نے زونیہ کو ہی مود الزام ٹھہرانا تھا کہ اس نے ہی زیور سنبھال کر نہ رکھا ہوگا۔

مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد سب سونے کے لئے اپنے کمروں میں چلے گئے تو وہ اسمارہ بھابھی کے کمرے میں چلی آئی اور جب اس نے زیور والی بات روحیل لالہ اور بھابھی کو بتائی تھی تو ایک لمحے کو وہ دونوں بھی چپ سے رہ گئے تھے گھر میں آج تک کبھی کوئی چوری نہ ہوئی تھی تمام ملازم قابل بھروسہ تھے پھر یہ کام کون کر سکتا تھا وہ دونوں بخوبی جانتے تھے۔

''مجھے پتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا، سمجھایا تھا بابا جان کو کہ اس کے اکاؤنٹ میں پیسے ٹرانسفر کروا دیں چلو انہیں بھی مزہ تو آیا، آج گھر میں چوری کی ہے کل کو باہر ڈاکے ڈالے گا پھر خوب نام روشن ہوگا ہمارے بابا جانی کا، شراب پینا، ٹکے ٹکے کی عورتوں کو ساتھ لئے پھرنا، یہ سب کچھ تو کر چکا یہ کسر رہتی تھی لو آج وہ بھی پوری ہو گئی۔'' روحیل لالہ مٹھیاں بھینچے گویا پھٹ پڑے تھے، پھر زونیہ کا بازو تھام کر باہر کو لپکے تھے۔

''چلو میرے تھا اور جا کے بتاؤ بابا جان اور ماما کو ان کے بیٹے کے کارنامے۔'' اور پھر تھوڑی دیر بعد جاذل عمر خان بابا جان کی عدالت میں کھڑا تھا۔

''اپنے ہی گھر سے اپنی ہی بیوی کا زیور چوری کرتے ہوئے تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی، لیکن شرم ہوتی تو آتی۔'' بابا جان کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کو گولی سے اڑا دیں وہ پتہ نہیں کیسے خود پہ کنٹرول رکھے ہوئے تھے اور کنٹرول تو خود پہ جاذل عمر خان بھی بہت رکھے ہوئے تھا اس کا بس نہ چل رہا تھا ورنہ زونیہ کا تو گلا دبا دیتا جس نے اس کے منع کرنے کے باوجود بھی چوڑیوں والی بات بابا جان کو بتا دی تھی، وہ یہی سمجھا تھا کہ چوڑیوں کی بابت کی بات ہو رہی ہے، وہ لب بھینچے اپنے اشتعال کو کنٹرول کرتے زونیہ کو گھور رہا تھا جس پہ بابا جان کو اور غصہ آگیا تھا۔

''اسے کیوں گھور رہے ہو اس لئے کہ اس نے تمہارے کرتوت سب کو بتا دیئے ہیں، پچھتا رہا ہوں میں کہ تمہیں پڑھنے کے لئے باہر کیوں بھیجا فضول میں اپنا اتنا پیسہ ضائع کیا، یہیں کہیں چوروں کے گروہ میں چھوڑ دیتا، جب یہی سب کچھ کرنا تھا تو کم از کم ٹریننگ حاصل کر کے نامی گرامی چور تو بنتے۔'' بابا جان کی بات پہ وہ آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

''میں نے کوئی چوری نہیں کی ہے اس کے سامنے لے کر گیا تھا اس نے خود دیا تھا اپنی مرضی سے۔'' اس نے زونیہ کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو سب کی حیران و بے یقین نگاہیں زونیہ پہ آ ٹکی تھیں، جس پہ ایک پل کو تو چکرا کے رہ گئی تھی کہ زیور اس نے کب دیا تھا اور وہ بھی اپنی مرضی سے، لیکن چپ رہنے کا مطلب سارا الزام اپنے سر لینا تھا۔

''نہیں بابا جان میں نے صرف چوڑیاں دی تھیں، وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں یہ زبردستی لے کر گئے تھے، باقی زیور انہوں نے کب چرایا ہے مجھے نہیں معلوم۔'' سب کی نظریں خود پہ جمی پا کر وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی تھی تو جاذل نے نہ سمجھنے والے انداز میں اس کو دیکھا تھا وہ تو یہی سمجھا تھا کہ بابا جان چوڑیوں کے متعلق پوچھ رہے ہیں لیکن یہاں تو معاملہ ہی اور لگ رہا تھا اور سارا الزام اس پہ آ رہا تھا اور الزام بھی کوئی اور نہیں اس کی اپنی بیوی لگا رہی تھی جس پہ وہ انگاروں پہ لوٹ گیا تھا۔

''باقی زیور، باقی زیور کون سا، میں کیوں چراؤں گا تمہارا زیور، تم نے مجھے چور سمجھ رکھا ہے تمہاری جرأت کیسے ہوئی ہے مجھ پہ الزام لگانے کی۔'' وہ بپھرے ہوئے شیر کی مانند اس پہ جھپٹا تھا اگر روحیل لالہ درمیان میں آتے تو وہ شاید اس کا گلا دبا دیتا۔

''اب یہ بات نہ کرو یار ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔'' روحیل لالہ کی بات پہ اس نے تو غصے سے لب بھینچ لئے تھے لیکن ماما جان جو پاس کھڑی سب کچھ سن رہی تھیں روحیل لالہ کی بات پہ فوراً بول پڑیں تھیں۔

''لیکن روحیل ضروری تو نہیں ہے کہ زیور جاذل نے ہی چرایا ہے وہ بھلا اتنی گری ہوئی حرکت کیوں کرے گا یہ کام کوئی ملازم بھی تو کر سکتا ہے۔'' ماما جان کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ بابا جان کی توپوں کا رخ ان کی طرف ہو گیا تھا۔

''خدا کے لئے بیگم آپ تو چپ ہی رہیں آپ کی بے جا طرف داری نے ہی آج یہ دن دکھایا ہے ہمیں لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے بہت برداشت کر لیا میں نے اس کی حرکتوں کو اب اور نہیں اسے کہیں چلا جائے اس گھر سے میں ہر چیز برداشت کر سکتا ہوں لیکن ایک چور کے لئے میرے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔'' بابا جان نے چہرے کے سخت تاثرات سمیت کہا تھا تو جاذل عمر خان سامنے کھڑے اپنے باپ کے چہرے کو دیکھے گیا تھا۔

اگرچہ محبت تو وہ اس سے پہلے بھی نہ کرتے تھے لیکن اپنے لئے اتنی نفرت اتنی درشتگی ان کے چہرے پہ اس نے اس سے پہلے نہ دیکھی تھی لیکن وہ انہیں اپنے بے گناہی کا یقین کیسے دلاتا کہ اس پہ الزام کسی اور نے نہیں اس کی اپنی بیوی نے لگایا تھا اس گھر میں رہنے والوں کی رائے اس کے بارے میں پہلے اچھی تو نہ تھی لیکن آج رہتی سہتی کسر بھی پوری ہو گئی تھی اور یہ سب زونیہ علی خان کی وجہ سے ہوا تھا، توہین غصے اور بے بسی کے ملے جلے احساسات سے اس کا چہرہ ہی سرخ نہ ہوا تھا اس کی آنکھیں بھی لہو رنگ ہو گئی تھیں۔

''بہت برا کیا ہے تم نے زونیہ علی خان، بہت برا لیکن میرے ساتھ نہیں اپنے ساتھ اس سب کی تمہیں بہت بڑی سزا بھگتنی پڑے گی اب جو کچھ میں تمہارے ساتھ کروں گا تمہیں شاید اندازہ بھی نہیں ہے۔'' اس نے اپنی سرخ انگارہ آنکھیں زونیہ پہ ٹکاتے ہوئے کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

''جاذل رکو، جاذل میرے بچے میری بات سنو۔'' ماما جان اس کے پیچھے لپکیں تھیں لیکن بابا جان کی آواز پہ ان کے قدم دروازے کے فریم میں ہی جم گئے تھے۔

''بیگم اگر آپ کو اس سے اتنی ہی محبت ہے تو چلی جائیے اس کے ساتھ لیکن یہ طے ہے کہ اب میں اس کو اس گھر میں ایک لمحہ بھی برداشت نہیں کرونگا۔'' بابا جان نے دوٹوک الفاظ میں کہا تھا اور وہاں سے اٹھ گئے تھے ان کے جانے کے بعد ماما جان نے ایک قہر بھری نگاہ سامنے صوفے

پہ بیٹھی زونیہ پہ ڈالی تھی۔
''تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو کہ زیور جاذل نے ہی چرایا ہے، شرم آنی چاہیے تھی اپنے ہی شوہر پہ اتنا گھٹیا الزام لگاتے ہوئے۔'' پھر ماما جان تو درشت نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کمرے میں چلی گئیں جبکہ زونیہ کی آنکھیں یہ سوچ کر ڈبڈبا گئیں تھیں کہ اگر وہ نہ بتاتی اور کل کو کسی طرح یہ بات کھل جاتی تو پھر بھی ماما جان نے اس کو ہی مود الزام ٹھہرانا تھا اور اب جب اس نے بتا دیا تا تو تب بھی وہی مجرم تھی، پتا نہیں ماما جان کو اس سے اتنی نفرت کیوں تھی۔

☆☆☆

وہ بیڈ پہ نیم دراز سگریٹ ہونٹوں میں دبائے نجانے کس سوچ میں گم تھا جب سائیڈ ٹیبل پہ پڑا اس کا موبائل بجنے لگا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا لیا، لیکن فون کی سکرین پہ چمکتے ''ماما جان کالنگ'' کے الفاظ دیکھ کر بند کر دیا۔
ایک ہفتہ ہو گیا تھا اسے یاور کے فلیٹ پہ رہتے ہوئے اور اس دوران ماما جان کئی بار فون کر چکیں تھیں لیکن وہ ہر بار ان کا نمبر دیکھتے ہی کال کاٹ دیتا تھا اس بار بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا لیکن فون پھر سے بجنے لگا تھا وہ کچھ دیر موبائل کو گھورتا رہا پھر اٹھا کر کان سے لگا لیا۔
''جی فرمائیں اب کیا کہنا ہے آپ کو اگر کوئی کسر چھوڑ دی ہے آپ کے شوہر نامدار نے تو وہ اب آپ پوری کر دیں۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔
''بری بات جاذی ایسے نہیں کہتے، بابا ہیں وہ تمہارے اور ویسے بھی کچھ ہوا اس میں ان کا کیا قصور تم پہ چوری کا الزام تو تمہاری بیوی نے لگایا ہے۔'' ماما جان کی بات وہ لب بھینچ گیا تھا پھر اس نے کچھ بھی سنے بغیر فون بند کرکے بیڈ پہ پھینک دیا، ماما جان کی آخری بات نے اس کے اندر آگ بھڑکا دی تھی۔
''بیوی ہونہہ، اس لڑکی نے اسے سب کے سامنے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا۔'' وہ اٹھ کر کمرے میں اِدھر سے اُدھر چکر لگاتا خود پہ ضبط کرنے لگا، کچھ دیر وہ چکر لگاتے نجانے کیا سوچتا رہا پھر ایک فیصلے پہ پہنچتے ہوئے اس نے فون اٹھا کر ثنا کا نمبر ملایا تھا، ثنا کے کال ریسو کرتے ہی اس نے جو بات کی تھی اسے سننے کے بعد ثنا کو کتنے ہی پل اپنی سماعتوں پہ یقین نہ آیا تھا، جاذل عمر خان کی بیوی بننے کا خواب تو وہ کب سے دیکھ رہی تھی لیکن اس کا یہ خواب کبھی حقیقت کا روپ دھار لے گا اس بات کا یقین نہ تھا اسے ثنا کو خاموش پا کر وہ پتہ ہیں کیا سمجھا تھا تبھی بولا تھا۔
''ثناء آئی نو کہ تم کیا سوچ رہی ہو، اس لئے میں ایک بات کلیر کر دوں کہ میں تم سے شادی اپنی وائف کو ڈائی ورس دینے کے بعد ہی کروں گا بہر حال پھر بھی تم سوچ لو فیصلہ تمہیں کرنا ہے تمہارے پاس دو دن ہیں دو دن بعد مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا، بس تمہاری کال کا انتظار کرونگا۔'' فون بند کرتے ہوئے اسے پورا یقین تھا کہ ثنا کی طرف سے ہاں ہی ہو گئی اور ایسا ہی ہوا تھا پنکی نے اگلے دن ہی فون کر کے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا ثنا اتنی اچھی آسامی کو ہاتھ سے کیسے جانے دے سکتی تھی وہ اگر اپنی بیوی کو طلاق نہ بھی دیتا تب بھی وہ اس سے شادی کر لیتی اور اب تو وہ یہ بھی کر رہا تھا۔
یاور کو پتہ چلا تو گنگ رہ گیا، پھر کافی دیر بعد بولا تھا۔
''نہیں خان تو ٹھیک نہیں کر رہا ہے یار، تجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔''
''اچھا اور جو میرے ساتھ ہو رہا ہے وہ ٹھیک تھا تو بتا اگر تیری بیوی یوں بھرے مجمعے میں تجھ پہ اس طرح گھٹیا الزام لگا کر بے عزت کرتی تو، تو کیا کرتا۔'' یاور کی بات پہ وہ پھٹ پڑا تھا، یاور کچھ پل اس کے غصے کی شدت سے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھتا رہا پھر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں بولا تھا۔
''آئی نو خان کہ تمہارے ساتھ بھی اچھا نہیں ہوا ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے، بھابھی کو تم پہ یوں الزام نہیں لگانا چاہیے تھا لیکن اس میں اتنا قصور ان کا بھی نہیں ہے یار یہ بھی تو سوچو کہ جس طرح کی ہم لوگوں کی سرگرمیاں ہیں ایسے میں ہماری بیویاں ہم کتنا اعتبار کر سکتی ہیں سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ ہمارے ساتھ رہ لیتی ہیں یہ ہی بہت ہے اعتبار، اعتماد تو بہت دور کی بات ہے، میں تو تمہیں یہ ہی مشورہ دوں گا کہ ایسا مت کر۔'' یاور کی آخری بات پہ وہ سلگ کر رہ گیا تھا۔
''تو ایسا کہہ سکتا ہے کیونکہ یہ سب تیرے ساتھ نہیں ہوا ہے۔'' پھر یاور کے بہت منع کرنے پہ بھی اس نے اپنا فیصلہ نہ بدلا تو وہ مجبوراً یاور کو اس کی فیملی کو آگاہ کرنا پڑا تھا، اس نے روحیل لالہ کو فون پہ ساری بات بتا دی تھی اس کی بات پہ روحیل لالہ کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا رات کو ڈنر پہ جب یہ بات انہوں نے بابا جان کو بتائی تھی تو وہ بھی شاکڈ رہ گئے تھے، زونیہ جو پانی کا جگ لے کر آ رہی تھی ان کی بات پہ جگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا، آواز پہ سب کی نظر اس کی سمت اٹھی تھی وہ ساکت وصامت روحیل لالہ کو دیکھے جا رہی تھی۔
''زونی!'' اس سے پہلے کہ روحیل لالہ اٹھ کر اس تک پہنچتے وہ جھٹکے سے مڑی تھی اور دوڑتے ہوئے اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی تھی، روحیل لالہ اور بھابھی کے کئی بار دستک دینے پہ بھی اس نے دروازہ نہ کھولا تھا، بابا جان بھی کھانا کھائے بغیر ٹیبل سے اٹھ گئے تھے، ذوہیب علی خان کی بھوک بھی اڑ چکی تھی۔
''نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے، ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دوں گا میں۔'' وہ ایک جھٹکے سے کرسی پیچھے دھکیلتے ہوئے اٹھ گیا تھا ذوہیب کے اس طرح اٹھ کر جانے پہ ماما جان نے رومیلہ کو اشارہ کیا تھا اور پھر دونوں مسکرا دیں تھیں، گھر کا ہر فرد پریشان تھا سوائے ان دونوں کے وہ دونوں اپنے پلان کے پہلے سٹیپ کے کامیابی سے ہمکنار ہونے پہ بہت خوش تھیں۔

☆☆☆

اگلا پورا دن ذوہیب نے آفس میں یہ سوچتے ہوئے گزارا تھا کہ وہ جاذل کو ایسا کرنے سے کیسے باز رکھے، شام چار بجے وہ ایک فیصلہ کرتا آفس سے نکل آیا تھا تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ یاور کے گھر پہ تھا۔
''جاذل دیکھو کوئی تم سے ملنے آیا ہے۔''
یاور اسے جاذل کے پاس چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا تو جاذل نے تیوری چڑھا کر ذوہیب کو دیکھا تھا۔
''مجھ سے یعنی ایک چور سے ملنے کی ضرورت آپ کو کیوں پیش آ گئی مسٹر ذوہیب عمر خان۔'' اس کی بات پہ ذوہیب چپ سا اسے دیکھے گیا تھا اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ بات کہاں سے شروع کرے، ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ جاذل کا موبائل بجنے لگا سکرین پہ جگمگاتے نمبر کو دیکھنے کے بعد اس نے ذوہیب کو دیکھا تھا، ثناء کی کال تھی جاذل کو دیکھتے ہوئے اس نے موبائل کان سے لگا لیا تھا۔
''ثنا میں تم سے تھوڑی دیر میں ملتا ہوں۔''
اپنی بات کہہ کر اس نے فون بند کر کے جیب میں

ڈالا اور ذوہیب سے بولا تھا۔
''بولو بھی کیا بات کرنا ہے، ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔'' ذوہیب نے بہت دھیان سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا جس پہ دنیا جہاں کی بے زاری چھائی ہوئی تھی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جاذل عمر خان کو سمجھانا یا کسی کام سے باز رکھنا دنیا کے مشکل ترین کاموں میں سے ایک تھا، وہ تو ان لوگوں کی بھی بہت کم سنتا تھا جن کے ساتھ اس کی گاڑھی چھنتی تھی اور ذوہیب کے ساتھ تو اس کے تعلقات کبھی بھی خوشگوار نہ رہے تھے، اگرچہ تعلقات تو اس کے سوائے ماما جان کے باقی سب سے بھی اتنے اچھے نہ تھے لیکن ذوہیب کے ساتھ اس کے تعلقات میں عجیب سی کشیدگی پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے ذوہیب کو آج تک سمجھ نہ آئی تھی، روحیل لالہ سے وہ پھر بھی کبھی خوشگوار موڈ میں بات کر لیا کرتا تھا لیکن ذوہیب سے بات کرتے ہوئے اس کے لہجے کی تلخی بہت واضح ہوتی تھی اور جاذل کے انگلینڈ سے واپس آنے کے بعد ان دونوں کے درمیان سرد مہری کی دھند اور گہری ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے ذوہیب آج تک سمجھنے سے قاصر تھا۔
''یار جلدی کہو جو بھی کہنا ہے مجھے کہیں جانا ہے۔'' ذوہیب کو خاموش پا کر اس نے کس قدر بے زار کن لہجے میں کہا تو اس کے لہجے پہ خاموش کھڑے ذوہیب کو بھی غصہ آ گیا تھا، تبھی تو لفظوں کو چبا چبا کر بولا تھا۔
''ثناء سے ملنے، ہے نا۔''
''ہاں ثنا سے ملنے، تمہیں کوئی اعتراض ہے۔'' ذوہیب نے بہت تاسف سے اس کو دیکھا تھا پھر قدرے دھیمے لہجے میں بولا تھا۔
''ایک بات کہوں لالے، مائنڈ مت کرنا، یہ جو ثنا جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں نا ہمارے جیسا فیملی بیک گراؤنڈ رکھنے والے لڑکے ان کے ساتھ دوستی تک تو افورڈ کر سکتے ہیں لیکن ان سے شادی کا مطلب اپنے ہاتھوں سے ذلت کا طوق اپنے گلے ڈالنے والی بات ہوتی ہے۔'' ذوہیب کی بات پہ جاذل کے ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔
''ذلت کا طوق تو میرے گلے ڈل چکا یار جب کسی شخص کی بیوی اس پہ یوں بھری محفل میں چوری کا الزام لگا کر بے عزت کر کے رکھ دیا تو اس سے زیادہ ذلت کی بات اور کیا ہو گی۔'' بات کرتے کرتے اس کا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں، آنکھوں کی نمی صاف کرتا وہ ذوہیب کی طرف دیکھے بغیر یاور کے فلیٹ سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

عائشہ کے دو سال بعد جاذل پیدا ہوا تھا اور روحیل سے بھی زیادہ خوبصورت تھا، سرخ وسفید رنگت بڑی بڑی چمکدار آنکھیں ماما جان تو اسے پیار کرتے نہ تھکتیں، سانولی سلونی عائشہ کی پیدائش پہ انہیں جو کمی محسوس ہوئی تھی وہ چاند چہرہ رکھنے والے جاذل عمر خان نے بہت حد تک کم کر دی تھی، بابا جان سے بھی اسے اتنا پیار ملا تھا جو روحیل اور عائشہ کے حصے میں نہ آیا تھا، بابا جان کی تو گویا جان تھی اس میں آفس سے آنے کے بعد وہ اپنا سارا وقت اس کے ساتھ گزارتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ ماما کی نسبت بابا جان سے زیادہ اٹیچ ہو گیا، لیکن بابا جان کا یہ پیار صرف تب تک رہا تھا جب تک ذوہیب عمر خان دنیا میں نہ آیا تھا۔
وہ ساڑھے چار سال کا تھا جب ذوہیب پیدا ہوا تھا ذوہیب کے دنیا میں آتے ہی نہ صرف ماما جان بلکہ بابا جان کی توجہ کا مرکز بھی اب وہی ہونا تھا چھوٹا ہونے کے باعث ماما جان اس کو زیادہ توجہ دیتیں تو جاذل جس نے ساڑھے چار سال تک اکیلے ماما جان کی محبت و توجہ سمیٹی تھی جل جاتا، آفس سے آنے کے بعد بابا جان جب ننھے ذوہیب کو اٹھا کر اس کا چہرہ چومتے تو پاس کھڑے جاذل عمر خان کا دل کرتا کہ ساری دنیا کو آگ لگا دے یا پھر ذوہیب کو اٹھا کر دور پھینک آئے جس نے اس سے اس کے بابا جان کو چھین لیا تھا، اس کے اندر وحشت اور احساس کمتری نے ڈیرے ڈالنا شروع کر دیے تھے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا احساس کمتری بڑھتا گیا تھا اب وہ جان بوجھ کر ہر وہ کام کرتا تھا جس سے بابا جان کو چڑ ہوتی تھی، سکول کی تعلیم کے بعد بابا جان نے اس کو مزید تعلیم کے لئے انگلینڈ بھیجنا چاہا تو اس نے بہت احتجاج کیا تھا کہ اسے باہر نہیں جانا ہے لیکن بابا جان نے اس کو جھاڑ کے رکھ دیا تھا کہ وہ کوئی ننھا بچہ نہ تھا جو گھر سے دور نہ رہ سکتا تھا پھر اس کے ہر احتجاج کی پرواہ کیے بغیر انہوں نے اسے انگلینڈ بھیج دیا تھا، لیکن جب چند سال بعد ذوہیب نے ہائر سٹڈی کے لئے باہر جانا چاہا تھا تو ماما جان اور بابا جان دونوں نے یہ کہتے ہوئے منع کر دیا تھا کہ وہ اسے خود سے دور نہیں بھیج سکتے تھے، چھوٹا ہونے کی وجہ سے وہ ان دونوں کو بہت لاڈلا تھا، جب اس بات کی خبر جاذل کو ہوئی جس کا آکسفورڈ یونیورسٹی میں فائنل ائیر تھا تو اس کے ذہن پہ چھائے بدگمانی کے بادل (کہ بابا جان ذوہیب سے زیادہ محبت کرتے ہیں) کچھ اور گہرے ہو گئے تھے، اپنے اندر کی وحشتوں کو قرار دینے کے لئے وہ شراب پینے لگا تھا، نائٹ کلبوں میں جانا اس کا معمول بن گیا تھا احسان انکل کے ذریعے جب اس بات کی خبر بابا جان کو ہوئی تو ان کا خون کھول گیا تھا سٹڈی کمپلیٹ ہونے کے بعد جب اس نے واپس آنے سے انکار کرتے ہوئے وہیں اپنے ایک انگریز دوست کے فادر کی فرم میں جاب کر لی تو یہ سن کر ماما جان رونے لگی تھیں پھر انہوں نے فون پہ بہت بار اسے واپس آنے کا کہا تھا، لیکن اس نے تو اپنے دل کو پتھر کر لیا تھا، لیکن پھر روحیل، اشہب اور عائشہ کی شادی کا سن کر وہ پتھر بھی پگھلنے لگا تھا اپنوں کی خوشی میں شریک ہونے کی خواہش اس کے اندر سر اٹھانے لگی تھی تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ پاکستان چلا آیا، ماما جان اس کے واپس آنے پہ بہت خوش تھیں لیکن بابا جان اس کے گلے ملتے ہوئے اسے ان کے انداز میں ایسی کوئی گرمجوشی محسوس نہ ہوئی تھی جیسی کہ ایک باپ کو اتنے سال بعد اپنے بیٹے سے مل کر ہونی چاہیے تھی، وہ اس سے ناراض تھے اس لئے اس کے ساتھ ان کا رویہ قدرے خشک سا ہی تھا ان کے رویے پہ وہ بہت ڈس ہارٹ ہوا تھا مگر گھر میں تین تین شادیاں تھیں سب مصروف تھے کوئی بھی اسے صحیح طرح ٹائم نہ دے پایا تھا جس پہ وہ کافی مایوس ہوا تھا، وہ واپس اپنے خول میں سمٹنے لگا تھا، اشہب لالہ والے حادثے کے بعد بابا جان جب عائشہ کی شادی صارم سے کرنے لگے تو عائشہ کے آنسوؤں پہ اس کا دل کڑھ کر رہ گیا تھا، خود کو بہت روکتے ہوئے بھی وہ بابا جان کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔
''وہ میری بیٹی ہے مسٹر اور میں اسی کے بارے میں ہر طرح کا فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہوں سو پلیز آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔''
بابا جان نے ماتھے پہ شکنیں لئے کچھ اس قدر بیگانگی سے کہا کہ وہ کتنے ہی پل یہ سوچے گیا تھا کہ کیا واقعی وہ ان کی سگی اولاد تھا کچھ پل وہ ان کا چہرہ دیکھتا رہا پھر گاڑی لے کر گھر سے نکل گیا اس کے بعد وہ مکمل طور پر اپنے خول میں

سمٹ گیا تھا اس نے ایک بار پھر اپنے دل کو پتھر کر لیا تھا سارا سارا دن بے مقصد سڑکوں پہ گاڑی دوڑائے جاتا بابا جان نے روحیل لالہ کے ذریعے اسے کہا تھا کہ وہ آفس جوائن کر لے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تھا یہ کہتے ہوئے کہ اسے ان کے بزنس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بابا جان نے اس کے انکار کا سنا تو غصے سے ان کا خون کھول گیا تھا، لیکن اب وہ کوئی چھوٹا بچہ نہ تھا جسے ڈانٹ ڈپٹ کر وہ اپنی مرضی کا کام کروا سکتے تھے سو جل کڑھ کر چپ کر رہے۔

اسے پاکستان آئے دو سال ہونے والے تھے جب ایک دن اچانک اس کی ملاقات یاور ملک سے ہوئی تھی وہ ایک میوزک سینٹر سے اپنی پسند کی کچھ سی ڈیز خرید کر اپنے ہی دھیان میں گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا جب سامنے سے آتے شخص سے ٹکرا گیا تھا، سی ڈیز اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھیں جس پہ اس نے شعلہ بار نظروں سے سامنے دیکھتے ہوئے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے لیکن سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر اس کا سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا اگلے لمحے وہ دونوں بازو وا کرتا یاور ملک کے گلے جا لگا تھا یاور اس کا سکول کا فرینڈ تھا جسے اتنے سالوں بعد بھی وہ فوراً پہچان گیا تھا، پھر یاور سے ملنے کے بعد اس کا زیادہ وقت اب یاور کے گھر پہ ہی گزرتا تھا یاور کی ساری فیملی ملتان کے قریب ایک گاؤں میں رہتی تھی وہ اسلام آباد والے گھر میں تنہا ہی ہوتا تھا، یاور ملک سے ملنے کے بعد اس کی آوارہ گردیاں انتہا کو چھو گئیں تھیں اب اس کے دوستوں میں کئی لڑکیاں بھی شامل تھیں جن میں سے بعض کے ساتھ تو وہ دوستی سے آگے کی حد بھی پار کر گیا تھا بابا جان اس کی حرکتوں سے بہت نالاں تھے لیکن وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ کون سا ان کے کہنے سننے میں تھا کبھی کبھار تنگ آ کر وہ اسے پیسے دینا بند کر دیتے تو وہ ماما جان سے لے لیتا تھا گھر میں ماما جان وہ واحد ہستی تھیں جن سے وہ پھر بھی کوئی بات کر لیا کرتا تھا ورنہ باقی سب سے ہم کلام ہوئے تو اسے ہفتوں گزر جاتے، وہ صبح گھر سے نکلتا تو واپسی آدھی رات کے بعد ہوتی تھی اس رات بھی وہ کافی لیٹ آیا تھا وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا جب زونیہ جو اپنے ہی دھیان میں تیزی سے سیڑھیاں اتر رہی تھی جاذل کو دیکھ کر وہ ایک سائیڈ پہ ہونے لگی تھی کہ اس کا پاؤں مڑا اور اگلے ہی پل وہ جاذل عمر خان کے بازوؤں میں تھی، جاذل بھی اس حملے کے لئے قطعی تیار نہ تھا زونیہ کو ایک بازو کے حصار میں لیتے ہوئے وہ دوسرے ہاتھ سے سیڑھیوں کی ریلنگ نہ تھامتا تو یقیناً دونوں نیچے آ رہتے، کچھ حواس بحال ہوئے تو زونیہ نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تھا لیکن جب اس کی خوفزدہ نگاہیں جاذل عمر خان کی نگاہوں سے ٹکرائیں تھیں تو وہ تڑپ کر اس کے بازو کے حصار سے نکلی تھی اور اگلے ہی پل تیزی سے سیڑھیاں اترتی اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی اس بات سے بے خبر کہ وہ وہاں سیڑھیوں پہ کھڑے جاذل عمر خان کے دل کا چین و سکون بھی اپنے ساتھ سمیٹ لائی تھی اس ساری رات وہ نہ سویا تھا جب بھی آنکھیں بند تو دو سبز کانچ سی خوفزدہ آنکھیں دھیان کے پردے پہ آ ٹھہرتی تھیں پھر سر جھٹک کر وہ سونے کی کوشش کرنے لگتا، اس کا خیال تھا کہ یہ ایک وقتی کیفیت تھی لیکن آنے والے دنوں نے اس پہ انکشاف کیا تھا کہ وہ وقتی کیفیت نہ تھی ہر جگہ ہر پل وہ آنکھیں وہ چہرہ اس کے ساتھ رہتا تھا ہر لڑکی کے چہرے پہ اسے اسی چہرے کا گمان ہوتا تو وہ جھنجھلا جاتا، وہ بہت سی لڑکیوں سے ملا تھا

لیکن اس طرح کی کیفیت پہلے تو کبھی نہیں ہوئی تھی وہ چہرہ وہ آنکھیں اس کے حواس پہ کچھ اس طرح چھائیں تھیں اب اسے کسی اور چہرے میں کشش ہی محسوس نہ ہوتی تھی اور پھر یہ ان آنکھوں اور ان آنکھوں کے مالک چہرے کا کمال ہی تھا کہ وہ ناشتے کھانے کی ٹیبل پہ پایا جاتا تھا اس تبدیلی پہ جہاں سب حیران تھے وہی خوش بھی تھے کہ چلو اب وہ گھر پہ ٹکنے تو لگا تھا، لیکن جاذل عمر خان جس چہرے کو دیکھنے کے لئے وہاں موجود ہوتا تھا اس چہرے کی مالک ہستی نے کبھی نگاہ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھا تھا یاور اب اسے چھیڑنے لگا تھا۔

''یار خان خیریت تو ہے نا، آج کل میرے یار کا دل گھر پہ بڑا لگنے لگا ہے۔'' تو وہ یاور کی بات پہ مسکرا دیتا تھا۔

وہ کچھ وقت گھر پہ گزارنے لگا تو اس پہ انکشاف ہوا تھا کہ زونیہ علی خان کی زندگی میں ذوہیب عمر خان بہت خاص مقام رکھتا تھا اور اس انکشاف کے ساتھ ہی اس کے اندر ذوہیب کے لئے نفرت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

جاذل پورچ میں کھڑا گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا جب زونیہ دور سے ہی آواز دیتی چلی آئی تھی۔

''ذیبی لالہ ایک منٹ رکیں، کہاں جا رہے ہیں آپ؟'' اس کی آواز پہ جاذل جھٹکے سے مڑا تھا تو اسے دیکھ کر زونیہ کے قدم اس سے چند قدم کے فاصلے پہ ہی تھم گئے تھے، اسے کچھ بکس منگوانی تھیں اس نے جاذل کو ذوہیب سمجھ کر آواز دی تھی۔

''سوری میں نے سمجھا ذوہیب لالہ ہیں۔'' وہ قدرے شرمندہ ہو کر واپس پلٹنے لگی تھی لیکن جاذل کی آواز پہ اسے رکنا پڑا تھا۔

''اگر کہیں جانا ہے تو میں چھوڑ دیتا ہوں۔'' اس نے اس کے خوبصورت چہرے کو نظروں کی گرفت میں لے کر کہا تھا۔

''نن...... نہیں لالہ آپ جائیں، وہ مجھے بس کچھ بکس منگوانا تھیں میں ذیبی لالہ سے کہہ دوں گی وہ لے آئیں گے۔'' بات مکمل کر کے وہ وہاں رکی نہ تھی، تیزی سے پلٹتے ہوئے اندر چلی گئی پتہ نہیں کیا بات تھی کہ اپنے اس کزن کے سامنے آتے ہی اس کی بولتی کیوں بند ہو جاتی تھی، گھر سے باہر جاذل کی سرگرمیوں کے بارے میں اس نے بہت کچھ سن رکھا تھا اور شاید یہ ان باتوں کا ہی اثر تھا جاذل کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں جو اب اکثر سرخ ہی رہتی تھیں ان سے زونیہ کو اس قدر خوف محسوس ہوتا تھا کہ سامنا ہونے پہ بھی وہ اس کے چہرے کی سمت دیکھنے سے گریز برتتی تھی، چونکہ اب وہ زیادہ وقت گھر پہ ہی گزارتا تھا تو یہ بات اس سے چھپی نہ رہی تھی اور اس کی وجہ بھی وہ اب بہت اچھی طرح جان گیا تھا، تبھی تو زونیہ کے چلے جانے کے بعد بھی کتنی دیر وہاں کھڑا اجلتا رہا تھا، پھر یہ جاننے کے بعد کہ وہ زونیہ علی خان کی زندگی میں اس کے دل میں وہ جگہ کبھی حاصل نہیں کر سکتا جو ذوہیب عمر خان کی تھی وہ واپس اپنی دنیا میں لوٹ گیا تھا ایک بار پھر اس کی گاڑی کا رخ گھر کی طرف آدھی رات کے بعد ہی ہونے لگا اب بھی کبھی کبھی وہ سبز کانچ سی آنکھیں اس کے دل کی دنیا میں تباہی مچانے لگتی تھیں دل کئی بار ان آنکھوں کے مالک چہرے کو دیکھنے کے لئے بے قرار ہونے لگتا تھا لیکن وہ سختی سے دل کی اس خواہش کا گلا گھونٹ کر اس چہرے کو بھولنے کی کوشش کرنے لگتا پھر انہی دنوں اسے ثنا زبیری ملی تھی جس کے والدین اس کے بچپن

میں ہی وفات پا چکے تھے وہ راولپنڈی میں اپنی بہن بہنوئی کے ساتھ رہتی تھی، وہ ایک ماڈل گرل تھی لیکن ماڈلنگ کی دنیا میں اس کو اتنی پذیرائی نہ ملی تھی جس سے مایوس ہو کر اس نے امیر لڑکوں سے دوستی کرنے ان کی راتیں رنگین کر کے پیسہ بٹورنے کا دھندا شروع کر دیا، جاذل عمر خان ان دنوں اتنا بکھرا ہوتھا کہ ثنا زبیری کو اس سے مراسم بنانے کے لئے زیادہ تگ و دو نہ کرنی پڑی تھی ثناء سے ملنے کے بعد جاذل عمر خان کا دل کسی حد تک بہل گیا تھا، بظاہر یوں لگتا تھا کہ وہ زونیہ کو بھول چکا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہ تھا، گھر میں صرف ماما جان تھیں جن سے وہ پھر بھی بات کر لیا کرتا تھا اور وہ بھی تب جب اسے پیسوں کی ضرورت ہوتی تھی پھر اس سوچ نے اسے اب سے مزید دور کر دیا تھا اور جب اس نے اپنے دل کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی تھی کہ زونیہ علی خان کی محبت اس کے نصیب میں نہیں ہے تو ایک دن وہی زونیہ علی خان اس کے نصیب میں لکھ دی گئی، اس نے کتنا احتجاج کیا تھا کہ اسے زونیہ سے شادی نہیں کرنا وہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کیسے کر سکتا تھا جو اس سے محبت نہیں کرتی تھی، جس کے دل میں ذوہیب عمر خان بستا تھا، لیکن بابا جان نے اس کے کسی احتجاج کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس کی شادی زونیہ سے کر دی تھی، بابا جان کے عاق کرنے کی دھمکی پہ بے بس ہو کر اس نے زونیہ سے شادی کر لی تھی لیکن ولیمے والے دن جب اس نے سٹیج پہ اپنے برابر بیٹھی زونیہ کو آنسو بہاتے دیکھا تھا تو اس کے دل و دماغ پہ ایک وحشت سی چھانے لگی تھی جب وہ یہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی تو انکار کر دیتی اس چیز پہ اسے اتنا غصہ تھا کہ اس کا رویہ زونیہ کے ساتھ بہت خراب ہوتا تھا، وہ نہ تو اس سے بات کرتا تھا نہ ہی اسے اپنا کوئی کام کرنے دیتا تھا وہ جب بھی اسے دیکھتا تو اس کے دل و دماغ پہ بس ایک ہی بات غلبہ پانے لگتی کہ اگر ذوہیب کی شادی رومیلہ سے نہ ہوتی تو کیا زونیہ اس سے شادی کے لئے ہامی بھرتی اور وہ اپنے اس سوال کا جواب بہت اچھی طرح جانتا تھا، تبھی تو اس کی صورت دیکھتے ساتھ ہی غصہ اس کے اندر سے سر اٹھانے لگتا تھا، بابا جان زونیہ کے ساتھ اس کا رویہ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتے رہتے تھے۔

اب انہیں کیا پتہ تھا کہ بظاہر زونیہ کے ساتھ بہت سخت رویہ رکھنے اور اس کی صورت سے بھی بے زار دکھائی دینے والے جاذل عمر خان کے دل کی دنیا میں اگر کسی کا بسیرا تھا تو صرف زونیہ علی خان کا وہ اب بھی اس سے بہت محبت کرتا تھا، مگر جب اس نے بھری محفل میں اس پہ چوری کا الزام لگایا تھا تو وہ یہ سب اس کے لئے ناقابل برداشت تھا، وہ یہ تو برداشت کر گیا تھا کہ وہ اس سے نہیں ذوہیب سے محبت کرتی ہے، وہ یہ بھی سہہ گیا تھا کہ اس نے اس سے شادی صرف اس وجہ سے کی کہ ذوہیب کی شادی رومیلہ سے ہو رہی تھی تو اس گھر میں، شاہی لالہ کے قریب رہنے کے لئے اس نے جاذل کا ساتھ قبول کیا تھا، وہ تو اس بات کو بھی برداشت کر گیا تھا جب ولیمے کے فنکشن میں وہ اس کے پہلو میں بیٹھی ذوہیب عمر خان کے لئے آنسو بہا رہی تھی حالانکہ اس وقت اس کا شدت سے جی چاہا تھا کہ وہ اپنے برابر بیٹھی لڑکی کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دے جو اپنے شوہر کے برابر بیٹھ کر کسی اور کے لئے رو رہی تھی، لیکن وہ پھر بھی خود پہ ضبط کر گیا تھا مگر اب کی بار یہ سب اس کے لئے ناقابل برداشت تھا اس لڑکی نے بھرے مجمعے میں اس پہ چوری کا الزام عائد کر کے اس کو دو کوڑی کا کر چھوڑا تھا اس پہ اتنا گھٹیا الزام لگاتے ہوئے اس نے ایک لمحے کو بھی نہ سوچا تھا تو پھر اب وہ کیوں اس کے لئے سوچتا اس سے علیحدگی کا فیصلہ کرتے ہوئے اس نے اپنے دل کو (جس میں آج بھی زونیہ علی خان بستی تھی) کئی جواز دے کر مطمئن کیا تھا، حالانکہ یہ صرف وہی جانتا تھا کہ اس کا دل کتنا مطمئن ہوا تھا۔

☆☆☆

جاذل سے ملنے کے بعد ذوہیب عمر خان کی پریشانی اور بڑھ گئی تھی اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ جاذل کو اس کے فیصلے سے کیسے باز رکھے، اسے کیسے سمجھائے کہ جو کچھ وہ کرنے جا رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے، وہ زونیہ کا سوچتا تو اس کا دل درد سے پھٹنے لگتا تھا ایک زیادتی اس کے ساتھ وہ خود کر چکا تھا (اسے اپنی محبت کے خواب دیکھا کر) اور اب ایک زیادتی اس کا بھائی کرنے چلا تھا اسے طلاق دے کر، ذوہیب جانتا تھا کہ وہ نازک سے دل والی لڑکی طلاق کی ذلت کو نہیں سہہ پائے گی یہی سب سوچتے وہ دیر تک سڑکوں پہ یونہی بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا گھر اس کی واپسی کافی لیٹ ہوتی تھی۔

''صاحب جی کھانا لگاؤں۔'' تاجی نے اس کو دیکھ کر پوچھا تھا لیکن وہ نفی میں سر ہلاتا تھکے تھکے قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا اوپر آ گیا اپنے کمرے کا دروازہ کھولنے کے لئے اس نے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اندر سے آتی ماما جان کی آواز پہ اس کا ہاتھ وہیں ساکت ہوا تھا۔

''لو رومی ڈیئر تمہاری خالہ جانی نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، بھر دیئے نا اس کی آنکھوں میں آنسو جو تمہیں رلاتی تھی جاؤ جا کے دیکھو کمرے میں بیٹھی کس طرح آنسو بہا رہی ہے بے چاری کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہے کہ زیور ہم نے چرایا تھا اور ابھی آگے دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں بس جاذل کو اسے طلاق دینے دو تو عدت پوری ہوتے ہی دیکھنا میں اس کو کیسے اس گھر سے رخصت کرتی ہوں، پھر نہ رہے گا بانس نہ بجے کی بانسری۔'' ماما جان کے ایک ایک لفظ میں زونیہ کے لئے نفرت ہی نفرت تھی۔

''وہ تو ٹھیک ہے خالہ جانی لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ اس کو رخصت کرنا کس کے ساتھ ہے طلاق کے بعد تو اس کی اس گھر میں موجودگی ہمارے لئے اور بڑا رسک ہو گی کیونکہ اس کی معصوم صورت کو دیکھ کر ذوہیب کے دل میں اس کی محبت اور بھڑکے گی اس لئے میں تو کہتی ہوں کہ اس کے لئے لڑکا ابھی سے دیکھنا شروع کر دیں تاکہ طلاق کے بعد جیسے ہی اس کی عدت پوری ہو اس کو اس کے ساتھ چلتا کریں اس گھر سے۔'' رومیلہ کے لہجے میں ماما جان سے بھی زیادہ زہر بھرا تھا اس کا بس چلتا تو ابھی جا کر زونیہ کو گھر سے نکال دیتی۔

''ارے میری جان فکر نہیں کرو سب سوچ رکھا ہے، سب بندوبست کر رکھا ہے وہ جو میری فرینڈ ہے مسز ملک انہوں نے ایک بار پہلے بھی مانگا تھا زونیہ کا رشتہ اپنے بھائی کے لئے لیکن تب تمہارے بابا جان نہیں مانے تھے کہتے تھے کہ گھر کی بچی ہے گھر میں ہی رکھیں گے، پھر انہیں یہ بھی اعتراض تھا کہ لڑکا رنڈوا اور تین عدد بچوں کا باپ ہے لیکن اب تو ان کا یہ اعتراض بھی ختم ہو چکا ہے کیونکہ اب تو ان کی بچی بھی کنواری نہیں رہی ہے۔'' ماما جان نے بچی پہ خاصا زور دے کر کہا تھا پھر دونوں ہنس دیں تھیں اندر وہ دونوں ہنس رہی تھیں لیکن باہر کھڑا ذوہیب عمر خان گویا ساکت ہو گیا، اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ اس کی ماں اس حد تک بھی گر سکتی ہے، پھر ایکدم اسے پتہ نہیں کیا

ہوا تھا کہ وہ جھٹکے سے دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہوا تھا اسے دیکھ کر ماما جان اور رومیلہ دونوں کے رنگ اڑ گئے تھے کیونکہ اس کی لہو رنگ آنکھیں اس بات کا پتہ دے رہی تھیں کہ وہ سب کچھ سن چکا تھا، وہ ایک ایک قدم اٹھاتا ماما جان کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

''میری ایک بات یاد رکھیے گا ماما جان کہ اگر زونیہ کو طلاق ہوئی تو پھر اس گھر میں ایک طلاق اور بھی ہوگی میری اور رومیلہ کی طلاق، اس کے لئے بھی لڑکا دیکھ رکھیے گا اور ہاں ماما جان بابا جان کی آنکھوں پہ بندھی اعتماد کی وہ پٹی جو آپ نے کبھی اترنے ہی نہیں دی اب وہ میں اتاروں گا اس لئے اپنے لئے بھی کوئی ٹھکانہ ڈھونڈھ رکھیے گا، اگر بابا کو پتہ چل گیا کہ ان کی یتیم بھتیجی کے ساتھ آپ نے کیا گیم کھیلا ہے تو سوچیں کیا ہو گا۔'' نفرت سے کہتا وہ رومیلہ کی طرف مڑا تھا پھر اس کو بالوں سے پکڑا کر دروازے کی طرف بڑھا تھا رومیلہ کی تو چیخ نکل گئی تھی ماما جان تڑپ کر فوراً آگے بڑھی تھیں لیکن ذوہیب نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا تھا۔

''نہیں ماما جان آگے مت آیئے گا، ورنہ میں اس کے ساتھ ساتھ خود کو بھی ختم کر لونگا۔'' اس کے لہجے میں شیروں سی دھاڑ تھی ماما جان کے قدم وہیں تھم گئے تھے ماما جان نے سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے وہ تو اپنی خوشی میں مگن رومیلہ کو اگلے پروگرام کا بتا رہی تھیں انہیں کیا پتا تھا وہ سن لے گا، پھر وہ رومیلہ کو اسی طرح بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا رومیلہ کی چیخیں سن کر زونیہ نے تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھولا تھا لیکن باہر جو منظر اسے دیکھنے کو ملا تھا اس نے ایک پل کو اس کے ہوش اڑا دیئے تھے ذوہیب رومیلہ کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا وہ تقریباً دوڑتے ہوئے اس تک پہنچی تھی۔

''ذیبی لالہ پلیز، چھوڑیں اسے کیوں کر رہے ہیں آپ ایسا۔'' ذوہیب سے بات کرتے ہوئے اس نے رومیلہ کے بال ذوہیب کی مٹھی سے آزاد کرانا چاہے تھے ذوہیب نے ایک پل کو رک کر اسے دیکھا تھا لیکن دوسرے ہی پل اسے ایک طرف دھکیلتا رومیلہ کو لئے آگے بڑھا تھا وہ اسے اسی طرح گھسیٹتا سیڑھیوں سے نیچے لایا تھا رومیلہ کی چیخوں پہ روحیل لالہ اور بھابھی کے ساتھ ساتھ بابا جان بھی اپنے کمرے سے نکل آئے تھے لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر وہ لوگ بھی چکرا کر رہ گئے تھے۔

''ذوہیب پاگل ہو گئے ہو چھوڑو اسے۔'' روحیل لالہ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

''نہیں لالہ نہیں، مجھے روکیے مت، مجھے جانے دیں ورنہ بہت دیر ہو جائے گی پلیز ہٹیں سامنے سے میں واپس آ کر آپ کو سب بتاؤں گا لیکن پلیز اس وقت مت روکیں۔'' وہ لالہ کو بھی ایک طرف ہٹاتا رومیلہ کو لئے پورچ تک آیا تھا گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر رومیلہ کو اندر دھکیلا اور خود دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی دس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد وہ رومیلہ کو لئے جاذل عمر خان کے سامنے تھا رومیلہ کو جاذل کے قدموں میں دھکا دے کر وہ دانت پیستے ہوئے بولا تھا۔

''بتاؤ انہیں وہ سب جو تم لوگوں نے کیا اور وہ بھی جو ابھی کرنا تھا بتاؤ انہیں کہ زیور کس نے چرایا تھا اور کیوں، بولو رومیلہ ورنہ میں اپنی زبان سے طلاق کے تین الفاظ بولنے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کرونگا اور تم جانتی ہو کہ ایسا کرنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا، تمہاری خالہ جانی بھی نہیں۔'' جاذل حیران سا کبھی ذوہیب کو اور کبھی اپنے قدموں میں گری رومیلہ کو دیکھے جا رہا تھا، ذوہیب کی بات پہ رومیلہ تڑپ کر سیدھی ہوئی تھی اور ذوہیب کی طرف مڑ کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''نن...... نہیں...... ذوہیب...... میں سب کچھ بتاتی ہوں خدا کے لئے مجھے طلاق مت دینا۔'' ذوہیب سے کہتے ہوئے وہ تیزی سے جاذل کی طرف مڑی تھی اور پھر اسے وہ سب بتاتی چلی گئی جو کچھ ماما جان اور اس نے کیا تھا اور جو آگے سوچا تھا، رومیلہ تو سب بتا کر وہیں زمین پہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رونے لگی تھی جبکہ جاذل عمر خان اس کے منہ سے یہ سب سننے کے بعد گویا پتھر کا ہو گیا تھا اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا اگر رومیلہ اپنے منہ پہ سب نہ بتاتی تو وہ کبھی یقین نہ کرتا کہ اس کی ماما جان اس کے ساتھ یوں بھی کر سکتی ہیں زونیہ علی خان کی نفرت میں وہ اپنے سگے بیٹے کے گھر کو آگ لگا دیں گی یہ اسے معلوم نہ تھا تبھی تو اب پتھر بنا کھڑا تھا، ذوہیب نے اس کے ساکت وجود کو ایک لمحے کو دیکھا تھا پھر آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے بولا تھا۔

''دیکھو لالے اب تو سب حقیقت تیرے سامنے آ چکی ہے یار، اب تو تو جان ہی گیا ہے کہ تم پہ جو الزام زونیہ نے لگایا اس کا اہتمام ماما جان اور رومیلہ نے کیا تھا، اس میں زونی کا تو کوئی قصور نہیں ہے یار اس لئے پلیز اسے اتنی بڑی سزا دینے سے پہلے سوچنا ضرور۔'' پھر ذوہیب تو رومیلہ کو لیے وہاں سے چلا گیا جب وہ واپس گھر پہنچے تھے تو بابا جان، روحیل لالہ بھابھی، زونیہ سب لاؤنج میں بیٹھے ان کا ہی انتظار کر رہے تھے سوائے ماما جان کے ماما جان تو ان کے گھر سے جاتے ہی کمرے میں بند ہو چکیں تھیں ذوہیب کو دیکھ کر بابا جان تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

''ذوہیب میری جان، یہ سب کیا ہے کہاں گئے تھے تم اتنی رات کو۔'' بابا جان کی بات پہ اس نے ایک قہر بھری نگاہ رومیلہ پہ ڈالی تھی جو کچھ فاصلے پہ کھڑی آنسو بہا رہی تھی ذوہیب کے دیکھنے پہ وہ روتے روتے دوڑ کر اوپر کمرے میں چلی گئی اس کے جانے کے بعد جب ذوہیب نے ساری بات بتائی تو ایک لمحے کو سب شاکڈ رہ گئے تھے، بابا جان، لالہ، بھابھی اور زونیہ بھی، وہ یہ تو جانتی تھی کہ ماما جان اس کو پسند نہیں کرتیں لیکن وہ اس سے اس حد تک نفرت کرتی ہیں کہ اس نفرت کی لپیٹ میں اپنے سگے بیٹے کو گھسیٹ لیں گی یہ وہ نہ جانتی تھی، ایک بار پھر آنسو لڑیوں کی صورت اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔

☆☆☆

ذوہیب کے جانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک وہیں کھڑا رہا تھا اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ اس کی ماں اس کے ساتھ ایسا بھی کر سکتی ہے وہ ماں جو اس کے خیال اس سے سب سے زیادہ محبت کرتی تھی اسے پورا یقین تھا کہ کوئی اور اسے چاہے یا نہ چاہے اس کی ماں اس سے محبت کرتی ہے لیکن آج اس کا سارا یقین ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا کچھ اس طرح کہ ساتھ جاذل عمر خان کی ہستی بھی ٹوٹ کر بکھر رہی تھی، یاور جب کمرے میں آیا تو اس کے چہرے کی سفید پڑتی رنگت کو دیکھ کر اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

''جاذل کیا بات ہے یار سب ٹھیک تو ہے نا۔'' یاور کی بات پہ اس نے نئے کو یاور کی طرف دیکھا تھا وہ اسے کیسے بتاتا کہ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ اس کی ماں نے کروایا تھا، وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل آیا تھا، یاور اسے آوازیں دیتا رہا لیکن اس نے اس کی ایک نہ سنی تھی اور

گاڑی گیٹ سے باہر نکال لے گیا، کتنی دیر تک وہ اپنی سوچوں میں مگن شہر کی سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتا رہا اس کی آنکھیں بار بار دھندلا رہی تھی لیکن وہ اپنے آنسوؤں کو سختی سے پیچھے دھکیل دیتا اس نے اپنی آنکھوں کو سختی سے میچ کر آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا تھا لیکن آنکھیں پھر سے دھندلانے لگی تھیں کہ وہ سامنے سے آئی تیز رفتار وین کو بھی دیکھ سکا اور اگلے لمحے اس کی گاڑی وین سے ٹکرا گئی تھی، ہاسپٹل سے اس کے ایکسیڈنٹ کی خبر ملتے ہی روحیل لالہ، ذوہیب اور بابا جان فوراً ہاسپٹل چلے گئے تھے، ہاسپٹل میں اس کے مشینوں میں جکڑے لہولہان وجود کو دیکھ کر بابا جان اپنا ضبط کھو بیٹھے تھے وہ روحیل کے گلے لگ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھے، وہ اس سے جتنا بھی ناراض رہتے تھے اس کی حرکتوں سے نالاں اس سے مہینوں بات نہ کرتے تھے لیکن اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ اس سے بہت محبت کرتے تھے، اسے یوں بے ہوش دیکھ کر ان کا دل درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

''روحیل اگر میرے بیٹے کو کچھ بھی ہوا نا تو میں اس عورت کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔'' روحیل سے کہتے وہ ایک بار پھر رو دیئے تھے اور رو تو گھر میں ماما جان بھی بہت رہی تھیں جاذل کے ایکسیڈنٹ کی خبر نے ان کے پورے وجود کو اندر تک ہلا دیا تھا، بھانجی کی محبت میں اندھا ہو کر انہوں نے اپنے سب سے لاڈلے بیٹے کے ساتھ کیا کروایا تھا اس کا احساس انہیں اب جا کر ہوا تھا وہ کمرے میں ادھر سے ادھر چکراتے اس کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں اور دعائیں تو زونیہ علی خان بھی مانگ رہی تھی اپنے کمرے میں جائے نماز پہ سجدے میں پڑی وہ اپنے رب سے اس شخص کی زندگی کی سلامتی کی دعا مانگ رہی تھی جس نے آج تک پیار کی نظر، پیار کا ایک بول نہ اس کی جھولی میں ڈالا تھا جس کے لہجے میں ہمیشہ زونیہ کے لئے نفرت ہی نفرت ہوتی تھی لیکن وہ پھر بھی اپنے رب سے گڑگڑا کر اس کے لئے دعا مانگ رہی تھی وہ شخص اس کے لئے کیا اہمیت رکھتا تھا اس کا احساس تو اسے یہ سن کر ہی ہو گیا تھا کہ وہ اس کو چھوڑ کر کسی اور سے شادی کر رہا ہے یہ خبر سن کر ہی اس کی آنکھوں سے آنسو خشک نہ ہو رہے تھے کجا کہ وہ اب دنیا چھوڑنے جا رہا تھا اس پہ ابھی ابھی انکشاف ہوا تھا کہ ذوہیب عمر خان کے نہ ملنے پہ تو وہ پھر بھی زندہ تھی لیکن جاذل کو کھو کر وہ شاید ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ پائے گی پھر خدا کو شاید اس کی دعاؤں اس کی التجاؤں پہ ہی ترس آ گیا تھا کہ وہ موت کے منہ سے جا کر واپس لوٹ آیا تھا وہ اس وقت بھی جائے نماز پہ بیٹھی اس کی زندگی کی دعا مانگ رہی تھی جب اسمارہ بھابھی دوڑتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

''زونی جاذل کو ہوش آ گیا ہے ابھی ابھی تمہارے لالہ کا فون آیا ہے ڈاکٹر نے کہا ہے اب خطرے سے باہر ہے۔'' بھابھی کی بات سن کر وہ ان کے گلے سے لگ کر رو رہی تھی لیکن اب کی بار اس کی آنکھوں میں آئے آنسو خوشی کے آنسو تھے۔

☆☆☆

ایک ہفتے کے بعد اسے ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا اس کی ٹانگ پہ ابھی تک پلستر چڑھا ہوا تھا جس کی وجہ سے اسے چلنے میں دقت ہوتی تھی وہ سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتا تھا تو ماما جان نے اس کے لئے نیچے اپنے کمرے کے ساتھ والا کمرہ کھلوا دیا تھا ماما جان نے خدا کا لاکھ شکر کیا تھا کہ اس کی جان بچ گئی تھی اگر اسے کچھ ہو جاتا تو بابا جان تو شاید انہیں معاف کر دیتے لیکن وہ خود اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرتیں، وہ ایک بار بھی اسے ہاسپٹل دیکھنے نہ گئیں تھیں لیکن اب جب وہ گھر آیا تھا تو انہوں نے روتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''ماما جان خدا کے لئے اس طرح مجھے گہنگار مت کریں، آپ مجھے بہت عزیز ہیں اور رہیں گی میں آپ سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا اور ویسے بھی جو ہوا ایک طرح سے ٹھیک ہی ہوا کم از کم اب مجھے یہ تو پتہ چل گیا کہ میں کسی کو کتنا عزیز ہوں۔'' اس نے آنکھوں میں آئی نمی صاف کر کے ماما جان سے کہا تھا اور پھر اپنے دائیں طرف بیٹھے بابا جان کو دیکھ کر مسکرا دیا تھا اس حادثے نے اسے بابا جان سے کافی قریب کر دیا تھا، پتہ نہیں کیوں کوشش کے باوجود وہ اپنا رویہ ماما جان کے ساتھ صحیح نہیں رکھ پایا تھا، ماما جان سے اس کا اعتبار اٹھ چکا تھا، اس نے کہنے کو تو ماما جان سے کہہ دیا تھا کہ وہ ان سے ناراض نہیں ہے لیکن حقیقت اس سے مختلف تھی، وہ انہیں دل سے معاف نہیں کر پا رہا تھا رومیلہ پہ اسے اتنا افسوس نہ تھا کہ وہ تو صرف کزن اور بھابھی تھی سامنے بیٹھی عورت نے تو اسے جنم دیا تھا۔

ماما جان کے علاوہ اگر کسی کے ساتھ اب اس کا رویہ خراب تھا تو وہ زونیہ علی خان تھی جسے سامنے دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات اب بھی انتہائی سخت ہو جاتے تھے وہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز ہی برتتا تھا جسے کسی اور نے تو پتہ نہیں نوٹ کیا تھا یا نہیں مگر زونیہ نے بہت اچھی طرح نوٹ کر لیا تھا تبھی وہ اس کے سامنے کم ہی جاتی تھی جس دن وہ بالکل صحیح بغیر کسی سہارے کے چلنے لگا تھا اس دن بابا جان نے نہ صرف غریبوں میں پیسے بانٹے تھے بلکہ مٹھائی بھی تقسیم کی تھی، بابا جان بہت خوش تھے لیکن اس وقت ان کی یہ خوشی ماند پڑ گئی تھی جب اس نے بابا جان سے ایک نئی فرمائش کی تھی جسے سن کر وہ ایک لمحے کو چپ سے رہ گئے تھے، وہ پشاور والی آبائی حویلی میں شفٹ ہونا چاہتا تھا بابا جان کچھ پل اسے دیکھتے رہے پھر یہ سوچ کر اسے اجازت دے دی تھی کہ اس کا یہ فیصلہ ہر لحاظ سے اچھا تھا اس کے اور زونیہ کے لئے بھی اور ذوہیب اور رومیلہ کے حق میں بھی۔

بابا جان نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے جو ایک عرصے بعد ایک دوسرے کے قریب آئے تھے پھر کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے دور ہو جائیں اور اب تو انہیں بیوی پہ بھی اعتبار نہ رہا تھا، تبھی تو انہوں نے اپنے دل پہ پتھر رکھ کر اسے حویلی شفٹ ہونے کی اجازت دے دی تھی لیکن جب انہیں یہ پتا چلا کہ وہ زونیہ کو نہیں لے کر جانا چاہتا ہے تو بابا جان چند ثانیے اس کی شکل دیکھ کر رہ گئے تھے۔

''بابا جان پلیز میں کچھ عرصہ تنہا رہنا چاہتا ہوں، آئی پرامس میں اس کو بعد میں لے جاؤں گا بٹ ابھی نہیں۔'' اس کی بات سن کر بابا جان نے ایک لمبا سا سانس کھینچتے ہوئے سر کو اثبات میں ہلا دیا تھا اگرچہ وہ ایسا تو نہیں چاہتے تھے لیکن وہ اس کے ساتھ زبردستی بھی نہیں کر سکتے تھے، وہ آج تک اپنی ہر بات اس سے زبردستی ہی منواتے آئے تھے سٹڈی کے لئے باہر بھیجنے سے لے کر شادی تک اور ان کی اس ہٹ دھرمی نے اسے ان سے دور کر دیا تھا لیکن اب وہ یہ بات جان چکے تھے کہ اولاد کے ساتھ ہر بات میں زبردستی نہیں ہوتی ہے یہ اولاد کو ماں باپ سے دور کر دیتی ہے اور وہ اب اپنے بیٹے کو کھونا نہیں چاہتے تھے، تبھی چپ چاپ مان گئے تھے لیکن جب اس

بات کی خبر زونیہ کو ہوئی تو مارے غصے کے اس کا دماغ گھوم گیا تھا، اس نے ماما جان یہاں تک کہ رومیلہ کو بھی معاف کر دیا تھا لیکن زونیہ کے لئے اس کے پاس معافی نہ تھی وہ اس کو سامنے دیکھ کر رخ پھیر جاتا تھا اس سے بات نہیں کرتا تھا وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی سب برداشت کر رہی تھی لیکن اس کے پشاور والی حویلی شفٹ ہونے اور وہ بھی ایک اکیلا اس کی برداشت جواب دے گئی تھی وہ برتن اٹھا اٹھا کر سنک کے پاس پھینکنے لگی تھی۔

''اوہو یار ان بے چارے بے جان برتنوں کا کیا قصور ہے ان کی کیوں شامت لے آئی ہو اگر غصہ نکالنا ہی ہے تو صحیح جگہ پہ نکالو۔'' بھابھی نے مسکرا کر کہا تھا جس پہ اسے اور غصہ آیا تھا۔

''ہاں ہاں نکالوں گی ڈرتی نہیں ہوں۔'' غصے سے کہتے ہوئے وہ کچن سے نکل گئی تھی بھابھی مسکرانے لگی تھیں۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی وہ بیڈ پہ بیگ رکھے اس میں کپڑے اور دیگر ضروری اشیاء رکھ رہا تھا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اس تک آئی تھی اور اس کے ہاتھ میں پکڑی شرٹ جو وہ تہہ کر رہا تھا کھینچ کر دور اچھال دی تھی پھر جھک کر بیگ کے اندر تہہ شدہ کپڑوں کو نکال نکال کر بیڈ پہ پھینکنے لگی تھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' جاذل چند ثانیے کھڑا اس کی جرأت ملاحظہ فرماتا رہا پھر غصے سے اس کا بازو دبوچ کر جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کرتے ہوئے درشت لہجے میں استفسار کیا تھا۔

''یہ اس بدتمیزی کا جواب ہے مسٹر جاذل عمر خان جو ایک عرصے سے میرے ساتھ کی جا رہی ہے ماما جان، رومیلہ سب کو آپ نے معاف کر دیا تو پھر سزا صرف مجھے ہی کیوں۔'' وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح بے خوف لہجے میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی تو جاذل کو اور غصہ آ گیا تھا۔

''سزا کیا سزا دی ہے میں نے تمہیں بتاؤ۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے دریافت کیا تھا تو وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

''اس لڑکی کے لئے اس سے بڑی سزا اور کیا ہو گی مسٹر جاذل عمر خان جس کا شوہر بغیر کسی قصور کے اسے چھوڑ کر جا رہا ہو۔'' بولتے بولتے اس کی آنکھیں ہی نہیں لہجہ بھی بھیگ گیا تھا لیکن اس نے اگلے ہی پل خود پہ قابو پا کر اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے اور جھک کر بیگ سے باقی ماندہ چیزیں نکالنے لگی لیکن پھر ایکدم اس کے ہاتھ رک گئے تھے وہ یک ٹک اس رومال کی طرف دیکھ رہی تھی جو اس نے ابھی بیگ سے نکال کر بیڈ پہ پھینکا تھا لیکن اس کے ہاتھوں کے ایکدم تھم جانے کی وجہ وہ رومال نہیں بلکہ سونے کی وہ دو چوڑیاں تھیں جو رومال سے پھسل کر بیڈ پر گری تھیں، اس نے ہاتھ بڑھا کر چوڑیوں کو پکڑ لیا تھا وہ انہیں ہاتھ میں تھامے بس دیکھے جا رہی تھی، پھر اس کی نگاہ جاذل کے چہرے پہ جا ٹھہری تھیں اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر جاذل ایک گہرا سانس خارج کرتا دوبارہ سے بیگ میں چیزیں رکھنے لگا تو اب وہ یک ٹک جاذل کو دیکھ رہی تھی اسے تو پیسوں کی بہت ضرورت تھی تب پھر اس نے چوڑیاں کیوں نہیں بیچی تھیں جاذل کی نگاہ ایک بار پھر اس کی طرف اٹھی تھی جو اسی کی طرف دیکھ رہی تھی، وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے تب سیدھا ہوتا ہوا بہت تلخ لہجے میں بولا تھا۔

''یہ چوڑیاں جو تم نے اپنے ہاتھوں سے اتار کر دی تھیں جب میں نے انہیں نہیں بیچا تھا تو پھر تمہارا دوسرا زیور میں چوری کر کے کیسے بیچ سکتا تھا تم نے مجھ پہ چوری کا الزام لگا کر بتا دیا کہ تمہاری نظر میں میری کیا حیثیت ہے مگر میرے دل میں تمہارا جو مقام ہے یہ چوڑیاں اس کا ثبوت ہیں کیونکہ میں نے پیسوں کی سخت ضرورت کے باوجود ان کو نہیں بیچا۔'' انتہائی سخت نگاہوں سے زونیہ کو دیکھتے اس نے کہا اور باقی چیزیں اٹھا کر بیگ میں رکھنے لگا جب وہ بیگ کی زپ بند کر کے سیدھا ہوا تو زونیہ جو دھندلاتی آنکھیں لئے اس کی جانب دیکھ رہی تھی ایکدم اٹھی تھی اور اگلے لمحے جاذل عمر خان کے کشادہ سینے سے جا لگی تھی۔

''جاذل فار گاڈ سیک مجھے معاف کر دیں، آئی نو میں نے آپ کے ساتھ ٹھیک نہیں کیا ہے، مجھے آپ پہ اس طرح الزام نہیں لگانا چاہیے تھا، مجھ سے غلطی ہو گئی ہے پلیز مجھے معاف کر دیں، مجھے چھوڑ کر مت جائیں میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں جاذل آئی لو یو آئی لو یو سو مچ۔'' اس کے سینے سے لگی وہ ہچکیوں کے درمیان بولی تو اس کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ سن کر جاذل عمر خان کے دل و دماغ پہ چھائی وحشت، غصے اور بدگمانی کے بادل ایک دم چھٹنے لگے تھے، ورنہ اسے اس پہ بہت غصہ تھا کہ زونیہ کی نظر میں اس کی اتنی ہی اہمیت تھی کہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی اس کی بے گناہی ثابت ہونے کے بعد بھی اس نے ایک لفظ سوری تک کا نہ بولا تھا لیکن اب جب وہ اس کے ساتھ لگی رو رو کر نہ صرف معافی طلب کر رہی تھی بلکہ جاذل عمر خان کی محبت کا اقرار بھی کر رہی تھی اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو جاذل کی شرٹ کو بھگو رہے تھے جو بالکل ساکت و صامت کھڑا تھا اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے، خواب میں کئی بار اس نے زونیہ کو اسی طرح اظہار محبت کرتے دیکھا تھا لیکن جب اس کی آنکھ کھلتی اور حقیقت اس کے سامنے آتی تو وہ کتنی دیر تک جلتا کڑھتا رہتا تھا لیکن اب جو کچھ ہوا تھا وہ خواب ہے یا حقیقت یہ جاننے کو اس نے اپنی ساتھ لگی روتی ہوئی زونیہ علی خان کے گرد اپنے بازوؤں کا حصار باندھ دیا تھا، وہ کتنے ہی پل خاموش کھڑا اس حقیقت کو محسوس کرتا رہا، اس کی آنکھوں سے آنسو گر گر کر زونیہ کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے زونیہ کچھ اور بھی بول رہی تھی لیکن جاذل عمر خان کی سوئی تو بس اس ایک فقرے میں اٹ گئی تھی۔

''آئی لو یو ٹو میری جان آئی لو یو ٹو اس لئے پلیز اب رونا نہیں کیونکہ ان خوبصورت آنکھوں میں آنسو نہیں صرف اور صرف جاذل عمر خان کی محبت نظر آنی چاہیے، انڈر سٹینڈ۔'' اس نے گمبھیر لہجے میں ایک ادا سے کہا تو اس کی بات سن کر زونیہ اپنے آنسو صاف کرتی مسکراتے ہوئے اس سے الگ ہوئی تھی۔

''ارے یہ کیا مائی لائف اینڈ ڈیئر وائف، میں نے آپ کو رونے سے منع کیا ہے اس طرح الگ ہونے کا تو نہیں کہا۔'' وہ ایک بار پھر شرارت سے گویا ہوا تو زونیہ جو اس کی طرف دیکھ رہی تھی اس کی بات کا مفہوم جان کر بار حیا سے آنکھوں پہ پلکوں کی چلمن گرا گئی تھی اور ایسا کرتی وہ جاذل عمر خان کو بہت اچھی لگی تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر زونیہ کا ہاتھ تھام لیا تھا اور اسے اپنے سامنے کھڑا کیے بہت دھیرے دھیرے اشعار کی زبان میں اپنے جذبات کا اظہار کرنے لگا تھا۔

میری وحشتوں کو قرار دو
میری الجھی زندگی سنوار دو
مجھے کچھ یاد رہے نہ تیرے سوا
مجھے اتنا تم آج پیار دو

میں تیری گلی کا غبار بن کر جیوں گا

نسرین خالد

☆☆☆

اگلی صبح پشاور جانے سے پہلے وہ ماما جان کو ملنے آیا تھا ان کے کمرے میں، ماما جان کتنے دنوں سے سن رہی تھیں کہ وہ پشاور جا رہا ہے لیکن ان کی ہمت نہ ہو رہی تھی کہ اس کو روک لیتیں مگر اب جب وہ جا رہا تھا تو اسے دیکھ کر وہ خود پہ ضبط کھو بیٹھی تھیں۔

''جاذل میرے بچے معاف کر دو اپنی ماں کو، مت کرو ایسا۔'' ان کی بات سن کر وہ ماتھے پہ بل ڈالے قدرے سخت لہجے میں بولا تھا۔

''کیا برا کر رہا ہوں میں آپ کے ساتھ آپ کی خواہش ہی تو پوری کر رہا ہوں یہی چاہتی تھیں آپ کہ زونیہ اس گھر سے چلی جائے تو جا رہی ہے وہ اس گھر سے آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کیونکہ آپ کی تو دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔'' ماما جان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا اور مڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا، زونیہ جو ماما جان سے ملنے آ رہی تھی جاذل کے الفاظ سن کر دروازے پہ ہی رک گئی۔

''جلدی آؤ دیر ہو رہی ہے۔'' اس سے کہتا وہ باہر نکل گیا تو زونیہ نے ماما جان کی طرف دیکھا تھا جو بیڈ پہ بیٹھی زار و قطار رو رہی تھیں اسے گھر سے دور کرتے کرتے انہوں نے اپنے بیٹے کو خود سے دور کر دیا تھا انہیں اس طرح روتے دیکھ کر زونیہ کے دل کو کچھ ہوا تھا جو بھی تھا بہر حال اس نے اس عورت کو ماں کہا تھا بلکہ ماں سمجھا تھا تبھی تو انہیں اس طرح روتے دیکھ کر اسے بہت تکلیف محسوس ہو رہی تھی، وہ ایک ایک قدم اٹھاتی ان کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔

''ماما جان پلیز چپ کر جائیں روئیں نہیں ابھی انہیں تھوڑا غصہ ہے جب ان کا غصہ اترے گا تو انہوں نے یہیں آنا ہے آپ کے پاس بھلا وہ آپ سے دور رہ سکتے ہیں۔'' اس نے ماما جان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تھا تو ماما جان نے اس کو ساتھ لگا کر اس کا ماتھا چوم لیا تھا، کتنا بڑا ظرف تھا اس لڑکی کا جس نے سب کچھ بھلا کر انہیں معاف کر دیا تھا۔

پھر ماما جان ان دونوں کو پورچ تک چھوڑنے آئیں تھیں اس یقین کے ساتھ کہ ایک دن ان کا بیٹا لوٹ کر ان کے پاس ضرور آئے گا زونیہ اسمارہ بھابھی سے ملی تو بھابھی رو دی تھیں، زونیہ کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں ایسا اس نے بھی کب چاہا تھا اس گھر سے اس کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں اس کے بھائی کی یادیں، یہاں اسے ہمیشہ شاہی لالہ کی موجودگی کا احساس ہوتا تھا لیکن اسے جانا تھا اس شخص کے لئے جس نے دل کی تمام شدتوں سے اسے چاہا تھا اسے اس کا کھویا ہوا اعتبار واپس لوٹانا تھا، اسمارہ بھابھی سے مل کر وہ ذوہیب کے سامنے آ کر رکی تھی۔

''لالہ ہو سکے تو رومیلہ کو معاف کر دیں اس نے جو کچھ بھی کیا آپ کی محبت پانے کو کیا، کیونکہ ایک بیوی کے لئے سب سے اہم چیز اس کے شوہر کی محبت ہی ہوتی ہے۔'' ذوہیب سے کہتے ہوئے اس کی نگاہیں جاذل عمر خان پہ جا ٹھہری تھیں جو کچھ فاصلے پہ کھڑا اس کی بات پہ مسکرا رہا تھا اور جب ان کی گاڑی گیٹ سے نکلی تھی تو اسمارہ بھابھی نے دل سے دعا کی تھی کہ اب ان دونوں کی زندگی میں کبھی کوئی غم نہ آئے اور یہ دعا تو ماما جان بھی کر رہی تھیں۔

''کاش ماما جان آپ وہ سب نہ کرتیں تو آج ایک بار پھر اپنے بیٹے کو یوں خود سے دور نہ کر رہی ہوتیں۔'' اسمارہ بھابھی نے انتہائی تاسف سے سوچا تھا اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

جہانگیر اپنا کام مکمل کر چکا تھا وہ آفس سے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا کہ اس کا موبائل بجا، اسکرین پر Unlnown نمبر جگمگا رہا تھا اس نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے نمبر پہچاننے کی کوشش کی مگر اس کے تمام دوستوں اور رشتہ داروں کے نمبر اس کے موبائل میں Save تھے۔

''ہیلو جہانگیر اسپیکنگ۔'' جہانگیر نے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔

''کیا چاہتے ہو تم؟ کیوں مجھے تنگ کر رہے ہو؟'' دوسری طرف سے بھاری بھرکم آواز میں پوچھا گیا، وہ آواز اچھی خاصی رعب دار تھی، جہانگیر نے چند سیکنڈ میں آواز پہچان لی۔

''میں آپ کے پیچھے نہیں لگا ہوا چوہدری صاحب، آپ خود اپنے پیچھے لگے ہوئے ہیں اپنی دنیا اور آخرت دونوں خراب کرنے کے چکروں میں ہیں۔''

''تم زیادہ ناصح مت بنو، تم جیسے لوگ روز گلیوں میں مارے جاتے ہیں، مجھ سے دشمنی تمہیں بہت مہنگی پڑے گی۔'' چوہدری امتیاز نے دھمکی دی، جہانگیر اس کی دھمکی پر مسکرایا۔

''آپ بہت غلط بندے کو ڈرا رہے ہیں چوہدری صاحب، میں موت سے نہیں ڈرتا، نہ ہی آپ جیسے زمین کے خداؤں سے۔'' جہانگیر کے لہجے میں تحقیر تھی چوہدری امتیاز جیسے لوگوں کے لئے۔

دیکھ فرعون کے لہجے میں بات نہ کر
ہم تو پاگل ہیں خداؤں سے الجھ پڑتے ہیں

''کل تمہیں بلینک چیک مل جائے گا جتنی چاہیے رقم لکھ لینا۔'' چوہدری امتیاز نے اسے لالچ دیا تو جہانگیر ہنسا۔

''میرا پیسہ مجھے ہی دینے کا لالچ...... واہ چوہدری صاحب۔''

''کیا مطلب؟'' چوہدری امتیاز کچھ نہ سمجھا۔

''مطلب صاف واضح ہے چوہدری صاحب، میں عوام ہوں آپ جیسے لوگ کرپشن اور فراڈ کر کے ہمارے پیسے سے اپنی جاگیروں میں اضافہ کرتے ہیں اور پھر انہی پیسوں کا لالچ دے کر ہمیں خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''بکواس بند کرو، میں نے کوئی کرپشن نہیں کی۔'' چوہدری امتیاز چلایا اس کا بس نہیں چل رہا تھا فون میں سے نکل کر جہانگیر کا گلا دبا دے۔

''میرے پاس باقاعدہ ثبوت ہیں، میں کوئی ہوا میں تیر نہیں اچھال رہا، آپ نے کب کہاں کتنی کرپشن کی ہے میرے پاس تمام ثبوت ہیں اور یہ بھی احمد علی کو آپ نے مروایا ہے۔''

''فضول بکواس مت کرو، تم جیسے لوگوں کو راستے سے ہٹانا میرے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔'' چوہدری امتیاز غصے سے آگ بگولہ ہو رہا تھا۔

''ہاں کچھ مشکل نہیں ہے، بشرطیکہ میری موت لکھی ہو لیکن اگر میرے نصیب میں کچھ عرصہ اور زندہ رہنا لکھا ہوا ہے تو آپ تو کیا آپ کے بڑے چوہدری صاحب بھی قبر سے اٹھ آئیں تو مجھے مار نہیں سکتے۔'' جہانگیر کی بات پر چوہدری امتیاز نے دانت کچکچائے۔

''میں دیکھ لونگا تمہیں۔''

''جی ضرور اور میرا اگلا آرٹیکل بھی دیکھ لیجئے گا، اس میں بہت کچھ بے نقاب ہوگا۔''

''آخر تم چاہتے کیا ہو؟'' چوہدری امتیاز نے بے بسی سے پوچھا وہ اس نڈر اور بہادر لڑکے سے بہت خوفزدہ تھے۔

''میں چاہتا ہوں احمد علی کے گھر والوں کو انصاف ملے جب احمد علی آپ کو اپنی زمین بیچنا

نہیں چاہتا تھا تو آپ نے اسے قتل کروا کر اس کی زمین پر قبضہ کیوں کیا؟'' چوہدری امتیاز کو اپنی نظروں کے سامنے پھانسی کا پھندہ لہراتا نظر آیا۔

''تم...... تم میرے خلاف لکھنا بند کرو، تم جو مانگو گے میں تمہیں دونگا۔'' چوہدری امتیاز کی خواہش تھی کہ کسی طرح بات کچھ دے کر ختم ہو جائے وہ اس لڑکے کو مار کر اپنے لئے مزید مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''آپ لوگ وہ اندھیرا ختم کر دیں جو آپ جیسے لوگوں نے اس ملک میں مچایا ہوا ہے یہاں غریبوں کو اتنا ہی جینے کا حق دے دیں، جتنا آپ جیسے معزز شہریوں کے پاس ہے آپ جیسے لوگ کرپشن کر کر کے اس ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں جب دل چاہتا ہے جیتے جاگتے انسانوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح روند دیتے ہیں، آپ جیسے لوگوں نے میرے وطن کی فضاؤں میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہے طاقت کا غلط استعمال کر کے۔''

''تم نے اس ملک کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے کیا؟'' چوہدری امتیاز کی جھنجھلائی ہوئی آواز آئی۔

''یہاں اس ملک میں میری نسلوں نے جینا ہے چوہدری صاحب، میں ایک صحافی ہوں میرے ہاتھ میں قلم ہے مجھے اس کا حق ادا کرنا ہے، کل یہ مٹی مجھ سے ضرور سوال کرے گی کہ میں نے اس کے لئے کیا کیا تھا، میں چاہتا ہوں میں فخر سے جواب دوں کہ میں نے حق لکھا تھا باطل کے سامنے سر نہیں جھکایا۔''

''تم پاگل ہو لڑکے، تمہیں زندگی پیاری نہیں ہے؟''

''آپ میری زندگی کی فکر مت کریں، میری زندگی اور موت کا حساب کتاب رکھنے والا اوپر بیٹھا ہے بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے گریبان میں جھانکیں اور اپنا احتساب کریں۔''

''تم کتے کی دم ہو۔'' چوہدری امتیاز نے غصے سے کہا اور فون بند کر دیا۔

''میں نے آپ کی دم پر پاؤں رکھ دیا ہے آپ تو ایسے کہیں گے ہی۔'' جہانگیر نے اپنے ٹیبل سے صفحات اٹھائے اور انہیں لے کر ایڈیٹر صاحب کے کمرے میں آ گیا۔

''سر! یہ آرٹیکل......'' جہانگیر نے صفحات ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''جہانگیر!'' صفدر صاحب نے واپس مڑتے جہانگیر کو پکارا۔

''جی سر!''

''تم جانتے ہو نا اس کا انجام کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' صفدر صاحب کی آنکھوں میں خدشات تھے۔

''جی سر آئی نو آج یا کل میں مجھ پر فائرنگ بھی ہو سکتی ہے جس کے نتیجے میں میں مر بھی سکتا ہوں، یا کچھ نامعلوم افراد میرے گھر آ کر مجھے مار کر چلے جائیں گے جسے ڈکیتی کی واردات کا رنگ دے دیا جائے گا۔''

''سب جانتے ہو تو کیوں اپنے لئے مشکلات کھڑی کر رہے ہو؟'' صفدر صاحب نے چشمہ اتار کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا، جہانگیر انہیں اپنے بیٹوں کی طرح عزیز تھا وہ اس نڈر اور بہادر لڑکے کو کھونا نہیں چاہتے تھے۔

''سر! میں سسٹم بدلنا چاہتا ہوں۔''

''جذباتی مت بنو جہانگیر تم اکیلے اس سسٹم کو نہیں بدل سکتے۔''

''کوشش...... کوشش تو کی جا سکتی ہے نا تاکہ میں بڑھاپے میں اپنے ملک کی حالت زار پہ نہ کڑھ نہ سکوں، مجھے کوئی افسوس نہ رہے مجھے یہ تسلی رہے گی کہ میں نے اپنی سی کوشش کی تھی۔''

"ٹھیک ہے ینگ مین، جیسے تمہاری مرضی۔" صفدر صاحب نے سرد آہ بھری انہیں اندازہ تھا وہ جتنی مرضی کوشش کرلیں وہ نہیں مانے گا، انہوں نے وہ صفحات اٹھا کر دراز میں رکھ لئے، جہانگیر گھڑی دیکھتے ہوئے واپسی کے لئے مڑا۔

"اپنا خیال رکھنا۔" عقب سے صفدر صاحب کی آواز پر جہانگیر اثبات میں سر ہلاتا ان کے آفس سے نکل گیا۔

وہ آفس سے سیدھا ڈی ایس پی کامران عباس کی طرف گیا۔

"یہ تمام ثبوت ہیں سر، میں نے اپنے طور پر چوہدری امتیاز کے خلاف بہت کچھ اکٹھا کیا ہے وہ سب اس میں موجود ہے، ہوسکتا ہے یہ میری اور آپ کی آخری ملاقات ہو کیونکہ کل میرے آرٹیکل کا بقیہ حصہ شائع ہو جائے گا تو سوچا تمام ثبوت آپ کو دے دوں۔" جہانگیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہونا چاہیے، ینگ مین، تم جیسے لوگ اس دھرتی کا مان ہو، مجھے، میرے ملک کو تم جیسے نوجوانوں پر فخر ہے، تم کہو تو تمہاری سیکیورٹی کے لئے۔"

"سر جی سیکیورٹی تو بس ایم این اے اور ایم پی اے کے لئے ہی اچھی لگتی ہے ہم جیسے غریب شہری اس پروٹوکول کے قابل نہیں ہیں ہم جیسے غریب شہری تو عدالتوں کے احاطے میں بھی مارے جاتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں بہت سی کالی بھیڑیں موجود ہیں میں آج ہی ایس پی صاحب سے بات کروں گا، جلد از جلد چوہدری امتیاز کے وارنٹ گرفتاری جاری کروانے میں اس سے پہلے کہ وہ ملک سے فرار ہو جائے۔"

جہانگیر ان سے مصافحہ کرکے وہاں سے چل دیا، ایس پی صاحب کے گھر سے وہ سیدھا عدن کے گھر آ گیا عدن کے گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے سات بج چکے تھے۔

زہرہ آنٹی اسے دیکھتے اس کی بلائیں لینے لگی۔

"کہاں تھے اتنے دنوں سے؟" عدن نے اسے دیکھتے ہی شکوہ کر ڈالا۔

"بس کچھ مصروفیت زیادہ تھی ٹائم ہی نہیں مل سکا۔" جہانگیر پچھلے دنوں واقعی بہت مصروف تھا۔

"ہاں بھئی آپ تو ڈی سی لگ گئے ہیں اب کہاں فرصت ملے گی ہم سے ملنے کی۔" عدن کے انداز پر جہانگیر مسکرایا۔

"چائے پانی کا پوچھتی نہیں ہو جب بھی آتا ہوں شکوے شروع کر دیتی ہو۔" جہانگیر نے مصنوعی خفگی سے کہا تو عدن نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"سوری بھول گئی۔"

"نہیں بیٹھی رہو میں مذاق کر رہا تھا چائے پینے کا بالکل موڈ نہیں ہے۔" عدن کو صوفے سے اٹھتا دیکھ کر جہانگیر فوراً بولا۔

"کیوں؟" عدن نے واپس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بس تم سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"جہانگیر! آپ اپنا خیال رکھا کریں۔" عدن نے فکر مندی سے کہا۔

"کیوں بھئی مجھے کیا ہوا ہے؟"

"آپ کو پتہ ہے نا آپ جیسے حق گوئی کے مجرموں کا کیا حال ہوتا ہے۔" عدن کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا مجھے، جس کی منگیتر صبح شام وظیفوں میں مصروف رہے اسے کچھ نہیں ہو سکتا۔" جہانگیر نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"آپ...... آپ اپنا خیال رکھا کریں، مجھے بہت ڈر لگتا ہے کہیں وہ لوگ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔"

"عدن! جو رات قبر میں لکھی ہے نا وہ میں قبر میں ہی گزاروں گا میں جتنی بھی کوشش کروں خود کو موت سے بچانے کی نہیں بچا سکوں گا، جو بھی ہوتا ہے بحکم خداوندی سے ہوتا ہے، ہم بس دعا کر سکتے ہیں۔" جہانگیر نے اسے تسلی دی۔

عدن کی آنکھوں میں خوف تھا کہ کہیں وہ جہانگیر کو کھو نہ دے۔

جہانگیر نے زہرہ آنٹی کے اصرار پر رات کا کھانا کھایا اور پھر واپسی کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا، ساڑھے دس بج چکے تھے، گاڑی چلتے چلتے اچانک رک گئی، بہت کوشش کے باوجود بھی گاڑی دوبارہ اسٹارٹ نہ ہوئی، جہانگیر نے دائیں بائیں دیکھا، سڑک سنسان تھی اس وقت کوئی کیب ملنا ناممکن تھا، اس نے گاڑی بند کی اور پیدل ہی چلنے لگا چاند کی آخری تاریخ تھی، اس کی نظر دائیں طرف پڑی جہاں ایک دکان کے باہر جلتا بلب جس کی مدھم سی پیلی روشنی اندھیرا ختم کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی جانے کیوں اسے اپنا آپ اس بلب جیسا لگا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

یہ رات اپنے سیاہ پنجوں کو جس قدر بھی دراز کرلے
میں تیرگی کا غبار بن کر نہیں جیوں گا
مجھے پتہ ہے کہ ایک جگنو کے جاگنے سے
یہ تیرگی کی دبیز چادر نہیں کٹے گی
مجھے خبر ہے کہ میری بے زور ٹکروں سے
فصیل دہشت نہیں ہٹے گی
تو بے خبر یہ دیار ہوگا
میں روشنی کی لکیر بن کر
کسی ستارے کی شکل بکھروں گا
بستیوں کو خبر نہ ہوگی
میں جانتا ہوں کہ میری کم تاب
روشنی سے سحر نہ ہوگی
مگر میں پھر بھی، سیاہ شب کا
غبار بن کر نہیں جیوں گا
کرن ہو کتنی نحیف لیکن کرن ہے پھر بھی
وہ ترجماں ہے کہ روشنی کا وجود زندہ ہے
اور جب تک
یہ روشنی کا وجود زندہ ہے رات اپنے
سیاہ پنجوں کو جس قدر بھی دراز کرلے
کہیں سے سورج نکل پڑے گا

وہ چلتا جا رہا تھا بے خوف و خطر، کیونکہ اسے معلوم تھا۔

"کہیں سے سورج نکل پڑے گا۔"

☆☆☆

کاسۂ دل

سندس جبیں

نویں قسط

''بس کرو بخت، کیا ہو گیا ہے تمہیں، اتنا ہائپر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔'' عباس کا رنگ اڑ گیا تھا۔

زیتون تائی ہکا بکا سی تھیں، جبکہ رمشہ روتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''یہ کیا ہو رہا تھا؟'' وہ بلند آواز میں بولیں۔

''آپ کے سامنے ہی ہے، کس طرح بدتمیزی کر رہی تھی وہ، ذرا بھی تمیز نہیں اسے پڑھی لکھی جاہل۔'' شاہ بخت تنفر سے کہتا باہر نکل گیا، جبکہ عباس بے چارہ وہیں رہ گیا۔

''کیا ہوا تھا عباس؟'' وہ اس سے پوچھنے لگیں۔

''کچھ نہیں تائی امی میں اور بخت اپنی بات کر رہے تھے کہ درمیان میں رمشہ بولنے لگ گئی، بخت نے اسے منع کیا تو وہ اس کے گلے پڑ گئی،

ناولٹ

پتا ہی ہے، وہ کہاں برداشت کرتا ہے کسی کی بات، اس نے تھپڑ مار دیا، باقی کا تو آپ کو پتا ہی ہے آپ کے سامنے ہوا سب کچھ۔'' وہ خاموش ہو گیا۔

''سمجھ نہیں آتی، اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے، عجیب سی حرکتیں کرنے لگی ہے، پہلے وہ ریڈیو والا شوشہ چھوڑا تھا اب باپ کو تنگ کر رہی ہے کہ مجھے اسلام آباد سے ایم فل کرنا ہے بھلا بتاؤ کیا لاہور میں یونیورسٹیز نہیں ہیں۔'' وہ تھکی تھکی سی صوفہ پہ بیٹھ گئیں۔

''آپ اسے سمجھائیں تائی امی۔''

''کیا سمجھاؤں؟ وہ آمادہ بھی تو ہو، میں بھینس کے آگے بین کب تک بجاؤں، یہ لڑکی تو میرے لئے مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔'' انہوں نے ہاتھ سر پہ رکھ لیا۔

عباس لاجواب سا ہو کر انہیں دیکھے گیا وہ تو اپنا مسئلہ ڈسکس کرنے آیا تھا مگر بات کسی اور ہی رخ پہ جا نکلی تھی۔

''اب بتاؤ جب اس کے بابا اور بھائی پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گی، باپ تو اس کا میرے پیچھے پڑ جائے گا کہ میں نے اس کی تربیت ٹھیک نہیں کی، میں کیا کروں؟ یہ پتا نہیں کیوں اتنی بے لحاظ ہوتی جا رہی ہے، اب کومل اور علینہ کو ہی لے لو، کیسی سلجھی ہوئی بچیاں ہیں، مجال ہے کبھی بلند آواز میں بات بھی کی ہو۔'' وہ کڑھ رہی تھیں۔

''آپ فکر مت کریں، انہیں کوئی نہیں بتائے گا۔'' وہ تسلی دینے لگا۔

''کوئی نہ بتائے، وہ خود ہی بتا دے گی۔'' وہ جل کر بولیں تو عباس ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

☆☆☆

یہ کنجن بوری کا منظر تھا، وہی شاداب، سرسبز پہاڑی علاقہ جو کہ ٹورسٹ کے لئے بڑی کشش رکھتا تھا، نوفل اس وقت ایک ہٹ میں عائشہ کے ساتھ موجود تھا، اس کے کچھ آدمی اس ہٹ کی نگرانی کر رہے تھے جس میں ستارہ موجود تھی۔

کچھ دیر بعد وہ عائشہ کو اپنی گاڑی میں لے کر اس ہٹ کی طرف جا رہا تھا، کچھ دور اس نے گاڑی درختوں کے بیچ روک لی، اس کے اشارے پر اس کے آدمی حرکت میں آ گئے، ہٹ میں صرف تین لوگ تھے، سب سے پہلا چوکیدار جو کہ نگرانی پہ معمور تھا، دوسری وہ ملازمہ اور تیسری ستارہ!

گارڈز نے بہت آسانی سے چوکیدار کو بے ہوش کر کے ایک طرف ڈالا اور دروازے کھول دیئے۔

نوفل نے اشارہ کیا تو عائشہ فوراً اتر کر اندر کی طرف بڑھ گئیں، برآمدے میں ہی انہیں ستارہ نظر آ گئی، وہ لپک کر اس کی طرف بڑھی تھیں، ستارہ نے حیرت سے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا، جیسے اسے اپنا واہمہ جان بیٹھی ہو۔

''ستارہ...... میری بہن...... تارو......'' وہ اس سے لپٹ گئیں۔

''آپی! آپ...... یہاں...... کیسے؟'' وہ جیسے ابھی تک شاک میں تھی۔

''مجھے نوفل یہاں تک لایا ہے، چلو نکلو یہاں سے، کہیں کوئی آ نہ جائے، چلو ستارہ وہ باہر گاڑی میں ہے، چلو۔'' اردگرد کوئی نہیں تھا جبھی وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں، پتا نہیں وہ سارے آدمی اور ملازمہ کہاں غائب ہو گئے تھے مگر اس سے انہیں کیا سروکار ہو سکتا تھا؟ وہ باہر آئیں اور تیزی سے گاڑی کا بیک ڈور کھول کر پہلے ستارہ کو بٹھایا اور پھر خود بیٹھ گئیں۔

''دیکھو نوفل! ستارہ آ گئی، اب چلو۔'' وہ خوشی سے چہک کر بولیں تھیں۔

ستارہ کی نظروں نے بے تابی سے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے آدمی کو دیکھا تھا، اس نے گردن موڑی، وہ بہتی نقوش کا حامل تھا۔

''سوری میم! سر تو جا چکے ہیں، میں آپ کو چھوڑ دوں گا۔'' اس آدمی نے شستہ انگریزی میں کہا، پھر اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی، ستارہ کو بے حد مایوسی ہوئی۔

''حیرت ہے ابھی تو ادھر ہی تھا، میں تمہیں کیا بتاؤں ستارہ، وہ کیسا ہے بس یوں سمجھ لو، انسان نہیں فرشتہ ہے ہمارے لئے وہ، کیا نہیں کیا اس نے؟'' عائشہ فرط خوشی سے کہنے لگی۔

''آپی! آپ یہاں آئیں کیسے؟'' اس نے بات بدلی۔

''بس ذرا تسلی سے بیٹھ لیں، پھر بتاتی ہوں تمہیں سب کچھ۔'' وہ مسکرائی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ اسی طرز کے بنے ہوئے ایک اور ہٹ میں پہنچ گئیں، یہ وہی ہٹ تھا جہاں نوفل عائشہ کو لے کر آیا تھا۔

''میرے خیال میں نوفل ادھر ہی ہو گا۔'' عائشہ اسے لے کر اندر کی طرف آ گئیں، ستارہ کی نظریں بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں، مگر چند منٹ بعد جبکہ وہ سارا ہٹ دیکھ چکی تھیں، انہیں پتا چل گیا کہ وہ وہاں سے جا چکا تھا، ستارہ بجھ سی گئی۔

''میرے خیال سے وہ کسی کام سے گیا ہو گا، آ جائے گا۔'' وہ بولیں۔

''آؤ...... بیڈ روم میں چلو۔'' وہ ستارہ کو لے کر بیڈ روم میں آ گئیں، ستارہ کو ایسی کوئی خوش امیدی نہیں تھی کہ وہ آئے گا، وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے ملنے سے کتراتا تھا، اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا جبھی تو عین موقع پر وہ غائب ہو گیا تھا، وہ خاموشی سے بستر پہ دراز ہو گئی، عائشہ اس کے پاس بیٹھنے لگیں، پھر اٹھ گئیں۔

''میں چائے بنا کے لاتی ہوں، تم بھی ذرا ریلیکس ہو جاؤ، پتا نہیں کب سے وہاں تھی۔'' وہ چلی گئیں۔

اور پیچھے اس کو تنہا چھوڑ گئیں، اس کے خیالوں اور یادوں سمیت، نوفل نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا، اس ستارہ کو آزاد کروا لیا تھا، مگر وہ خود کہاں تھا، وہ مضطرب سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

کچھ دیر بعد عائشہ آ گئیں، چائے پیتے ہوئے دونوں بہنیں جب باتوں میں مصروف ہوئیں تو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔

''پتا ہے ستارہ! اس کمینے مہروز نے پاکستان فون کر کے کہا تھا کہ تم گھر سے بھاگ گئی ہو، اف میرے اللہ بتا نہیں سکتی تمہیں میں کہ گھر میں کیا

عذر مچا تھا، بس یوں سمجھو کہ ہم جیتے جی مر گئے تھے، کچھ سمجھ ہی نہ آتی تھی کہ کیا کریں، کدھر جائیں کس سے مدد مانگیں، بس یوں لگتا تھا کہ ہم مسلسل اندھیرے میں ہیں، ایسے میں مہروز کی طرف سے بھیجا گیا طلاق نامہ، آہ کیسے بتاؤں کیا گزری ہم پہ، یہ تو نوفل، اللہ بھلا کرے اس کا، اسے لمبی زندگی دے، آسانیاں عطا کرے، اس کا احسان ہے ہم پر، ایک دن اس کا فون آیا، جب اس نے بتایا کہ وہ ستارہ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے، تو مجھ سمیت سب کو سکتہ ہو گیا، ہم تو تم سے بدگمان تھے اور تمہیں رو چکے تھے مگر نوفل نے ہمیں ساری سچائی سے آگاہ کیا اور تب مت پوچھو اماں کا کیا حال تھا، اتنا رو رہی تھیں اور کہتی تھیں۔"

"تم میری بیٹی سے بدگمان تھے نا، دیکھو اس کی پاکیزگی ظاہر ہو گئی۔"

"پھر نوفل نے مجھ سے بات کی اور یہاں آنے کا کہا، میں تو اڑ کے آنا چاہتی تھی مگر کچھ قانونی رکاوٹیں تھی، میرا پاسپورٹ بننا تھا، کاغذات، ویزہ، ٹکٹ، کوئی ایک کام تو نہ تھا مگر ابا ہائے میرے پیارے ابا میں صدقے جاؤں کتنا ساتھ دیا، کتنی بھاگ دوڑ کی انہوں نے، کچھ نوفل بھی مدد کر رہا تھا اور یوں میں پندرہ دن کے وزٹ ویزے پہ یہاں آ گئی۔" وہ ذرا دیر کو رکیں۔

"آپ کو نوفل لینے گیا تھا؟"

"ہاں بالکل یہ لمبی سی گاڑی میں، اس کی سج دھج دیکھنے کے قابل تھی، کیسا شاندار گھر ہے اس کا۔" وہ نوفل کی تعریفوں میں رطب اللسان ہو گئیں، ستارہ نے سر جھکا اسے اندازہ تھا کہ یہ سب اس کے مالکوں کا ہوگا۔

"اب تم مجھے بتاؤ، کیا ہوا تھا؟" انہیں اپنی بپتا سنانے سے فرصت ملی تو اس سے دریافت کرنے لگیں۔

"آپ کو نوفل نے نہیں بتایا؟"

"بتایا تھا مگر میں......" اس نے ان کی بات روک دی۔

"میں کچھ دیر سو جاؤں آپی!" وہ آزردگی سے کہتی ہوئی تکیے پہ سر رکھ کے سیدھی لیٹ گئی۔

"ہاں کیوں نہیں، مجھے خیال نہیں رہا سو جاؤ تم۔" وہ اس پہ کمبل درست کر کے اٹھ گئیں۔

☆☆☆

خالی شریانیں!!!
ہائے پیاس ہائے پیاس پکارتی ہیں
ایسے عالم میں
لگتا ہے آنکھیں خون سے بھر گئی ہیں
ہر روز رات بیمار ہو جاتی ہے
ہر روز دن مر جاتا ہے
خواہشوں اور آرزوؤں کی طرح ہم
دنیا کے کس کونے میں سر چھپائیں
کس گوشے میں پناہ ڈھونڈیں
لاشیں واویلا مچاتی ہیں
قبریں ہائے ہائے چلانے لگ جاتی ہیں
ایک قبرستان سے دوسرے قبرستان کا سفر
کتنا مفید ہو سکتا ہے
قبر بدل لینے سے
سزائیں تبدیل نہیں ہو جائیں گی

یہ قبر نما کمرہ، حیران کن ہی نہیں خوفناک بھی تھا، ایک چھوٹی اور تنگ سی راہداری نما جگہ تھی جس میں سیڑھیاں تھیں، دس گیارہ سیڑھیوں کے بعد منظر کھل جاتا تھا، یہ نیچی چھت والا کمرہ، جس کے ایک کونے میں الماری رکھی تھی لوہے کی اور دوسرے میں ایک سنگل بیڈ تھا، سامنے کے رخ پہ ایک کچن نما کارنر سیٹ تھا دو سیلپس جن میں سے

ایک پر سنک بنا تھا، دوسرے پر چولہا رکھا تھا اور یہ مختصر سی جگہ پر کچن کی ضرورت پوری کر رہی تھی، اسی رخ پہ چلتے ہوئے کمرے کے آخری کونے میں واش بیسن تھا اور ذرا اندر کو جا کر باتھ روم تھا۔

حبا خاموشی سے کمرے کے وسط میں کھڑی تھی، خاموش اور خوفزدہ اور حیران، ان کا سامان وسط میں دھرا تھا۔

"یہ کیا ہے اسید! یہ ہم کہاں آ گئے ہیں؟" اس نے سوال کیا، وہ کچھ بولے بغیر ایک طرف بنے واش بیسن کی طرف چلا گیا، قدرے جھک کر اس نے نل کھولا اور آستین کہنیوں تک فولڈ کر کے منہ دھونے لگا۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔" وہ اس بار جھلا کے بولی، اسید نے خود پہ بے پناہ ضبط کرتے ہوئے سلو موشن میں نل بند کیا اور آستین سیدھی کرتا اس کی طرف پلٹ آیا۔

اب وہ دونوں آمنے سامنے تھے اور تب حبا نے اس کے بھیگے چہرے کو دیکھا اور اس پہ سجی ان دو حسین آنکھوں کو جو کہ بہت بدل چکی تھیں، ان آنکھوں کا تاثر آج ہمیشہ سے مختلف تھا، کیا تھا وہاں؟ نفرت، وحشت اور سب سے بڑھ کر اجنبیت، جس نے سب سے زیادہ حبا کو تکلیف پہنچائی تھی۔

"دو باتیں ہمیشہ یاد رکھنا حبا تیمور!"

"نمبر ایک:۔ دوبارہ مجھ سے سوال کرنے کی غلطی مت کرنا۔"

"نمبر دو:۔ آئندہ مجھے اس انداز میں مخاطب مت کرنا، رشتے بدل چکے ہیں، طرز تخاطب بھی بدل جانا چاہیے۔" اس کی آواز سے ساری نرمی اور شائستگی رخصت ہو چکی تھی، اب وہاں صرف تپش تھی اور کرختگی۔

حبا کسی تصویر کی مانند ساکت تھی، بے جان اور حیران اور خاموش بازی الٹ گئی تھی، وہ ناقابل یقین تھی، بھلا ایسے کیسے ہو سکتا تھا، اپنی زندگی کی یہ بازی تو اس نے سب کچھ داؤ پر لگا کر جیتی تھی، اسے تو ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا کہ مرینہ اور تیمور اس کے کیے گئے ڈرامے سے متاثر ہو جائیں گے، بلکہ اس کا یقین کر لیں گے۔

دوسرے اگر وہ اسید کو قصوروار سمجھ لیتے تو یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے نکاح پہ آمادہ ہو جاتے، یہ تو سراسر اسید کی بے وقوفی کی وجہ سے اس کا کام بن گیا جس نے بڑے حقارت آمیز انداز میں کہا تھا کہ ان کی بیٹی کی غلطی کوئی نہیں بھلائے گا اور تیمور احمد کو یہی بات کلک کر گئی تھی اور انہیں کچھ اور سوچنے پہ مجبور کر گئی، اب اسید کی بدقسمتی کہ اس کی بات اس کے اپنے گلے کا پھندا بن گئی تھی۔

بہرحال جو بھی ہوا، اس سارے منظر نامے میں سب سے زیادہ فائدہ اس کا اپنا ہوا تھا، اس نے تو بس تھوڑا سا اوور ایکٹ کیا تھا اور باقی کام باقی لوگوں نے خود کر دیا، وہ خوش تھی بے انتہا خوش۔

اسے وہ مل گیا تھا، جس کے لئے وہ بے انتہا جدوجہد بھی کرتی تو نہ پا سکتی، وہ بے وقوف نہیں تھی جانتی تھی کہ کوئی جائز راستہ نہیں تھا، وہ کیا بتاتی اپنے باپ کو؟ کہ اسے اسید سے محبت ہے اور وہ اسے داماد کی حیثیت میں قبول کر لیں، جسے وہ کبھی بیٹے کی حیثیت سے قبول نہ کر پائے تھے اسے علم تھا کہ اس مسئلے پہ وہ اپنی جان چھڑکتی ماں سے بھی کچھ کہہ نہ پائے گی۔

تو ثابت ہوا کہ راستہ بند تھا اور اس بند گلی سے نکلنے کے لئے اسے صرف ایک راستہ نظر آیا تھا جسے اختیار کرنے میں اس نے کوئی تامل نہ

برتا تھا، اس نے اندھا دھند اس ''چور دروازے'' کو اپنایا تھا اور اس کے لئے اسے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑا تھا، بس چند جھوٹ بولنے پڑے تھے، اپنی محبت کا الزام اسید کے سر دھرنا پڑا تھا اور چند آنسو بہانے پڑے تھے اور جیسے کوئی جادو ہو گیا تھا۔

سب کچھ بدل گیا، سارا منظر نامہ اور پل میں سب کچھ اس کی مٹھی میں آ گیا۔

اس نے اسید مصطفیٰ کو حاصل کر لیا تھا، مگر اب؟ یہ کیا ہونے جا رہا تھا؟؟؟

''میں نے تمہیں حاصل کر لیا ہے اسید مصطفیٰ! اب تم میرے ہو، میری شناخت بدل گئی ہے، اب میں ''حبا اسید'' ہوں، میرے نام کے آگے تمہارا نام ہے، مجھے ڈر ہے یہ خوشی میری جان نہ لے لے، ابھی تو میں نے تمہارے لمس اور ذائقہ بھی نہیں چکھا، تمہارے آرٹسٹک ہاتھ، تمہاری آنکھیں اور بھورے بال اور تم خود، میرا دل چاہتا ہے میں تمہیں اپنی ذات کے اندر تحلیل کر لوں اور ایک بات یاد رکھنا، تم میری والین و آخری خواہش ہو، اگر کسی نے کچھ غلط کرنے کی کوشش کی تو میں جان سے گزر جاؤں گی۔'' اس کے اندر یہ سوچ پختگی اختیار کرتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

طے یہ پایا تھا کہ سبیلہ بیگم اپنے چند خاص رشتہ داروں کے ساتھ آئیں گی اور ولیمہ کی رسم مختصراً انجام دے دی جائے گی جس کے بعد وہ سبین کو لے کر اپنے گھر چلی جائیں گی۔

بادل نخواستہ ہی سہی مگر سبین نے اس پلاننگ سے اختلاف نہیں کیا تھا، جس کے نتیجے میں ''مغل ہاؤس'' میں ڈنر دیا گیا اور سبین کے ساتھ عباس بھی ان کی والدہ کے گھر چلا گیا، سبین آج ایک کامدار لونگ شرٹ اور کھلے فلیپر میں تھی، جس میں بلاشبہ وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی، عباس آج شلوار قمیض میں ملبوس تھا، جب وہ لوگ گھر پہنچے تو رات کی تاریکی اپنے ابتدائی حصے میں داخل ہو چکی تھی، عباس اندر آ کر بے تکلفی سے صوفہ پہ براجمان ہو گیا، شرمین فوراً اس کے پاس آ گئی۔

''بھائی! چائے لاؤں۔''

''ضرور۔'' وہ مسکرایا تھا۔

سبین اندر کہیں تھی، جبکہ خالہ جان اپنے مہمانوں کو رخصت کر رہی تھیں، کچھ دیر بعد وہ چائے لے کر آ گئی، عباس نے چائے ختم کی تو خالہ جان آ گئیں۔

''عباس! بیٹے تم خوش ہو نا؟'' وہ پوچھنے لگیں اور اس کا پس منظر اب عباس سے پوشیدہ تو نہ تھا، جبھی وہ بہت جاندار طریقے سے مسکرایا تھا۔

''جی خالہ! میں بہت خوش ہوں۔''

''تمہیں سبین سے کوئی شکائیت تو نہیں؟'' وہ خدشات و اوہام میں مبتلا تھیں۔

''وہ اتنی اچھی ہیں کہ مجھے ان سے کوئی شکایت ہو ہی نہیں سکتی۔'' وہ بہت سکون سے بولا، ان کے چہرے کی رنگت قدرے بحال ہو گئی تھی۔

''جیتے رہو، خوش رہو۔'' وہ دعائیں دیتی اٹھ گئیں۔

''وہ...... بھائی! آپی آپ کو بلا رہی ہیں۔'' شرمین نے اسے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا اٹھ کر اس کے پیچھے چلا گیا۔

وہ ایک بیڈ روم میں چلی گئی، عباس اندر داخل ہوا تو نرمین کو بھی وہیں پایا، سبین الماری کے آگے کھڑی تھی، کمرے کی سیٹنگ قدرے انٹیک سٹائل تھی، بھاری پردے، براؤن بڑے بڑے ڈیزائن والا فرنیچر اور جہازی سائز نواڑی پلنگ، جس پر نقش نگاری کا خوبصورت کام تھا۔

''عباس! میں چاہ رہی تھی کہ آپ چینج کر

لیں۔'' سبین نے الماری سے ایک ہینگ شلوار قمیض نکال کر تھمایا تھا، عباس اس کے طرز تخاطب پہ چونکا تھا، وہ اسے آپ کیوں کہہ رہی تھی، شاید اپنی بہنوں کے سامنے، اس نے خود سے سوچا۔

''یہ سوٹ امی نے بنوایا ہے آپ کے لئے۔'' وہ اس کے ہاتھ میں موجود سرمئی شلوار کرتا کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''او کے نرمین! مجھے باتھ روم کا رستہ دکھا دیجئے۔'' وہ شائستگی سے بولا۔

''جی آئیے میرے ساتھ۔'' وہ سر ہلاتی ہوئی آگے بڑھ گئی، تعمیراتی لحاظ سے یہ گھر پرانی وضع کا تھا جبھی باتھ رومز اور واش رومز الگ الگ بنے ہوئے تھے، کیونکہ وضع دار گھرانے اس بات کو نہایت کریہہ خیال کرتے تھے کہ سونے والے کمروں کے ساتھ باتھ رومز بنوائے جائیں۔

بات یہاں سے شروع ہوتی تھی کہ جب تقسیم کے بعد سبیلہ اور نبیلہ بیگم کے دادا حضور پاکستان آئے تو انہیں سرکاری الاٹمنٹ میں تین منزلہ گھر ملا، جسے انہوں نے صرف اس وجہ سے قبول نہ کیا کہ واش رومز گھر کے اندر بنے ہوئے تھے، ''مغل ہاؤس'' کا معاملہ بالکل الگ تھا، اس کی تعمیر میں قدیم اور جدید کا حیرت انگیز ملاپ تھا، جو کہ بڑوں اور نوجوان نسل کی مشترکہ کاوش کا نتیجہ تھا۔

عباس لباس تبدیل کر کے لوٹا تو سبین کو بیڈ پہ اضطرابی حالت میں پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھا دیکھا، حیران سا آگے بڑھا تھا۔

''آپ نے چینج نہیں کیا، کیوں؟'' عباس نے استفسار کیا، سبین نے سر اٹھا کر الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر سر نیچے گرا لیا، وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔

''کیا بات ہے سبین؟''

''صبح رمشہ اور بخت کے درمیان کیا ہوا تھا؟'' وہ پوچھ رہی تھی، عباس سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، یعنی معاملے کی سن گن اسے مل چکی تھی۔

''وہ ان کی آپس کی کوئی بات تھی۔'' عباس نے مناسب سمجھا کہ لاعلمی کا اظہار کر دے، اس کے جواب پر سبین نے بہت رنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔

''وہ ان کے آپس کی بات نہیں تھی، وہ میری بات تھی عباس!'' وہ آزردگی سے بولی۔

''کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر سر اٹھایا تو چہرے پہ موجود رنجیدگی مزید بڑھ چکی تھی۔

''آپ کس طرح لاعلم ہو سکتے ہیں عباس؟ ساری بات آپ کے سامنے ہی تو ہوئی تھی۔'' عباس سٹپٹا سا گیا مگر فوری بات بدل گیا۔

''یہ آپ مجھے ایسا کیوں مخاطب کر رہی ہیں؟'' وہ دانستہ شوخی سے بولا۔

''یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتی ہوں۔'' اس کا لہجہ سادہ سا تھا۔

''بڑی سالڈ ریزن ہے میرے پاس، مجھے اچھا لگتا ہے۔'' وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولا، سبین یکدم جھاگ کی مانند بیٹھ گئی۔

''آپ کے پاس کیا ریزن ہے؟'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا، یقیناً وہ اس کا جواب بھی یہ سننا چاہتا تھا، سبین چند لمحے خاموش رہی۔

''آپ کا احترام کرنا مجھ پر فرض ہے۔'' دھیما لہجہ، عباس نے بے ساختہ ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''ویری گڈ، میں آپ کا مجازی خدا ہوں اس لئے۔'' وہ پھر ہنسا۔

''چلیں یہ بتائیں کہ اور کیا کیا فرض ہے آپ پہ۔'' وہ اب لازماً اسے تنگ کر رہا تھا۔

"جو آپ کہیں۔" اس کا لہجہ بڑا تابعداری لئے ہوئے تھا۔

"جو بھی...... ہوں......" وہ سوچ میں پڑ گیا، مگر اسے ایسا کوئی حکم یاد نہ آیا جو وہ سبین کو یہ ثابت کرنے کے لئے دے سکتا کہ وہ ایک حاکمیت پرست شوہر ہے۔

"دیکھیں ذرا، اتنا اچھا موقع ہے میرے پاس آپ سے اپنی باتیں منوانے کا مگر افسوس مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"آپ بڑی خوبصورتی سے مجھے میری بات سے ہٹا رہے ہیں۔" سبین سنجیدگی سے بولی۔

"خوبصورتی سے یاد آیا کہ اس وقت آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔" وہ مسکرایا اور سبین کا ہاتھ تھام لیا۔

"عباس! پلیز۔" اس نے احتجاجاً ہاتھ کھینچ لیا۔

"آخر آپ اس بات کو کیوں کر لینا چاہتی ہیں؟" وہ جھلا سا گیا۔

"کیوں کہ وہ سب مجھے رمشہ نے خود بتایا تھا۔" وہ بھی تلخی سے بولی، عباس دم بخود رہ گیا۔

"کیا مطلب؟"

"آج وہ آئی تھی میرے کمرے میں اور اس نے صاف الفاظ میں مجھے باور کروایا کہ بجنت نے صرف میری وجہ سے اس پہ ہاتھ اٹھایا اور یہ کہ میں......" وہ روہانسی ہو کر رک سی گئی، پھر بڑے عجیب سے لہجے میں بولی تھی۔

"اگر میں آپ کے طبقے سے تعلق نہیں رکھتی تو اس میں میری کیا غلطی ہے؟ مگر غلطی تو یہ ہے کہ میری کہ میری شادی آپ سے ہو گئی، اگر میں نے یونیورسٹی کی شکل نہیں دیکھی تو اس میں بھی میری غلطی ہے، میرا باپ نہیں تھا عباس، میں یتیم ہو گئی تھی بڑی کم عمری میں، میری ماں نے گریجویشن کس طرح کرنے دیا مجھے، یہ میں ہی جانتی ہوں، میرا بھائی بھی نہیں تھا جو مجھے پروٹیکشن دے سکتا، کتنے خوف تھے ہماری زندگی میں؟ جس گھر میں کوئی مرد نہ ہو عباس، اس کا کرب صرف وہی جان سکتا ہے جو اس تجربے سے گزرتا ہو، میری بھی زندگی میں خواب تھے، میں بھی آگے پڑھنا چاہتی تھی میں نے بی اے تک ایجوکیشن حاصل کی تھی، میں سپیشل ایجوکیشن میں ماسٹرز کرنا چاہتی تھی، گونگے بہرے لوگوں کی تعلیم، میں ان کے احساسات سمجھنا چاہتی تھی مگر خدا کا شکر ہے میں نے یہ کر نہیں لیا، پتا ہے کیوں؟" وہ روتے روتے سر اٹھا کر پوچھنے لگی، عباس کے چہرے پہ سکوت طاری تھا۔

"جب ہم زندہ سلامت، مکمل اعضاء والے لوگوں کو نہیں سمجھ سکتے، تو نامکمل لوگوں تک جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، میں ایسے ہی خوش ہوں مطمئن ہوں، میں جیسی ہوں ویسی ہی ٹھیک ہوں۔" وہ مضبوطی سے کہہ رہی تھی ساتھ ساتھ الٹے ہاتھ کی پشت سے گال صاف کر رہی تھی، عباس کے اندر اتھاہ ندامت اترنے لگی۔

"سبین! میں...... میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، میں کوئی تسلی کوئی دلاسہ بھی نہیں دے سکتا، میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں، میں آئی ایم رئیلی سوری سبین۔" اس سے مزید بولا نہ گیا، وہ بے انتہا دکھی ہوا تھا۔

"اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟ آپ کیوں سوری کر رہے ہیں؟"

"آپ اس بات کو بھول جائیں، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دوبارہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" اس نے یقین دلانا چاہا۔

"بات یہ نہیں ہے عباس! دکھ تو اس بات کا ہے کہ میں ہائی کوالیفائڈ نہیں ہوں اور اگر کسی دوسرے کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار کروں تو شائد مجھے یہ چھوٹ مل بھی جائے کہ ہاں اگر پڑھی لکھی ہوتی تو نہ کرتی، مگر رمشہ اس نے یہ بات کر کے اپنے آپ کو چھوٹا ثابت کیا ہے، میں کمپلیکسز کی ماری ہوں یا نہیں، مگر وہ ضرور ہے۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔

چند لمحوں کے لئے دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

پھر سبین اٹھی اور کپڑے تبدیل کرنے کے خیال سے باہر نکل گئی، جب اچھی طرح منہ ہاتھ دھونے کے بعد وہ لوٹی تو عباس ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا۔

"ایسے کیوں بیٹھے ہیں، لیٹ جائیں۔" وہ چونک کر سیدھا ہوا پھر سر ہلاتا ہوا پیچھے ہٹ کر بیڈ کراؤن کے ساتھ سر ٹیک لیا۔

سبین نے تیز روشنیاں بجھا کر نسبتاً کم روشنی کا دودھیا بلب جلا دیا پھر کمبل کھول کر عباس کی ٹانگوں پہ ڈالا اور خود بھی بیڈ پہ بیٹھ گئی، ماحول میں کچھ عجیب سا سناٹا اور کشیدگی تھی۔

سبین نے دو تین بار اس کی طرف دیکھا، مگر کچھ کہہ نہ سکی کہ اتنی بے تکلفی کب تھی اس کے ساتھ۔

ایک دم سے عباس کا فون جاگ اٹھا، وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا تھا، اسکرین دیکھی تو بھائی کی کال تھی۔

"السلام علیکم بھائی!"

"وعلیکم السلام! کیسے ہو عباس یار، یہ گردیزی گروپ کی فائل بہت پرابلم کر رہی ہے اور چند دنوں تک ان کے ساتھ فائنل میٹنگز ہیں، بجنت کہیں اور مصروف ہے، میں کیا کروں؟" وہ خاصی بے چارگی سے کہہ رہے تھے۔

"آپ فکر مت کریں بھائی! میں صبح آ جاؤں گا۔"

"ارے نہیں یار! تمہارے سسرال کا معاملہ ہے۔" انہوں نے ٹوکا۔

"ایسی بھی بات نہیں ہے بھائی، میں آفس آ جاؤں گا پھر وہیں ڈسکس کر لیں گے، ٹھیک ہے۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا، تم چند گھنٹوں کے لئے آ جانا تو اس کو فائنل کر لیں گے۔"

"جی ٹھیک ہے یہ بجنت کدھر ہے؟"

"ہا...... کیا پوچھ لیا تم نے سخت موڈ آف ہے اس کا گھر سے نکلا ہوا ہے موبائل بھی بند کر رکھا ہے۔" وہ سخت پریشان تھے۔

"کیوں؟" وہ حیران ہوا۔

"وہی معاملہ یار...... صبح جو ہوا، اب تمہیں پتا ہی ہے کہ رمشہ کہاں سہارتی ہے اس کی بات، بس اچھا خاصا تماشا بنا آج تم لوگوں کے جانے کے بعد، طارق چاچو سے سخت ڈانٹ پڑی بجنت کو۔"

"یہ تو غلط بات ہے، بدتمیزی تو رمشہ نے شروع کی تھی۔" عباس کو بے حد غصہ آیا۔

"ہاں میں مانتا ہوں بابا بھی یہی کہہ رہے تھے مگر یار! چاچو کو اس بات کا غصہ تھا کہ اس نے رمشہ پہ ہاتھ کیوں اٹھایا۔" وہ بتانے لگے۔

"اچھا سنو، سبین کیسی ہے، تم خوش ہو نا؟"

"جی۔" اس نے یک لفظی جواب دیا، وہ ٹھٹک گئے۔

"مطلب؟ اتنا مختصر جواب، کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں بس یہی رمشہ والی بات۔"

"کیا مطلب اس بات کا سبین کو کیسے پتا چلا؟"

"رمشہ خود بتا کر گئی تھی انہیں بلکہ جتا کر بھی گئی تھیں کہ بخت نے ان کی وجہ سے اس پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔" وہ خلاف مزاج طنز کر گیا۔

"اوہ میرے خدا! یہ لڑکی اس کو واقعی جوتے لگنے چاہیں، حد ہے اتنا سطحی کیسے سوچ سکتی ہے وہ اور ہم مرے جا رہے ہیں اس کوشش میں کہ سبین کو خوش رکھ سکیں اور وہ بدتمیز اور خود سر لڑکی سب الٹ رہی ہے۔" وہ بھڑک سے گئے تھے، سبین کے معاملے میں ایک بار پہلے بھی کوتاہی کا نتیجہ بے حد بھیانک نکلا تھا، اب وہ قطعاً ایسا نہیں چاہتے تھے، جبھی ان کے انداز میں بہن کے لئے کوئی رعائیت نہ تھی۔

"خیر جانے دیں اس بات کو۔" عباس نے ٹالنا چاہا۔

"تم میری سبین سے بات کرواؤ۔" انہوں نے کہا تو عباس نے فون اس کی طرف بڑھا دیا جو یکطرفہ بات چیت سے معاملے کا متن تو بوجھ چکی تھی۔

"السلام علیکم بھائی!" اس نے کہا۔

جواباً وہ اس نے دیر تک معافی مانگتے رہے، سبین بے ساختہ شرمندہ سی ہوگئی۔

"اس میں آپ کی کیا غلطی ہے بھائی؟"

"نہیں سبین ہم بڑے ہیں اس معاملے کو دیکھ لیں گے، مجھے یقین ہے کہ تم رمشہ کی یہ نادانی کھلے دل سے بھلا دو گی۔"

"جی بھائی، بالکل۔" اس نے مسکرا کر کہا، کچھ دیر مزید بات کرنے کے بعد وقار کا فون بند ہوگیا، سبین نے موبائل اس کی طرف بڑھایا تو ابھی تک مسکرا رہی تھی، کیوں نہ ہوتی کہ وقار نے اسے رشتوں کا مان ہی ایسا بخشا تھا۔

"موڈ ٹھیک ہوگیا جناب کا؟" عباس نے فون تھامتے ہوئے کہا، سبین جھینپ سی گئی۔

"جی ہوگیا۔"

"اب میرا بھی موڈ ٹھیک کریں۔" عباس نے فرمائش کی۔

"بولیں کیا خدمت کی جائے آپ کی؟" وہ ہنس دی۔

"ہم خدمت کرنے والوں میں سے ہیں لینے والوں میں سے نہیں۔" وہ معنی خیزی سے مسکرایا اور دایاں بازو، پھیلا کر اسے قریب کرلیا۔

☆☆☆

یہ آفس کا روایتی سا منظر تھا، شاہ بخت ابھی ابھی آفس آیا تھا، رات دیر سے گھر آنے کے بعد وہ صبح چار بجے کے قریب سویا تھا اور اسی حساب سے صبح بارہ بجے کے قریب اٹھا تھا، اس وقت دن کا ایک بج رہا تھا، ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ وقار نے اسے اپنے کمرے میں کال کرلیا۔

وہ اٹھا اور باہر نکل آیا، وقار کے کیبن میں گیا تو انہیں ادھر سے ادھر چکر لگاتے پایا۔

"آپ نے بلایا تھا بھائی۔" بخت نے کہا۔

وقار نے رک کر اسے دیکھا اور جن نظروں سے دیکھا اس کو ہلا کر رکھ دیا، ان نظروں میں اجنبیت تھی، خشونت تھی غصہ تھا، وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے، بخت کے اندر جیسے کوئی گھنٹی سی بج اٹھی۔

"کیا بات ہے؟ آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟" وہ بولا، وقار جواب دیئے بغیر اپنی آفس ٹیبل تک گئے، وہاں براؤن پیپر میں لپٹا ہوا کچھ پڑا تھا، پارسل کھلا ہوا تھا جبھی انہوں نے اس کے اندر سے کچھ نکالا اور وہیں کھڑے کھڑے پوری قوت سے شاہ بخت کی طرف اچھالا، وہ بھاری جلد کا کوئی میگزین تھا جو تیز رفتاری سے اڑتا ہوا آیا اور شاہ بخت کے منہ پہ لگا اور پھر اس کے پیروں میں گر گیا۔

"تو یہ کرتے پھرتے ہو تم؟" ان کی آواز میں زہر تھا، بخت نے زرد رنگت کے ساتھ اپنے پیروں میں گرے ہوئے میگزین کو دیکھا جس کا سرورق خون سے بھیگ رہا تھا اور یہ خون اس کی ناک سے بہہ رہا تھا، یقیناً ناک کے اندر چوٹ آئی تھی۔

مگر وہ اسی طرح بے حس وحرکت نیچے دیکھ رہا تھا اور خون قطرہ قطرہ بوند بوند اس سرورق کو داغ دار کر رہا تھا۔

"یہ کرتے پھرتے ہو تم اور میں مرا جاتا ہوں اس بات کو لے کر کہ کوئی بات میرے بخت کے خلاف مزاج نہ ہو جائے، اس کی کوئی خواہش ایسی نہ ہو جو میں پوری نہ کرسکوں، اس لئے صرف اس لئے تم نے ناجائز فائدہ اٹھایا، ہے نا شاہ بخت!" ان کے لہجے میں شدید کاٹ تھی، شاہ بخت نظریں جھکائے ہونٹ بھینچے کھڑا تھا

"ارے اس طرح نظریں جھکائے کیوں کھڑے ہو؟ ابھی تو تمہاری مردانگی کا ایک اور کارنامہ ہے میرے پاس۔" اب وہ آفس ٹیبل کی دراز سے کچھ نکال رہے تھے اور پھر وہ بھی انہوں نے حسب سابق اس کی طرف اچھال دیا۔

اس بار شاہ بخت کا رنگ مزید فق ہوگیا یہ اس کا سگریٹ کیس اور لائٹر تھا، اس کی پیشانی تر ہوگی۔

"ارے اتنا شرمندہ کیوں ہو رہے ہو؟ آمین بہت بڑے ہو گئے تم، اپنے فیصلے خود لینے لگے ہو، باتوں کو پوشیدہ رکھنا آ گیا ہے تمہیں، اسموکنگ کرنے لگے ہو ...... اور......" وہ سخت ناراضگی سے اور طنزیہ ٹون میں بات کر رہے تھے۔

"بھائی پلیز!" شاہ بخت نے پہلی بار انہیں ٹوکا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ۔" انہوں نے بخت کو کالر سے پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔

"دل تو چاہ رہا ہے تمہارا منہ تھپڑوں سے اڑا دوں مگر مجبوری یہ ہے کہ تم مجھے بہت پیارے ہو اور کوئی اپنی پیاری چیز کو نقصان نہیں پہنچا سکتا خواہ وہ چیز اسے کتنی ہی تکلیف دے۔" وہ چلائے تھے پھر اسے یونہی کالر سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باتھ روم میں لے گئے، بیسن کا نل کھولا اور اس کا سر پانی کے نیچے کر دیا

شاہ بخت نے خاموشی سے آگے بڑھ کر دونوں چیزیں اٹھائیں اور باہر نکل آیا، اسے پتا تھا کہ فی الوقت وقار کسی قسم کی وضاحت سننے کے موڈ میں نہ تھے اور اگر وہ ایسا کرنے کی کوشش کرتا تو لازماً ان کے غصے کو مزید ہوا ملتی، جبھی اس نے اس وقت خاموشی ہی بہتر سمجھی تھی، اپنے روم میں آ کر اس نے سگریٹ کیس اور لائٹر کو دراز میں ڈال دیا اور میگزین اپنے سامنے ٹیبل پہ رکھ دیا، پھر ٹشو لے کر اس کے ٹائٹل کو صاف کرنے لگا، صاف کرنے کے بعد اس نے ٹشو ڈسٹ بن میں پھینکا اور میگزین پہ نظر دوڑائی۔

یہ نیویارک کی مشہور فیشن میگ تھا اور اس کا ٹائٹل خاصا جاذب نظر اور دلکش تھا۔

سیاہ شاندار تھری پیس میں ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے دوسرا ہاتھ اپنی کو ماڈل کی کمر کے گرد حمائل کیے، وہ بڑے ذی شان اور باوقار انداز میں کھڑا تھا۔

اس کے ساتھ نینسی مالکم تھی نیویارک کی ٹاپ کلاس ماڈل، وہ اس وقت ایک ریڈ میکسی میں ملبوس تھی، سیاہ وسرخ کا یہ امتزاج بڑا شاندار اور باکمال لگ رہا تھا، سب سے زیادہ قابل نظر چیز شاہ بخت کی شہد رنگ کی آنکھیں تھیں جنہیں خاص

طور پر فوکس کیا گیا تھا اور اس وقت ان آنکھوں کا تاثر بڑا ساحرانہ تھا، جن سے غرور بے نیازی اور شان استغنا چھلک رہے تھے۔

اس نے ایک طویل سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا، اسے پتا تھا کہ اس کا ٹائٹل واقعی قابل دید تھا مگر اندر کچھ بھی ایسا نہ تھا جو قابل ذکر اور دید ہوتا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وقار کے اصل غصے کی وجہ بھی یہی اندرونی صفحات تھے، اس نے ہونٹ چباتے ہوئے تیزی سے صفحات پلٹے اور چند لمحوں کے لئے ٹھٹک گیا، سب کچھ اس کی توقع سے بڑھ کر تھا، بدترین یا شاندار؟ اس کا فیصلہ تاحال باقی تھا مگر اس کے نینسی مالکم کے ساتھ دیئے گئے پوز اور اسٹیپس واقعی بولڈ اور خطرناک تھے اس نے سر جھٹک کر میگزین بھی دراز میں ڈال دیا۔

سائیڈ پہ رکھا پانی اٹھایا اور پانی پینے لگا، اگلے چند لمحے اس نے یہ سوچنے میں گزار دیئے کہ اسے وقار سے کن لفظوں میں بات کرنا تھی؟ انہیں کیا وضاحت دینا تھی، ان سے مزید کیا فیورز لینا تھیں، ایسے کون کون سے جھوٹ تھے جو ابھی وہ ان سے مزید بول سکتا تھا؟ وہ جیسے اپنی چیک لسٹ پوری کر رہا تھا۔

غلطی اس سے یہ ہوئی تھی کہ اس نے نیویارک ایجنسی کو اپنے آفس کا پتا دے دیا تھا اس کا خیال تھا کہ پارسل بہرحال اسی کے پاس آئے گا مگر اتفاق سے وہ وقار کے روم میں رکھا گیا، یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ وقار نے اسی وقت اس کا نوٹس لے لیا تھا، یہ ایک مزید اتفاق تھا کہ اس کا سگریٹ کیس ان کے ہتھے چڑھ گیا تھا، مگر حیرانی کی بات تو یہ تھی کہ کیسے؟ وہ بہت کم اس کے کمرے میں آتے تھے اور وہ خود بھی لاپرواہ نہیں تھا تو پھر لازمی بات تھی کہ کسی اور کے توسط سے یہ ان تک پہنچا تھا آخر وہ کون تھا؟

وہ سوچ سوچ کر الجھ رہا تھا، کچھ رات بابا کے ہاتھوں ہونے والی عزت افزائی کی وجہ سے موڈ پہلے ہی سخت خراب تھا، مستزاد وقار کی ناراضگی اور غصہ اس کا دماغ گھومنے لگا۔

وہ کچھ دیر انتظار کے بعد اٹھا اور وقار کے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہ اندر داخل ہوا تو انہیں فون پہ محو گفتگو پایا۔

وہ ایک طرف کھڑا ہو کر ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

''اگر تم معافی مانگنے آئے ہو تو یہ فضول ہے، مجھے تمہارے ایکسکیوز کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ فون رکھنے کے بعد اس کی طرف دیکھے بغیر بولے اور سامنے پڑی فائل کھول لی۔

''آپ اتنے قدامت پسند ہو رہے ہیں بھائی!'' وہ سپاٹ انداز میں بولا تھا۔

وقار کو اس کی بات کسی چابک کی طرح لگی تھی، وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

''میں...... میں قدامت پسند ہو رہا ہوں؟ میں؟'' وہ بے یقینی سے اپنی انگلی خود پہ اٹھائے پوچھ رہے تھے۔

''گڈ...... ویری گڈ شاہ بخت! تو تمہارے نزدیک لبرٹی کیا ہے، یہ کہ اگر میں اس شرٹ کو اتار کر ایک طرف پھینک دوں، اپنی عزت اور حیا کے لبادے کو خود سے الگ کر کے ایک غیر محرم...... غیر مسلم لڑکی کے ساتھ اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر کھڑا ہو جاؤں اس کے کندھے سے کندھا جوڑ کر اس کے گال سے گال ملا کر تصاویر بنواؤں تو پھر میں لبرل کہلاؤں گا، ہوں یہ ہو گی لبرٹی؟ اور اگر میں سب کے اعتماد کو دھوکہ دے کر سگریٹ نوشی کرتا پھروں، ٹھیک ہے، نا یہ لبرٹی ہے؟'' وہ تحقیر و استہزاء سے کہہ رہے تھے،

شاہ بخت نے تنک کر انہیں دیکھا۔

''آخر ایسا کیا کر دیا میں نے؟ صرف اسموکنگ ہی تو کر رہا ہوں، آج کل لڑکے کیا کچھ کرتے پھرتے ہیں اور میں......'' وہ جھنجھلا کر کہہ رہا تھا جب وقار کے زوردار تھپڑ نے اسے خاموش کروا دیا، شاہ بخت کا رنگ دہک اٹھا تھا، وائے قسمت اسی وقت دروازہ کھول کر عباس اندر داخل ہوا تھا اور اس کی نظر براہ راست اسی سین پہ پڑی تھی وہ ہکا بکا رہ گیا۔

وقار اور شاہ بخت پہ ہاتھ اٹھا رہے تھے، اسے یقین ہی نہ آیا، اس نے تیزی سے اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا، مبادہ کوئی ورکر دیکھ ہی نہ لے۔

''بھائی یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' عباس حواس باختہ سا اس کے قریب آ کے بولا، مگر وہ دونوں اس کی طرف متوجہ نہ تھے۔

''دوسرے لوگوں کی بات کرتے ہو، ڈوب مرو شرم سے، جانتے ہو دوسرے لوگوں کو، جو اتنے دھڑلے سے ریفرینس دے رہے ہو، پتا بھی ہے تمہیں کہ کیا کہہ رہے ہو، کچھ اندازہ نہیں ہے تمہیں۔'' وقار اس کا شانہ سختی سے جھنجھوڑتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''کیا نہیں ہے تمہارے پاس، کس چیز کی کمی ہے تمہیں، گھر نہیں ہے تمہارا، گھر والے نہیں ہیں، بہن بھائی نہیں ہیں، رشتے نہیں ہیں، پیسہ نہیں ہے، کیا نہیں ہے تمہارے پاس۔'' وقار کا غصہ فزوں تر ہوتا گیا۔

''اس طرح کی حرکتیں پتا ہے کون لوگ کرتے ہیں، جن کے پاس مسائل کے انبار کے ہوتے ہیں، جن کی ساری زندگیاں غربت کی چکی تلے پستے گزر جاتی ہیں پتا ہے کون سے لوگ جن کی کمپنی بھی غلط لوگوں میں ہوتی ہے، احساس کمتری سے بھرے لوگ کرتے ہیں اسموکنگ جن کو خود میں کمیاں نظر آتی ہیں اور تم مقابلہ کرنے چلے ہو اپنا ایسے لوگوں سے؟'' وہ مسلسل غصے میں تھے۔

شاہ بخت کے ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے، نظریں جھکی ہوئی تھیں اور مٹھیاں بند تھیں، عباس کے سامنے اتنی تذلیل کا تصور بڑا قاتل تھا۔

''زبان کاٹ دوں گا تمہاری اگر دوبارہ تمہارے منہ سے یہ الفاظ نکلے، چلے ہو اپنا مقابلہ کرنے دوسروں سے۔'' انہوں نے اسے پرے دھکا دیا وہ لڑکھڑا کر پیچھے پڑے صوفہ پر گرا تھا۔

''بھائی پلیز بس کریں...... پلیز...... کیا ہوا ہے؟'' عباس بے چارہ گھبرایا ہوا سا بولا تھا۔

''اور ایک بات کان کھول کر سن لو میری شاہ بخت مغل! اپنی حیثیت اور حد یاد رکھو، مجھ سے دوبارہ اس انداز میں اس لہجے میں بات کرنے کی جرأت کی نا تو منہ توڑ دوں گا تمہارا...... اگر آج کچھ ہونا تو میرے بل بوتے پہ، اگر میں تمہارے آگے کھڑا نہ ہوتا تو میں دیکھتا تم کیا کرتے اور کیا کر سکتے؟ اور یہ بھی یاد رکھنا اگر یہ تمہارے کارنامے میری ٹیبل کی بجائے بابا یا چاچو کی ٹیبل پہ جاتے تو کھڑے کھڑے تمہیں جائیداد سے عاق کر کے گھر سے باہر نکال کھڑا کرتے، پھر میں دیکھتا تم کیا ہو؟'' ان کا لہجہ تحقیر آمیز تھا۔

''اور آخری بات ہمیشہ یاد رکھنا ''مغل ہاؤس'' والوں کے حوصلے بڑے بلند ہیں، یہاں اصولوں پہ سمجھوتہ نہیں کیا جاتا اگر کوئی ان اصولوں کو توڑنے کی کوشش کرے گا تو وہ الگ کر دیا جائے گا، تنہا ہو جائے گا اگر نواز اور ایاز کو رد کیا جا سکتا ہے تو تیسرا نام شاہ بخت بھی ہو سکتا ہے، اتنا جگرا ہے ہمارا، میں حشر کر دوں گا تمہارا اگر تم نے

میرے سامنے سر اٹھانے کی کوشش کی تو......'' ان کا حرف حرف زہر سے بھرا ہوا تھا، چند لمحے وہ رک کر گہرے گہرے سانس لے کر خود کو کمپوز کرتے رہے۔

''فائل کمپلیٹ ہے عباس؟ چلو آؤ۔'' کچھ دیر بعد انہوں نے عباس سے کہا اور باہر نکل گئے؛ لہجہ اتنا تحکمانہ تھا کہ وہ بلا چوں چراں کیے ان کے پیچھے باہر نکل گیا۔

کمرے میں ایک زہرناک خاموشی تھی اور یہ خاموشی شاہ بخت کے اندر اتر رہی تھی، دھندلے پیروں کے ساتھ، ہولے ہولے دھیمے دھیمے اس نے یہ سب کیوں کیا تھا؟ جواب تھا مگر وہ دینا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

''میں تم سے ملنا چاہتی ہوں نوفل! تم کہاں ہو؟'' یہ اگلی صبح کا ذکر تھا جب نوفل نے Hutt کے لینڈ لائن پہ فون کیا تھا تو ستارہ نے اٹھایا تھا۔

''کیسی ہو تارا؟'' وہی اس کا ٹھنڈا لہجہ معمول کے مطابق تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، بالکل ٹھیک ہوں پلیز، نوفل مجھے ملو۔'' وہ رونے لگ گئی، وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''یہ ممکن نہیں تارا۔'' وہ مضطرب تھا۔

''کیوں؟ کیوں؟ ممکن نہیں، اب کس بات کا ڈر ہے تمہیں؟ اب کون سی رکاوٹ ہے تمہاری راہ میں؟'' وہ چلانے لگی۔

''میں کوشش کر رہا ہوں تمہارے پیپرز مل جائیں، چند دنوں تک تم واپس پاکستان جا سکو گی۔'' وہ غیر جذباتی انداز میں بتا رہا تھا۔

''بھاڑ میں گئے پیپرز، سنا تم نے، میری بات کو ٹالو مت نوفل۔'' وہ بھڑک اٹھی۔

''اس بات کو چھوڑ دو تارا۔'' وہ آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

''کیوں چھوڑ دوں؟ نوفل تمہیں کون سی چیز روک رہی ہے، پلیز مجھے بتاؤ پلیز مجھ سے مت چھپاؤ، تم نے مجھ پہ بہت احسانات کیے ہیں میں اسے بھی تمہارا احسان سمجھوں گی، مجھ پر ایک یہ احسان مزید کر دو۔'' وہ بدستور سسک رہی تھی۔

''یہ ناممکن ہے۔'' وہ قطعیت سے بولا اور فون بند کر دیا، ستارہ گم صم بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆

تمہیں پانے کی چاہت میں
روشنی ہم سفر کر لی
مگر پھر یوں ہوا!!!
جب تم ملے
تو......!
اندھیروں سے دوستی
کر لی......!

وہ کمرہ نہیں تھا ایک تاریک قبر تھی جو حبا کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی اور قبر سے فرار کا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

وہ صبح کے چار بجے کے قریب یہاں پہنچے تھے، اسید منہ دھونے کے بعد اس اکلوتے بستر پہ آ کے سو گیا، حبا ششدر سی دیکھتی رہ گئی، اشارہ بڑا واضح تھا، وہاں ''حبا'' کی جگہ نہیں تھی، اس نے بے چینی سے کمرے میں نگاہ دوڑائی وہاں ایسی کوئی سیٹنگ نہ تھی جسے وہ اپنے سونے کی جگہ کے طور پر استعمال کر پاتی، خون کے گھونٹ پی کر وہ ساتھ لائے بیگز کی طرف متوجہ ہو گئی۔

دیوار کے ساتھ لگی الماری کے پٹ وا کیے تو وہ چوں چراں کی تیز آواز پیدا کرتے ہوئے کھل گئے۔

اس نے چند لمحے الماری کی اندرونی حالت کا جائزہ لیا اور پھر کپڑے ترتیب سے رکھنے لگی، اسید نے تو صرف اپنے ڈاکومنٹس رکھے تھے، یہ اس کی اپنی ذہانت تھی کہ اس نے اسید کے کپڑے اور جوتے جتنے ہاتھ لگے تھے فوراً ٹھونس لئے تھے، اس نے الماری میں سب کچھ بڑے قرینے سے رکھا اور پھر اس کے پٹ بند کر دیئے ایک بار پھر چوں چوں کی تیز آواز ابھری تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ کچن رینج والی جگہ پہ آ گئی، وہاں چند ضرورت کے برتن دھرے تھے اس نے ہر جگہ چھان ماری وہاں کچھ بھی کھانے پینے سے متعلقہ چیز نہ پڑی تھی، وہ سخت مایوس ہوئی اسے بے حد بھوک لگ رہی تھی، اسی عالم میں اس نے پانی کے دو گلاس پیئے اور واش بیسن کی سمت آ گئی، منہ ہاتھ دھویا اور پھر کمرے کی طرف رخ موڑ کر اس سوچ میں مشغول ہو گئی کہ کہاں سویا جائے؟

☆☆☆

سبین کے اندر وہ اطمینان اترا ہوا تھا جو سارے جہانوں کی دولت ملنے کے بعد بھی شائد کسی کو حاصل نہ ہونے پائے، عباس کا رویہ اس کے لئے صرف اچھا نہیں تھا بلکہ اس کی توقعات سے بڑھ کر بھی تھا، وہ قطعاً اس کی امید لے کر نہیں آئی تھی، اسے یقین تھا کہ شکل وصورت میں ایاز سے مشابہت رکھنے والا عباس کہیں نہ کہیں مزاجاً بھی اس سے ملتا جلتا ہوگا، مگر عباس کے گزشتہ تین دنوں کے رویے نے اسے درطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

یہ تو اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بے حد حساس تھا، جس طرح وہ اس کی باتوں کو سن کر ششدر رہ گیا اور پھر جس طرح اس نے سبین کو سنبھالا وہ اس کے لئے ناقابل یقین تھا، وہ اس سے ایسے برتاؤ کر رہا تھا جیسے وہ کسی محل کی شاہ زادی ہو اور وہ اس کا ادنیٰ سا خادم، جس ادب اور احترام کی مٹھاس سے بھرے لہجے میں وہ اسے ''آپ'' کہتا تو سبین ایسے محسوس کرتی گویا وہ کتنی اہم اور قابل عزت ہستی ہو اور رمشہ والی بات پہ اس کا ری ایکشن بھی بڑا غیر متوقع تھا، وہ کب توقع کر رہی تھی کہ وہ اس سے متعلقہ بات کو یوں اہمیت دے گا مسز اور رات میں آنے والا وقار کا فون، وہ بے حد خوش تھی مگر ابھی اس کے لئے مزید بھی کچھ باقی تھا۔

اگلی صبح جبکہ ابھی وہ سبین کی طرف ہی تھے، عباس نے خالہ کو ناشتہ بنانے سے منع کیا اور ساتھ ہی نرمین اور شرمین کو تیار ہونے کا کہہ دیا۔

''ہم ناشتہ ریڈی میڈ لے کر آئیں گے۔'' اس نے اعلان کیا۔

''اور یہ گڑیا اور چندا کی پسند کا ہوگا۔'' اس نے جھٹ سے نک نیم بھی رکھ دیئے، خالہ ہنس پڑیں۔

''یہ کیسے نام ہیں بیٹا؟''

''یہ دونوں مجھے علینہ کی طرح ہی عزیز ہیں خالہ! اور علینہ بھی تو گڑیا سی ہے بس یہ میرے منتخب کردہ نام ہیں، مجھے امید ہے میری ان ننھی شاہ زادیوں کو ضرور پسند آئیں گے۔'' وہ نرمی سے محبت بھرے انداز میں بولا تھا، سبین کے چہرے کی چمک دو چند ہوئی اور مسکراہٹ گہری نرمین اور شرمین کے چہرے جگمگا اٹھے۔

''تھینک یو بھائی۔'' وہ کورس میں بولیں پھر ہنس پڑیں۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں تیار ہو کر چلے گئے، عباس نے کچھ ان کی پسند اور کچھ اپنی پسند کا ناشتہ لیا اور واپس آ گئے، وہ ناشتے پہ مسلسل خوشگوار موڈ میں باتیں کرتا رہا، اس کے بعد وہ آفس چلا گیا، تین گھنٹوں بعد جب وہ لوٹا تو لنچ کی تیاری ہو رہی تھی، وہ بستر پہ لیٹ گیا اور موبائل پہ کوئی نمبر

پریس کرنے لگا اسی وقت سبین اندر آئی۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ اسے اس وقت بستر پہ لیٹے دیکھ کر متوحش سی بولی، عباس کے چہرے کے تاثرات فوراً بدلے تھے۔

''جی میں ٹھیک ہوں ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟'' وہ بولا لہجہ بالکل نارمل تھا۔

''جی میں لاتی ہوں۔'' وہ واپس مڑی۔

''آپ کے ہاتھ کی ہو تو۔'' اس کی فرمائش پہ سبین نے اسے گردن موڑ کر دیکھا مسکرائی اور کہا ''جی ضرور'' اور باہر نکل گئی، عباس کی نظر اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے سر تکیے پہ ڈال دیا اور فون ایک طرف پھینک دیا، شاہ بخت کا موبائل ابھی تک آف تھا، آفس میں آج جو کچھ ہوا تھا وہ اتنا حیران کن اور صدماتی تھا کہ اس کے حواس تا حال اس واقعے کو قبول کرنے میں متامل تھے، پھر اس نے گھر کا نمبر ملایا فون علینہ نے اٹھایا تھا۔

''عباس بات کر رہا ہوں، کیسی ہو علینہ؟''

''بھائی میں ٹھیک ہوں آپ اور بھابھی کیسی ہیں؟ اور آپ گھر کب آئیں گے؟'' وہ بے حد خوش تھی۔

''آج شام تک لوٹ آئیں گے، تم یوں کرو ذرا بخت کو دیکھو، وہ گھر ہے یا نہیں؟''

''جی میں دیکھتی ہوں آپ ہولڈ کیجئے گا۔'' اس نے کہا، کچھ دیر بعد وہ بولی تھی۔

''بھائی وہ گھر نہیں ہیں، ان کا روم لاکڈ ہے۔''

''او کے۔'' عباس نے مزید بات کیے بغیر رابطہ ختم کر دیا، اسے بے حد افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے بخت کا سگریٹ کیس اور لائٹر وقار کو کیوں دیئے تھے کاش اس نے ایسا نہ کیا ہوتا، اسے اگر ذرا سا بھی شک ہوتا کہ وقار کا ری ایکشن اتنا Aggressive اور سخت ہو گا تو وہ انہیں بھنک بھی نہ پڑنے دیتا، اسے تو لگا تھا کہ وقار ہمیشہ کی طرح اسے پیار سے سمجھائیں گے، اس کی پیشانی چومیں گے اور اس کے بال سنوار کر کہیں گے ''میرے شیر کو کیا چاہیے؟ یار فکر مت کرو ابھی میں ہوں ناں؟''

اور وہ ان سے خوب سارے لاڈ اٹھوانے کے بعد مان جائے گا اور پھر ٹھنک کر اپنی فرمائشیں جھاڑنے لگے گا۔

مگر اس بار سب کچھ الٹ گیا تھا، وقار کسی صورت اس کے بارے میں بات کرنے پہ آمادہ نہ تھے، عباس نے بات کرنا چاہی تو انہوں نے اسے سختی سے جھاڑ دیا تھا جواباً وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

شام کو وہ لوگ لوٹ آئے تھے، دونوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، ایک خاصی خوشگوار گپ شپ چل رہی تھی جس میں بخت ندارد۔

عباس نے وقار کو دیکھا تو وہ چاچو سے باتوں میں مصروف تھے۔

''چچی جان! بخت نظر نہیں آ رہا؟'' عدیل نے نیلم چچی سے پوچھ لیا۔

''پتا نہیں بیٹا گھر نہیں آیا ابھی تک، تم اسے فون تو کرو۔'' وہ تشویش سے بولیں۔

''اس کا نمبر بند ہے میں کافی دیر سے ٹرائی کرتا رہا ہوں، اب دوبارہ کرتا ہوں۔'' عباس نے کہتے ہوئے پھر سے اس کا نمبر ملایا تھا، مگر اس بار بھی اسے مایوسی ہوئی تھی، اس کا نمبر ابھی تک بند جا رہا تھا، عباس نے تفکر سے اس صورتحال پر غور کیا تو دل بے چین ہو اٹھا، شاہ بخت بنیادی طور پر گرم الطبع تھا اسی بنا پر ہمیشہ ہی اسے ٹینشن والے معاملے سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی، مگر ہوتا اس کے برعکس تھا، ہمیشہ ہی وہ الجھا دینے والے پریشان کن معاملات میں انوالو ہو

جایا کرتا اور نہ ہوتا تو گھر میں کوئی نہ کوئی بات اس کے مزاج کے خلاف ہو جایا کرتی تھی اور پھر اس کا چیخنا چلانا اور غصہ اف توبہ گھر بھر میں سب ہی اس کے غصے سے خائف رہتے تھے اور کوشش بھی یہی کرتے تھے کہ اس سے نہ ہی الجھا جائے۔

مگر آج جو ہوا تھا اس میں وقار نے حقیقتاً شاہ بخت کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے تھے۔

عباس اب اس کی غیر موجودگی کو لے کر خاصا پریشان ہو رہا تھا، وہ کہاں تھا؟

☆☆☆

ڈاکٹر شاہ کا سائیکاٹری کلینک ایک قلیل عرصے میں بہت بڑا نام کمانے میں کامیاب ہو گیا تھا، وہ صبح دس بجے کلینک میں آتا تھا اور رات آٹھ بجے گھر واپسی کے لئے اٹھتا تھا اور اس سارے پریڈ میں وہ بمشکل لنچ کے لئے آدھا گھنٹہ نکال پاتا تھا، چائے تو اسے اپنے کلائنٹ (نفسیاتی زبان میں مریض کو پیشنٹ نہیں بلکہ کلائنٹ کہا جاتا ہے) کے ساتھ ہی پینا پڑتی تھی، اس کے اس تیزی سے بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیچھے لازماً کوئی خاص ''دعا'' تھی ورنہ لاہور جیسے شہر میں جہاں نفسیاتی ماہر بن علاج کی بہتات تھی اتنی جلدی کسی ینگ اور خصوصاً نئے سائیکاٹرسٹ کی جگہ بننا بڑا ناممکن اور حیران کن تھا۔

دوسری وجہ شاید اس کی پرسنالٹی اور رویہ بھی تھا وہ گہری ذاتی دلچسپی لے کر اپنے کلائنٹس کا علاج کرتا تھا۔

اس نے اپنا آج کا شیڈول چیک کیا، Things to do کی اتنی لمبی لسٹ تھی کہ وہ ہنس پڑا، چند ضروری چیزوں پہ ٹک کرنے کے ساتھ اس نے آج کے سب سے ضروری اپائنٹمنٹ کو دیکھا اور چونکا۔

وہ کوئی ایس پی تھا جو گزشتہ کئی دنوں سے اس سے ملاقات کا خواہش مند تھا مگر ڈاکٹر شاہ کے پاس اس سے زیادہ ضروری میٹنگز تھیں جبھی وہ اسے ڈیلے کرتا رہا مگر آج اس نے سب سے پہلے اس ایس پی کو بلایا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد اس کو اس کے آنے کی اطلاع دی گئی، ڈاکٹر شاہ نے اسے فوراً اندر بلا لیا، کچھ دیر بعد جو شخص اندر آیا اس نے ڈاکٹر شاہ کو ٹھٹکا دیا تھا وہ ایک دراز قد اور مضبوط جسم لئے ایک شاندار شخصیت کا حامل تھا، اس کی رنگت بے حد چمکدار اور سفید تھی اور سیاہ دمکتی آنکھیں ذہانت کی چمک سے معمور تھیں اس کے بال بھی بھورے سے تھے جو بڑے ملائم تھے اور اگرچہ وہ پیچھے کی طرف بنائے گئے تھے وہ پھسل کر آگے کو گرے ہوئے تھے، سب سے حیرت انگیز چیز یہ تھی کہ اس کے نقوش میں روایتی پولیس آفیسرز کی کرختگی مفقود تھی۔

ڈاکٹر شاہ نے اس کے ہاتھوں کا جائزہ لیا اور ایک بار پھر ٹھٹکا وہ ہاتھ کسی کرخت اور سرد مزاج انسان کے نہ تھے وہ ہاتھ بڑے شفاف اور مضبوط تھے اور ان پہ کسی فنکار یا تخلیق کار کے ہاتھوں کا سا گمان ہوتا تھا۔

ڈاکٹر شاہ نے فوری طور پر اپنے اس کلائنٹ کے بارے میں ایک بات یاداشت میں بٹھائی تھی۔

''وہ غلط جگہ پہ تھا، غلط شعبہ میں تھا، اس شخص کو پولیس فیلڈ میں نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' یہ شعبہ اس کی جاندار شخصیت کے منافی تھا، اس کے ساتھ صرف دس منٹ کی تعارفی بات چیت کے دوران ہی ڈاکٹر کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک نرم مزاج انسان تھا اور اس کی Philenthrooist اس کے لہجے میں جھلکتی تھی۔

''یہ ایس پی۔'' اس کی کلائنٹ ہسٹری میں ایک حیرت انگیز اضافہ تھا، وہ اس کے اب تک کے کلائنٹس میں پہلا شخص تھا جسے اس بات کا ذاتی طور پر احساس تھا کہ وہ نارمل شخص نہیں تھا اسے نفسیاتی علاج کی ضرورت تھی۔

''آپ کو کیا لگتا ہے آپ کی زندگی میں کہاں خلا ہے؟'' ڈاکٹر شاہ نے پوچھا۔

''میری زندگی صرف خلا ہے۔'' وہ آنکھیں بند کیے آرام دہ کرسی پہ جھول رہا تھا، کمرے میں ٹھنڈک اور دھندلا اجالا تھا جو اس کے اعصاب کو متاثر کر رہا تھا اس کے جواب نے ڈاکٹر شاہ کو سن کر دیا تھا۔

''آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں، ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آپ غلط رخ دیکھ رہے ہوں تصویر کا۔''

''تصویر کے دونوں رخ ایک جیسے ہیں، بھیانک اور اذیت ناک۔'' اس کے چہرے پہ کرب چھلکا تھا۔

''آپ شادی شدہ ہیں؟'' اس بار سوال مختلف تھا۔

''ہاں۔'' کرب کچھ مزید بڑھا تھا۔

کچھ دیر مزید یہ گفتگو جاری رہی پھر ملتوی کر دی گئی، ڈاکٹر شاہ اس سے تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے تھے جس کے لئے یہ ماحول غیر مناسب تھا۔

☆☆☆

عائشہ آپی کا خیال تھا کہ اب اسے ان کے ساتھ پاکستان چلنا چاہیے، وہ چپ چاپ رضا مند ہو گئی کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا، وہ کس بنا پہ رکتی جبکہ وہ شخص قطعاً کوئی سرا پکڑانے کو تیار نہ تھا، کوئی اس کی ڈور بھی تو نہیں تھمائی تھی اس نے اور وہ وہاں ٹھہرتی بھی تو کس بنا پہ؟

امید کا سایہ ہے نہ رستہ ہے نہ منزل
ہم کتنے اکیلے ہیں محبت کے سفر میں

ستم بالائے ستم یہ کہ کل رات جب وہ سو گئی تو نوفل آیا تھا اور عائشہ کو اس کے پیپرز اور پاسپورٹ ٹکٹ کے ہمراہ دے گیا تھا اور وہ بے خبر سوتی رہ گئی، جب اسے پتا چلا کہ وہ آیا تھا تو وہ اپنے بال نوچ کے رہ گئی، کمرہ بند ہو کر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اسے کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

نی سسی بے خبرے
تیرا لٹیا شہر بھنبھور

وہ اس کے اتنا نزدیک آ کے پھر سے دور چلا گیا تھا اور وہ اسے کچھ بھی نہ کہہ پائی سوائے اپنی بے بسی پہ آنسو بہانے کے۔

''آپی! وہ کیسا تھا؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''مطلب؟ جیسا پہلے تھا۔'' وہ لاپرواہی سے کہتیں ہنس پڑیں۔

''میرا مطلب ہے جب میں نے دیکھا تھا تب تو وہ کافی Healthy تھا۔'' وہ نظر چرا کر کہہ رہی تھی۔

''اچھا نہیں اب تو کافی اسمارٹ لگ رہا تھا، ہائٹ تو ہے ہی زبردست باقی نین نقشوں کا کیا بتاؤں، نیگرو ہے، پتا ہی ہے تمہیں اور جب اردو بولتا ہے تو اتنا مضحکہ خیز لگتا ہے کہ کیا بتاؤں۔'' وہ آخری بات پہ ہنس دیں تھیں۔

''اس نے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔'' اس کی بے تابی حد سے سوا ہو رہی تھی، عائشہ نے اس بار قدرے دھیان سے اس کا جائزہ لیا تھا۔

''کیا بات ہے ستارا وہ ہمارا محسن ہے اور یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ہم تک پہنچا دیا، اس سے زیادہ کی توقع مت کرو۔'' ان کا لہجہ

خبردار کرنے والا تھا، ستارا کا رنگ بدل گیا وہ نچلا لب کچلتی ہوئی واپس مڑ گئی۔
''تم بہت غلط کر رہے ہو نوفل۔'' بیڈ پہ گر کے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے وہ خود کلامی کر رہی تھی۔

☆☆☆

حبا اس وقت ''بزم ادب سوسائٹی'' کے شعبہ تقریر کے آفس میں موجود تھی۔
''میم! پلیز یہ ٹاسک بہت ہارڈ ہے میں نہیں کر سکوں گی، آپ پلیز میرا ٹاپک چینج کر دیں۔'' وہ اکتائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔
''بالکل نہیں، یہ ٹاپک سب سے ہاٹ اور ٹف ہے جو بھی اسے چنے گا آٹومیٹکلی پوزیشن لے گا۔'' مس خنساء احمد علی کا لہجہ دوٹوک تھا۔
''آپ ٹاپک چینج کریں میں آپ کو پوزیشن لے کر دکھاؤں گی۔'' وہ چیلنج کرنے والے انداز میں بولی تھی۔
''بات یہ نہیں ہے حبا! میں ذاتی طور پر چاہتی ہوں کہ آپ اس ٹاپک کو لیں، اس کو آپ سے بہتر اور کوئی نہیں کر سکتا۔'' ان کے لہجے کا یقین حبا کو مجبور کر گیا، کچھ دیر مزید بحث و تمحیص کے بعد حبا کو ہار ماننا پڑی، جس وقت وہ کالج سے لوٹی، اسید اور پاپا کو لاؤنج میں موجود پایا، وہ کچھ حیران سی آگے بڑھ آئی۔
پاپا اسید کو کچھ ڈکٹیٹ کروا رہے تھے اور اسید لیپ ٹاپ پہ محفوظ کر رہا تھا، وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔
''السلام علیکم پاپا!'' وہ آگے بڑھ کر دونوں بازو پھیلا کر پاپا اور اسید کے درمیان آ بیٹھی ایک ہاتھ تیمور کے گرد پھیلایا اور ان کا گال چوما اور دوسرا بازو اسید کے شانے کے گرد حمائل کر کے سر اس کے شانے پہ رکھ دیا۔
تیمور احمد کے سامنے اسید کو حبا کا یہ التفات اور لاڈ قطعاً نہ بھایا تھا، مگر ہمیشہ کی طرح اس نے بروقت اپنے تاثرات پہ قابو پایا تھا، اس کا سر نرمی سے سہلایا اس ''بزرگانہ شفقت'' کے مظاہرے پہ تیمور اپنی مسکراہٹ نہ روک سکے، حبا بھی مسکرا کر سیدھی ہو گئی۔
''آج آپ اس وقت گھر؟ اور اسید کے ساتھ مصروف ہیں خیریت؟'' حبا ان سے استفسار کرنے لگی۔
''ہاں، وہ کچھ کام تھا آپ بتاؤ کالج میں سب ٹھیک ہے؟'' تیمور اس سے دریافت کرنے لگے، وہ اچھل پڑی۔
''ارے گیا یاد کروا دیا، پتا ہے پاپا مجھے اس بار اسپیچ کے لئے جو ٹاپک دیا گیا ہے نا وہ تو بس میرے حواس گم کر دے گا، اسید پلیز میری ہیلپ کرونا۔'' وہ لاڈ سے بولی تھی۔
''وہ تو کروں گا ہی، مگر ٹاپک کیا ہے؟'' اسید نے پوچھا۔
وہ سر ہلاتے ہوئے بیگ میں سے کچھ تلاشنے لگی جبھی مرینہ اندر آ گئیں۔
''حبا! تم کالج سے کب آئیں اور ابھی تک انہیں کپڑوں میں ملبوس ہو، غلط بات بیٹے، چلو فوراً اٹھو اور لباس تبدیل کر کے آؤ، میں کھانا لگوا رہی ہوں۔'' انہوں نے فوراً ڈانٹا تھا۔
''اوکے ماما!'' وہ بیگ سنبھالتی اٹھ گئی۔
کچھ دیر بعد وہ لوٹی تو ایک زرد رنگ کی کھلے کھلے پھولوں والی قمیض اور سفید شلوار میں تھی دوپٹہ اکٹھا ہو کر گردن سے لپٹا ہوا تھا اور بال شانوں پہ پھیلے ہوئے تھے، جن سے پانی کی بوندیں گر رہی تھیں، کھانا کھانے کے بعد تیمور احمد تو واپس اپنے آفس چلے گئے، جبکہ حبا، اسید کے کمرے میں آ گئی، اس کے ہاتھ میں ایک فائل

تھی جس میں چند کاغذ کلپڈ تھے اور بال پوائنٹ اور ساتھ وہ چٹ، اسید پہلے ہی لیپ ٹاپ آن کر چکا تھا۔

''ہاں بولو کیا ٹاپک ہے؟'' وہ گوگل پہ سرچ کرنا چاہ رہا تھا، حبا نے چٹ اس کی طرف بڑھائی اور خود اس کے ٹیبل پہ ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی، اسید نے ایک نظر ہاتھ میں پکڑی چٹ پہ دوڑائی اور ٹھٹک گیا۔

''Domestic violence in Pakistan۔''

''یہ کیسا ٹاپک ہے؟'' وہ الجھ کر بولا۔

''یہی تو ہے میں کہہ رہی تھی کہ یہ کتنا فضول اور بور ٹاپک ہے لیکن میڈم خنساء کا کہنا ہے کہ یہ کرنٹ افیئر کے حوالے سے سب سے زیادہ مضبوط موضوع ہے جس پر جی بھر کر بولا جا سکتا ہے۔'' وہ بے چارگی سے کہہ رہی تھی۔

''ہوں بات تو ٹھیک ہے ان کی۔'' وہ اب اسکرین پہ متوجہ تھا جبکہ ہاتھ کی بورڈ پہ چل رہے تھے۔

''اس سے متعلقہ میٹریل مل جائے گا نا؟'' وہ خدشات میں مبتلا تھی۔

''امید تو ہے۔''

''اور اگر نہ ملا تو؟''

''کچھ نہ کچھ تو کر ہی لیں گے مل کر حبا، کیا ہو گیا ہے تمہیں، بی پوزیٹو ڈیئر۔'' وہ نرمی سے بولا، حبا کی مسکراہٹ بے اختیار تھی۔

''اور جب تم ساتھ ہو تو مجھے یقین ہے کہ کچھ نہ کچھ نہیں بلکہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس کے انداز میں کسی داسی کا سا یقین بول رہا تھا، اس کی بات پر اسید نے لمحہ بھر کو پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر سے نگاہ اسکرین پہ جما دی۔

''یہ تو بڑا کچھ کھل رہا ہے، میرے خیال سے ہمیں اس پہ مبنی کوئی دستاویزی رپورٹ دیکھنی چاہیے، اس سے کافی مدد ملے گی۔'' اس نے مزید چند بٹن دبائے اور سرچنگ پروسس دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں سر جوڑے دھڑا دھڑ کھلتے صفحات کے ساتھ محو گفتگو تھے، سب سے پہلے اسید نے اسے violence کی ڈیفنیشن لکھوائی اور پھر اس کی وہ مروج اقسام جو کہ پاکستان میں پائی گئی تھیں۔

سرچنگ کے دوران اسید کے ہاتھ ایک رپورٹ لگی جو کہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے بنائی گئی تھی، وہ واقعی بڑے کام کی چیز ثابت ہوئی تھی۔

''یہ بہت Eloquentpiece ہے، اس سے پہلے تو سب فضول ہی مل رہا تھا، اس میں آرڈر اور Sequence ہے۔'' اسید بے حد خوشی سے بولا تھا۔

''ہاں بالکل اس کی ڈی ٹیل کھولو۔'' حبا نے جوش سے کہا، اسید نے سر ہلاتے ہوئے بٹن دبائے، حبا اس کی کرسی کے پیچھے کھڑی تھی، دونوں ایک ساتھ ہی اس رپورٹ کو پڑھ رہے تھے، جیسے جیسے وہ پڑھنے لگے، حبا کا رنگ بدلتا گیا۔

''اسید یہ...... یہ کیا ہے؟'' حبا لرزاں سی اس سے پوچھ رہی تھی، اسکرین پر اب Violence victims کی ڈیٹیل نظر آ رہی تھی، کسی لڑکی کو اس کے شوہر نے غصے کے عالم میں قتل کر دیا تھا، کسی کو سسرال والوں نے جلا ڈالا، کوئی غیرت کے نام پہ قتل ہوئی تو کوئی خوف سے خود اپنی جان لے بیٹھی تھی۔

اور پھر ایک سب سے دل دہلا دینے والے کیس سامنے آیا تھا، یہ مراد پور کی ایک جواں سال لڑکی فاخرہ کی دردناک آپ بیتی تھی جسے اس

کے شوہر نے جھوٹ بولنے کے جرم میں اتنا مارا تھا کہ اس کا ایک بازو تین جگہ سے فریکچر ہو گیا تھا اور صرف اسی پہ بس نہ کیا تھا بلکہ اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔

خیر آباد کی نوراں بی بی گھریلو تنازعے پہ جس کے شوہر نے اس کا سر مونڈ دیا تھا، حبا تھرا سی گئی تھی، بہت دیر وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔

''میرے اللہ! یہ...... مرد...... انسان ہیں یا جانور؟'' وہ شدید متاثر ہوئی تھی، لہجہ بھیگا ہوا تھا، اسید نے گردن موڑ کر اسے دیکھا، اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا، اس کی قمیض کے رنگ کی طرح۔

''خود پہ پریشر لینے کی کیا ضرورت ہے حبا، اس طرح تو تم اپنی طبیعت خراب کر لو گی، بیٹھو ادھر۔'' اسید نے فوراً اٹھ کر اس کو بازو سے پکڑا اور بیڈ پہ بٹھا دیا، پھر پانی کا گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھایا تھا، حبا نے چند گھونٹ لئے اور گلاس اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، اس کے ہاتھوں میں خفیف سی لرزش تھی، اسید کو لگا کہ وہ گلاس گرا نہ دے اس نے گلاس حبا کے ہاتھوں سے لے لیا، وہ ابھی تک یک ٹک اسکرین کو گھور رہی تھی جہاں نوراں بی بی کی تصویر نظر آ رہی تھی۔

''حبا! اٹس اوکے۔'' اسید نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا، وہ بے ساختہ سسکیاں بھرنے لگی۔

''کوئی مرد اتنا ظالم کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ لڑکی...... وہ بھی تو انسان ہے نا اسید، اسے کتنا درد ہوا ہو گا، کیا مردوں کو اللہ سے ڈر نہیں لگتا، اتنی بری طرح مارا اسے؟'' وہ بے حد افسردہ تھی۔

''اگر تم اسے اتنا سر پہ سوار کر لو گی تو روسٹرم پہ تمہارا کیا حال ہو گا؟'' اس بار اسید نے اسے ذرا سختی سے ڈانٹا تھا۔

وہ جواب دیئے بغیر چہرہ صاف کرنے لگی، اسید کی بات واقعی ٹھیک تھی کچھ دیر بعد وہ پھر سے کام میں مصروف ہو گئے، اسید نے اب کی بار خود سے ایک اسپیچ کا خاکہ مکمل کر دیا تھا۔

''اس کو تیار کب کرنا ہے تم نے؟''

''کل سے شروع کروں گی، آج موڈ نہیں۔'' وہ ست سی لگ رہی تھی۔

''اوکے۔'' اسید نے اسے جانے دیا۔

اگلے دو دن میں اس نے حبا کو تیاری کروا دی تھی، حبا کے دردمند جذبات کا رخ موڑ کر اس کی تقریر کو Effective بنایا تھا۔

یہ کمپٹیشن چیمبر آف کامرس میں منعقد کیا گیا تھا، حبا ایک پرائیوٹ کالج میں تھی اور یہ کمپٹیشن اس کالج کی دیگر برانچز سے متعلقہ سٹوڈنٹس کے درمیان ہو رہا تھا۔

حبا نے اسید کی ڈھیروں منتیں کی تھیں کہ وہ ضرور آئے چاہے کچھ دیر کے لئے ہی سہی۔

''میں پوری کوشش کروں گا آنے کی، اگر تم نے اپنی جذباتیت کی وجہ سے اس Speech کو خراب کیا نا حبا تو اچھا نہیں ہو گا۔'' وہ ڈانٹتے ہوئے بولا تھا۔

''تم وہاں آنا پھر سب ٹھیک ہو گا۔'' اس نے بھی بڑا مشروط جواب دیا تھا، جواباً اسید اسے گھور کر رہ گیا۔

اور اب جب کہ وہ مکمل طور پہ تیار ہو کر فنکشن کے لئے نکل رہی تھی، اسید اسے پورچ میں نظر آ گیا، شاید وہ بھی کہیں جانے کے لئے نکل رہا تھا۔

''میں جا رہی ہوں، تمہارا انتظار کروں گی۔'' وہ اس کے پاس آ کے ٹھہر گئی، اس نے اس وقت ایک سفید کلیوں والا فراک چھوڑی دار پاجامے کے ساتھ پہنا ہوا تھا، ہاتھ میں سفید چھوٹا سا کلچ تھا، آنکھوں میں گہرا کاجل اور سر پہ سفید

اسکارف لپیٹا ہوا تھا۔

''ا......و...... کے...... پی...... کو......

نفیڈنٹ۔'' وہ رک رک کر بولا تھا، حبا نے تیز اور گہری نظر سے دیکھا تھا وہ اس وقت ڈارک بلیک پینٹ شرٹ میں تھا، جو ہمیشہ کی طرح اس کی شاندار شخصیت میں اضافہ کر رہا تھا۔

''پھر سیاہ رنگ پہن لیا تم نے، کیوں پہنتے ہو یہ رنگ، نظر لگ جائے گی۔'' حبا نے جھلا کر کہتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کے ساتھ اپنی آنکھ کے کونے کو چھوا، وہ سیاہ ہو گیا، پھر اس نے شرارت سے اسید کی طرف دیکھا اور انگلی اس کے ناک پہ پھیر دی، اور کھلکھلا کر ہنسی۔

''یہ...... کیا کیا تم نے؟'' وہ بوکھلا گیا۔

حبا پھر سے ہنسی، وہی تیز کھنکتی ہوئی سرشار ہنسی جس میں بے فکری نمایاں تھی، اسید نے خفگی سے اسے دیکھا جس پہ حبا کی ہنسی فوراً رک گئی، اسید نے دایاں ہاتھ اٹھا کر ناک کی نوک صاف کرنا چاہی مگر حبا نے فوراً ٹوک دیا، اس کے بعد اس نے اپنا سفید کلچ کھولا اور ٹشو نکال لیا، پھر بڑی احتیاط اور نرمی سے اس کے ناک کی نوک صاف کی، سفید ٹشو پہ ایک دھندلا سا دھبا پھیلا تھا۔

اس نے ٹشو کو اسی دھیان سے تہہ کیا اور واپس رکھ لیا، کسی متاع حیات کی طرح......!

''وش یو ویری ویری گڈ لک۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''تھینک یو۔'' وہ چنچل انداز میں ہنسی اور واپس مڑ گئی۔

چیمبر آف کامرس کا ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اتنا کہ تل دھرنے کی جگہ بھی نہ تھی۔

گیارہ بجے کے قریب فنکشن شروع ہو گیا، سب ہی امیدوار بھرپور تیاری کے ساتھ آئے تھے، ہر ایک کا موضوع منفرد اور مکمل معلومات پہ مبنی تھا، حبا اپنے مضمون کی تفصیلات دیکھتی دل ہی دل میں اس ایس پی کی شکر گزار ہوں گی جس کی بنائی ہوئی رپورٹ اس کے کام آ گئی تھی، پولیس ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے بنائی گئی اس ویڈیو کے پیچھے ساری محنت کسی ایس پی کی تھی۔

پھر چند امیدواران کے بعد حبا تیمور کا نام لیا گیا، وہ بڑھتی دھڑکنوں کے ساتھ اٹھی تھی۔

وہ روسٹرم پہ آئی، اس نے ایک نظر اس بھرے ہال پہ ڈالی اور پھر جب وہ بولنا شروع ہوئی تو مجمع کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

''پاکستان میں گھریلو تشدد کی وجوہات......؟ ہمارا معاشرہ مرد کا معاشرہ ہے اس میں خواتین کی اپنے حق کے لئے جنگ انہیں معتوب و مغضوب بنا دیتی ہے، اس عورت کو بڑا سخت ناپسند کیا جاتا ہے جو اپنے شوہر کو دوبدو جواب دے لیکن اگر کوئی مرد اپنی بیوی پہ ہاتھ اٹھاتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ جواباً اسے کوئی جسمانی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے، تشدد، مار پیٹ اور ایذا رسانی ایسے ظالم ہتھیار ہیں جو کسی بھی ذی نفس کو جسمانی طور پر تو نقصان پہنچاتے ہی ہیں مگر اس کے وقار، تشخص اور انا کو بھی کچل ڈالتے ہیں، ذرا اس عورت کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کیجئے جس کو اس کے شوہر نے جی بھر کر اپنی اذیت پسندی کی تسکین کا نشانہ بنایا ہو کیا وہ کبھی دوبارہ اس کے سامنے سر اٹھا کر بات کر سکے گی؟ نہیں...... بالکل نہیں...... وہ اس کے سامنے تو کیا کسی دوسرے کے سامنے بھی نظر اٹھانے کے قابل نہ رہے گی، پاکستان میں ہر دس خواتین میں سے آٹھ گھریلو تشدد کا شکار ہیں، صرف رواں سال میں ایسے 356 کیسز سامنے آئے ہیں جن میں شوہر کی مار پیٹ کی وجہ سے عورتیں اسپتال پہنچ گئیں، مر

گئیں، یا اپنے والدین کے گھر چلی گئیں، میں نے تحقیقات کیں تو پتا چلا کہ دارالامان میں آنے والی خواتین کا دو فیصد ایسی خواتین پر مشتمل ہے جو کہ اپنے شوہروں کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکی تھیں، مجھے سمجھائیے کیوں مرد شوہر بن کر فرعون کی کرسی پہ بیٹھ جاتا ہے؟ کیا ایسا کرنے سے اس کی مردانہ انا اور غیرت کو تسکین ملتی ہے؟ مجھے جواب دیجئے، خیر آباد کی نوراں کے مونڈے ہوئے سر کا قصور وار کون ہے؟ وہ بھی تو ایک مرد ہے، جو شاید خود کو نمرود سمجھ بیٹھا ہے؟''

''میرے آقا محمدؐ کا فرمان ہے ''عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو'' تو اس معاشرے کا مرد کیوں نہیں ڈرتا؟ کیا یہ معاشرہ اسلامی ہے؟ مجھے جواب دو...... جواب دو مجھے۔''

''اے اہل اسلام! تم عورتوں کو اپنے بستروں پہ جگہ دیتے ہو، ان کے ہاتھ کا پکا کھانا کھاتے ہو، ان سے اپنی نسل بڑھاتے ہو، ان سے بیٹوں کی خواہش رکھتے ہو، وہ بیٹے جن کی چاہ میں تم لوگ دیوانے ہوئے جاتے ہو، وہ بھی ان عورتوں کے بطن سے پیدا ہوتے ہیں تو پھر...... تو پھر تم لوگ عورت کی عزت کیوں نہیں کرتے؟ تم عورت کو حقیر سمجھتے ہو؟ پیر کی جوتی سمجھتے ہو، کیا یہ ہے تمہارا وقار؟ یہ ہے تمہاری مردانگی؟ تم لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ عورت کی عزت میں تمہاری عزت ہے۔''

غالب نے انسان کو حیوان ناطق کہا ہے مگر میرے مطابق ہمارا مرد صرف حیوان ہے

''تو دوستو! یاد رکھو، جو قومیں اچھی مائیں نہیں بناتیں وہ اچھا مستقبل بھی ڈیزرو نہیں کرتیں، تم لوگ اپنی نام نہاد غیرت کی تسکین کے لئے عورت کو دباتے ہو مگر یہ بھول جاتے ہو کہ دبا ہوا لاوا آتش فشاں بن کر پھٹتا ہے اور اتنی تباہی لاتا ہے اپنے ساتھ جو باقی کچھ سلامت نہیں رہنے دیتی تم لوگ اپنی اکڑ اور بے جا غرور سے کبھی عورت کا دل نہیں جیت سکتے۔''

کون آنکھوں تلے دفن حکایات پڑھے
کون لفظوں کے پس حسرت و معانی ڈھونڈے
کون کومل سی ہنسی کے پیچھے
دل کی کراہٹ سنے
کون تصویر کے ماضی میں اتر کر دیکھے
کون دن رات کے منظر میں جمی برف
کے صحراؤں کو محسوس کرے
ہم جو دل ہاتھوں میں لے کر پھرا کرتے تھے
آج اس دل میں کئی زخم لئے پھرتے ہیں
اور وہ ہاتھ بھی اب ساتھ کلائی کے نہیں
موم کے حوصلے
ماتھے پہ سجا کہ پھرنا
جب سے دستور ہو
کوئی مجبور ہو
اور کوئی ایسا...... کہ مجبوری کے بھی قابل نہیں
ہم انہیں لوگوں کی بستی میں
سر عام سجے پھرتے ہیں
جن کے جسموں پہ سجا کرتے ہیں کالے کپڑے
خوف کو باقی بچا ہی کیا ہے؟
دور ہوتے ہیں اور دکھ بھی نہیں
مسکراتے ہیں...... اور سکھ بھی نہیں
رات سے نکلیں تو تم کو دیکھیں
گھات سے نکلو، تو ہم کو دیکھو
ایسے ماحول میں اب تم ہی کہو
کون آنکھوں کے تلے دفن حکایات پڑھے
کون ایسا ہے؟
جو منہ سے ابھی نکلی نہیں، بات پڑھے
کون یہ رات پڑھے؟

تالیوں کی گونج، سیٹیوں کا شور، حیا نے نم

افسردہ آنکھیں لئے ایک بار ہال میں دیکھا تھا متلاشی بے چین نگاہیں لئے پھر اس کی نظر رک گئی، ٹھہر گئی، جم گئی، ہاں وہ وہاں تھا، اسید مصطفیٰ وہاں تھا، دونوں ہاتھوں سے اس کے لئے تالیاں بجاتا اسے داد دیتا، جب وہ پرائز شیلڈ وصول کر رہی تھی، کیا داد دینے والے ہاتھ، ہمیشہ داد دیتے ہیں؟

☆☆☆

آج ستارہ کی فلائٹ تھی، صبح سے ہی وہ بے حد خاموش تھی، عائشہ پیکنگ میں اتنی مگن تھیں کہ اس کی غیر ضروری خاموشی کو محسوس ہی نہ کیا تھا، جب وہ تیار ہو کر Hutt سے نکلنے لگیں تھیں تو نوفل کا فون آ گیا، عائشہ نے اٹھایا، وہ ان سے ایئر پورٹ جانے اور فلائٹ کی ٹائمنگ کے متعلق بات کرتا رہا، پھر اس نے ستارا سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

''ہیلو'' اس نے آہستہ سے کہا آواز گہرے کرب میں ڈوبی تھی۔

''میری دعا ہے تم ہمیشہ خوش رہو، اللہ پاک تمہیں بہت آسانیاں دے اور تمہاری آنے والی زندگی میں ایسی کوئی آزمائش نہ ہو، فی امان اللہ'' نوفل نے بہت آہستہ سے گہرے اور دعائیہ انداز میں کہا تھا۔

ستارہ کا دل ڈوبنے لگا، نیچے اور نیچے دور کہیں گہری کھائیوں میں، اس کے لب کے لرزے اور کچھ کہنے کی جدوجہد میں کپکپا کر رہ گئے، نوفل نے ایک گہری سانس لے کر فون رکھ دیا۔

ستارا جیسے کسی سکتے کی سی کیفیت میں چلی گئی تھی، وہ تیار ہو کر باہر آ گئیں، ڈرائیور انہیں لینے کے لئے آیا ہوا تھا، ایئر پورٹ جانے تک کا سارا راستہ وہ اسی کیفیت میں تھی۔

تو کہانی ختم ہو گئی؟ اتنی جلدی؟ مہروز کمال سے شروع ہونے والی یہ کہانی بدنامی سے ہوتی ہوئی طلاق پہ ختم ہو گئی تھی اب جب وہ واپس جا رہی تھی تو اس کی ہتھیلیاں خالی تھیں اور شاید بنجر بھی اور اس کہانی کا تیسرا کردار، نوفل صدیق، جس میں اتنی ہمت ہی نہ تھی اور جو اپنے بلیک ہونے کی کمپلیکس میں اس سے مل ہی نہ سکا، روپوش رہتے ہوئے اس کے لئے اتنا کچھ کر گیا تھا، بنا کسی غرض و مطلب کے؟ مستقبل کیا تھا؟ شاید کسی تاریک خلا کی طرح تھا؟ اور کہانی کا تیسرا کردار کھو گیا تھا، گم شدہ تھا۔

فلائٹ کی اناؤنسمنٹ کی جا رہی تھی، ستارا نے آگے بڑھتے ہوئے اپنے پیروں کو دیکھا جن کو لاتعداد یادوں کی بیڑیوں نے جکڑ لیا تھا، ان کو تو اب ساری عمر اس کے وجود میں کسی آسیب کی طرح رہنا تھا۔

(باقی آئندہ)

اک بار چلے آؤ

سعدیہ عابد

''واٹ از دس! مائل درانی۔'' روحیل درانی نے فائل اس کے سامنے پٹخی تھی اوران کے لہجے میں اتنی سختی تھی کہ اسے سبکی محسوس ہوئی تھی اور نگاہ اٹھانا مشکل ہوگیا تھا۔

''جب تمہیں مارکیٹنگ کی الف ب بھی نہیں معلوم تو تم نے کس سے پوچھ کراس فائل کو اوکے کیا۔'' اس کی خاموشی بری طرح کھلی تھی اور وہ کمرے میں موجود ورکرز کا خیال کیے بغیر تحقیر سے بولے تھے۔

''پاپا! جو مسئلہ ہے مجھے بتا دیجئے میں درست کر دیتا ہوں۔'' وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولا تھا۔

''تم میں اتنی صلاحیت ہوتی تو مسئلہ ہوتا ہی کیوں؟ آئندہ تم کسی فائل کو اوکے نہیں کرو گے سمجھے اور ارسلان (بھانجا) تم یہ فائل لے کر جاؤ، اسٹڈی کرو، کچھ لائن ہائی لائیٹ کر دی ہیں میں نے تم مزید دیکھ لینا اور تمام غلطیاں کو دور کر کے فائل اگلے پندرہ منٹ میں میرے آفس میں لے

ناولٹ

کر پہنچو۔'' وہ بیٹے پر اپنے بھانجے کو فوقیت دیتے ہوئے اس کی اچھی خاصی تذلیل کر گئے تھے۔

اس نے باپ کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا اور دھواں دھواں چہرے سے باہر نکلتا چلا گیا، ریش ڈرائیونگ کرتا گھر پہنچا۔

''تھینک گاڈ، مائل کہ آج تم آفس سے جلدی آ گئے، مجھے رابعہ کے گھر جانا ہے میری گاڑی خراب ہے، جویریہ بھی چھٹی پر ہے، تم مجھے رابعہ کے گھر چھوڑ آؤ۔'' وہ اس کو دیکھتے ہی شروع ہوگئی تھی جبکہ وہ اسے نظرانداز کیے اپنے کمرے کی طرف بڑھا جا رہا تھا اور وہ بھی اس کے پیچھے چلتے ہوئے بولے جا رہی تھی، حیران و بھونچکا سی تو جب رہ گئی جب اس نے کچھ کہے بناء دروازہ اس کے منہ پر بند کر دیا، مگر وہ بھی جویریہ درانی تھی،

دروازہ پیٹنے لگی تھی۔
"تم نے اگلے دو سیکنڈز میں دروازہ نہیں کھولا ماثل تو میں تمہاری شکایت بڑے پاپا سے کر دوں گی۔" وہ غصہ سے چیخی تھی اور دروازے کے اس پار بے چینی سے ٹہلتے ماثل درانی کو آگ لگا گئی تھی۔
"جاؤ کر دو، میری شکایت، ڈرتا نہیں ہوں میں کسی سے۔" دروازہ کھول کر نہایت ترشی سے بولتا اسے متحیر کر گیا کہ اس لہجے میں اس نے پہلے کب بات کی تھی۔
"ماثل! تم مجھ سے یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟"
"کسی بھی لہجے میں کروں، میری مرضی، اب تم یہاں سے دفع ہو جاؤ، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ بات کاٹ کر دھاڑا اور کھینچ کر دروازہ بند کر دیا نازک مزاج جویریہ درانی کے آنسو گرنے لگے رات کو کھانے کی ٹیبل پر پہنچنے تک وہ کافی رو چکی تھی، چھوٹی سی ناک اور آنکھیں بے تحاشہ سرخ ہو رہی تھیں، روحیل درانی کو اسے دیکھ کر تشویش ہونے لگی تھی۔
"جوی، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ان کا اتنا پوچھنا تھا کہ آنسو پھر بہنے لگے تھے۔
"ہم سب تو خود پریشان ہیں بھائی جان شام سے کمرہ بند کیے پڑی ہے، آپ کے بار بار بلانے پر آئی ہے۔" مریم بولی تھیں اور ان کے استفسار پر اس نے ساری بات بتا دی تھی۔
"ماثل...... ماثل!" وہ بات سنتے ہی بیٹے کو پکارنے لگے تھے، اس تک ان کی آواز نہیں گئی تھی اور ملازمہ کے پیغام پر وہ جب تک وہ آیا ان کا غصہ سوا نیزے پہ پہنچ چکا تھا۔
"چھوٹے بڑے کی رشتوں کی کوئی اہمیت تمہاری نگاہ میں رہ گئی ہے، یا رشتوں کا احترام اپنی شرم وحیا سب بیچ کھائی ہے۔" وہ اسے دیکھتے ہی تلخی سے بولے تھے، وہ کچی نیند سے جاگ کر آیا تھا اس کا ذہن مکمل بیدار نہ تھا وہ نا سمجھی سے باپ کو دیکھنے لگا اور اس کی خاموشی، وہ مزید بھڑک اٹھے۔
"تم نے شام جوی سے کیا بکواس کی تھی؟ اور اسے رابعہ کے گھر چھوڑ کر کیوں نہیں آئے؟" وہ خونخوار نگاہوں سے بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔
"میں نے جویریہ سے ایسا کچھ نہیں کہا تھا پاپا کہ آپ یوں مجھ پر غصہ ہوں۔" آفس کے بعد گھر میں اتنے لوگوں کے سامنے بے عزتی، مگر وہ باپ کے احترام میں سنجیدہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔
"تو کیا جویریہ جھوٹ بول رہی ہے۔" مریم تلخی سے بولی تھیں۔
"مجھے نہیں پتہ جویریہ نے آپ سب سے کیا کہا ہے، میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میں نے اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کا اتنا ایشو بنایا جا رہا ہے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا تھا۔
"دیکھ رہے ہیں بھائی جان! یہ کس لہجے و انداز میں مجھ سے بات کر رہا ہے اور ایشو کی بات کرتا ہے، جویریہ کو اس نے دفع ہو جانے کو کہا اور کہتا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں کی جو قابل گرفت ہو۔" وہ رونے لگی تھیں۔
"تمہیں تمہاری ماں نے بڑوں سے بات تک کرنے کی تمیز نہیں سکھائی، فوراً اپنی چچی امی اور جوی سے معافی مانگو۔" انہوں نے بیٹے کو بے دریغ گھورتے ہوئے سختی سے حکم دیا تھا۔
"سوری پاپا! میں ایسا نہیں کر سکتا ہوں۔" وہ بے لچک لہجے میں کہتا وہاں سے نکلتا چلا گیا، کمرے میں یکدم ہی سکوت چھا گیا تھا، مریم اور ثریا بیگم مزید بھڑکانے والی باتیں کرنے لگی تھیں

اور وہ غصہ سے بیوی اور بیٹے کو برا بھلا کہنے لگے تھے۔
"بڑے پاپا! آئی ایم سوری، یہ سب میری وجہ سے ہوا۔" جو ہی واقعی شرمندگی محسوس کر رہی تھی اس کے لہجے و انداز میں اس نے کبھی بات نہیں کی تھی اس لئے وہ بچکانہ ری ایکٹ کر گئی تھی ورنہ وہ ان سے وہ سب کہتی بھی نہیں، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا کیونکہ تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔
"اس میں تمہاری کیا غلطی، ساری غلطی تو ماثل کی ہے۔"
"مما پلیز۔" اس نے ماں کی زبان پر بند باندھنا چاہے تھے جو اس صدی کا سب سے مشکل ترین ایک طرح سے ناممکن ہی کام تھا، وہ ضد کر کے انہیں ہی کھانے کی ٹیبل تک لے گئی تھی اور وہ بھی سر جھٹکتیں پیچھے ہی آ گئی تھیں کہ دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد تو بھوک مزید چمک گئی تھی، اسی لئے انہوں نے سیر ہو کر کھایا تھا جبکہ بڑے پاپا چند لقمے لے کر ہی اٹھ گئے تھے اور وہ بھی ماں کو تاسف سے دیکھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

روحیل درانی شہر کے نامی گرامی بزنس مین تھے، کاروباری حلقہ میں ان کی بہت عزت اور شہرت تھی، مگر کاروباری زندگی میں جتنے کامیاب تھے عائلی زندگی میں اتنے ہی ناکام، بیوی سے بنی نہیں اور وہ میکے سدھار گئی، ان کا ایک بیٹا بھی تھا یہ انہیں تب پتہ چلا جب بیٹا پچیس برس کا ہو گیا، ماروی تو اب بھی بیٹے کو نہیں بتاتیں کہ اس کا باپ کون ہے کہاں رہتا ہے، مگر اب ان کی زندگی کے کچھ ہی دن رہ گئے تھے اور بیٹا بھی اس قابل ہو گیا تھا کہ وہ اپنے حق کے لئے لڑ سکے اس لئے پچیس سالوں کے چھپائے راز اسے بتا دیئے اور وہ یوں جویریہ ولا میں چلا آیا، جو تھا تو اس کے باپ کا مگر جس پر اس کی چچی پھپھی اور ان کی اولادیں قابض تھیں، گھر میں چچی مریم (جویریہ کی والدہ) کا حکم چلتا تھا اور یہ سب اس کے لئے نا قابل برداشت ہوتا جا رہا تھا کیونکہ روحیل درانی کا اس کے ساتھ نہایت نفرت لئے ہتک آمیز سلوک تھا۔

☆☆☆

"ماموں! میں واپس آ رہا ہوں۔" اس نے دلگرفتگی سے اطلاع دی تھی۔
"ماثل بیٹا! لیکن کیوں؟ ابھی تو وہاں گئے تمہیں چھ ماہ بھی نہیں ہوئے، اتنی جلدی آ جاؤ گے تو تم اپنا حق کس طرح سے حاصل کر پاؤ گے؟" وہ تو سن کر ہی پریشان ہو گئے تھے۔
"مجھے ایسا حق نہیں چاہیے ماموں جو بے تحاشہ تذلیل کے بعد حاصل ہو، باقی سب کی تو آپ رہنے ہی دیں مگر پاپا کا رویہ بھی میرے ساتھ ایسا ہے کہ میں کیا بتاؤں آپ کو گھر تو گھر وہ آفس میں بیسیوں ورکرز کے سامنے مجھے بے عزت کر کے رکھ دیتے ہیں، آج جو کچھ بھی ہوا، اس میں میرا قصور نہ تھا، فائل میں ایسی ایسی غلطیاں تھیں کہ جنہیں دیکھ کر میرا دماغ گھوم گیا تھا، جبکہ وہ فائل پوری رات جاگ کر میں نے بنائی تھی اور اس میں ایک مسٹیک نہیں تھی، اس میں بے تحاشہ غلطیاں کہاں سے آ گئیں؟ آئی ڈونٹ نو۔" وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔
"وہی تو تم سمجھ نہیں پا رہے ماثل! وہ لوگ تمہیں وہاں نہیں رہنے دینا چاہتے، اسی لئے اس طرح کی پرابلمز ہو رہی ہیں۔" ان کا انداز ناصحانہ تھا۔
"میں بس واپس آ رہا ہوں۔" وہ فیڈ اپ ہو چکا تھا۔

''پاگل مت بنو ماثل! جو غلطی برسوں پہلے ماروی نے کی تھی، اسے تم دہراؤ مت۔'' انہوں نے بھانجے کو ڈپٹا تھا۔

''ان لوگوں نے ماروی کے لئے وہاں ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ ماروی نے خود ہی اپنا گھر چھوڑ دیا، اپنے حقوق سے دستبردار ہو گئی، مگر تم نے اپنی ماں کی طرح ہمت نہیں ہارنی، ڈٹ کر ان لوگوں کا مقابلہ کرنا ہے، بات زمین جائیداد کی نہیں ہے، تم نے صرف اپنے باپ کی نگاہ میں سمانا ہے، انہیں اپنے ہونے کا احساس دلانا ہے، صرف اس لئے میں نے تم سے کہا کہ تم وہاں کوئی بدتمیزی نہیں کرو گے، لیکن میں شاید غلط تھا، جسے ماروی کا صبر اس کی خاموشی رائیگاں گئی تھی، اسے اس کی اچھائی کا کوئی صلہ نہیں ملا تھا، تو تمہیں کیسے ملے گا؟ وہ لوگ نرمی کے قابل ہیں ہی نہیں اور اتنا تو تم بھی جانتے ہو گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کر لینی چاہیے، تم ان لوگوں کو ان کے مزاج، ان کے انداز و نفسیات کے مطابق ٹریٹ کرو گے۔'' وہ درشتگی سے اسے مشورہ دے رہے تھے۔

''لیکن ماموں!'' وہ تحیر سے کہنے لگا تھا کہ انہوں نے موقع نہیں دیا۔

''لیکن، ویکن، کچھ نہیں ماثل! جو کہا ہے تم وہی کرو گے، اینٹ کا جواب پتھر سے دو گے، تم نے اپنا حق حاصل کرنا ہے، پچیس برس سسک سسک کر تمہاری ماں نے مریم نامی عورت کی وجہ سے زندگی گزاری، سہاگن ہو کر ابھاگن بن گئی صرف اس عورت کی وجہ سے، لیکن اب وہ اور اس کے بچے تمہاری خوشیاں نہیں چھین سکتے، تم نے اپنے باپ کو اپنے ہونے کا احساس کیسے بھی دلانا ہے۔'' وہ دکھی لہجے میں بول رہے تھے۔

''میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں مما کو ان کی خوشیاں لوٹاؤں گا، چچی کا اصل چہرہ، پاپا کے سامنے لا کر ان کو ان کی ہر غلطی اور زیادتی کا احساس دلاؤں گا، آپ سے وعدہ ہے ماموں کہ میں بہت جلد اپنے پاپا کو مما کے پاس لاؤں گا۔'' اس کا لہجہ بھیگ رہا تھا۔

''میں فون رکھتا ہوں ماثل! اپنا خیال رکھنا اور اتنا یاد رکھنا کہ انتقام کی آگ کو اتنا ہی بھڑکانا کہ جو تمہاری ماں کی پرورش پر انگلی نہ اٹھا سکے، تم نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ضرور ہے لیکن اپنے معیار سے بھی نہیں گرنا۔'' سجاد حسین اسے گہری سنجیدگی سے ہدایات دے رہے تھے اور ان کی بات سن ایک فخریہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی تھی۔

''مما اور آپ کو کسی قسم کی مجھ سے شکایت نہیں ہو گی، اپنا خیال رکھیئے گا۔'' وہ رابطہ منقطع کر کے سونے لیٹ گیا، ماموں سے بات کر کے وہ کچھ پرسکون ہو گیا تھا کیا، کیسے کرنا ہے وہ یہ سب سوچتے سوچتے ہی اپنی عزیز از جان ہستی کو کال ملانے لگا تھا۔

☆☆☆

''تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے، آفس نہیں جانا ہے؟'' روحیل درانی اسے نائٹ ڈریس میں دیکھ کر اچنبھے سے بولے تھے کیونکہ آج وہ ڈائنگ ہال میں پہلے ہی دیر سے آیا تھا۔

''نہیں، جویریہ ذرا ایک گلاس مجھے جوس تو نکال کر دو، ناشتہ نہیں کروں گا۔'' اس نے ایک لفظی ناں کہہ کر جلدی جلدی ناشتہ کرتی جویریہ کو مخاطب کیا تھا۔

''ناشتہ کیوں نہیں کرو گے بیٹا؟ تم نے تو رات کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔'' جویریہ نے کمال فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے جوس نکال کر دے دیا تھا اور مریم نہایت نرمی و حلاوت سے بولی تھیں۔

''رات مجھے کھانے کے لئے بلایا جاتا تو ضرور میں کھانا کھاتا، بعد میں تو بے عزتی سے ہی پیٹ بھر گیا تھا۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا جوس پینے لگا تھا باقی سب اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''آفس نہ آنے کی وجہ؟'' راحیل صاحب بھی متحیر تھے ورنہ اب تک اس کا خاموش، عزت دیتا روپ ہی دیکھا تھا انہیں لگا تھا کہ شاید رات کا غصہ ہے، اسی لئے خود کو کمپوزڈ کر کے پوچھا تھا۔

''مجھے بزنس سے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے، میں دو اور دو چار کرنے والا مائنڈ نہیں رکھتا، اسی لئے ہر روز کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو جاتی ہے، روز بے عزتی کروانے سے بہتر ہے پاپا کہ میں اپنی مرضی اور شوق کے مطابق فیلڈ چوز کر لوں۔'' وہ کہہ کر جانے کے لئے اٹھ گیا۔

''آج میری ایک دوست آ رہی ہے، لاہور سے وہ یہاں مجھ سے ملنے آ رہی ہے اس لئے یہیں رہے گی، اسے کسی قسم کی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔'' اس کا لہجہ بے لچک تھا کسی کے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہ تھی مریم بول پڑیں۔

''بھائی صاحب گھر میں بچیاں ہیں، ایسے کیسے کسی غیر کو گھر بلا کر بٹھا لیں، وہ نہ جانے کیسی عادات و فطرت کا ہو گا۔''

''پاپا اس کی گارنٹی میں لیتا ہوں، اس سے آپ لوگوں کو کسی قسم کی کوئی پرابلم نہ ہو گی اور امید کروں گا کہ یہاں کے سب لوگ اور خاص کر پاپا آپ اس کے ساتھ اچھا رویہ رکھیں گے اور جب تک وہ یہاں ہو گی آپ مجھ سے اپنی تمام نفرتیں و غصہ کچھ دنوں کے لئے بھلا دیں گے کہ میں نے حجاب سے یہی کہا ہے کہ میرے پاپا مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں، میری چچی اور پھپھی میرا بہت خیال رکھتی ہیں، حقیقت تو اس کے برعکس ہے، آپ یہاں محض مجھے برداشت کر رہے ہیں، لیکن زیادہ دن نہیں پاپا، وہ یہاں ایک مہینے کے لئے آ رہی ہے کیونکہ اس کے پیرنٹس لندن گئے ہوئے ہیں اور یہاں اسے ایک کمپنی سے میں چار ہفتوں کی انٹرن شپ کرنی ہے اس کے لئے انٹرویو دینا ہے، میں ایک ماہ بعد اسی کے ساتھ لوٹ جاؤں گا کہ میں یہاں کسی بھی چیز پر قابض نہیں ہونا چاہتا تھا۔ پاپا یہاں آپ کے پاس اتنے رشتے ہیں، اتنے محبت کرنے والے لوگ ہیں اسی لئے آپ نے کبھی اپنی سگی اولاد کی کمی محسوس کی ہی نہیں اور نہ ہی میرے آنے کے بعد آپ کے اندر کوئی احساس جاگا، کہ کوئی کمی ہوتی تو آپ بے قرار ہوتے، میں نے بچپن سے ہی باپ کی کمی محسوس کی تھی اس لئے آپ کا ناروا ہتک آمیز سلوک برداشت کیا، آگے بھی کر سکتا ہوں لیکن مجھے تو یہاں سے جانا ہے کہ میری مما اکیلی ہیں، ان کا میرے سوا کوئی نہیں ہے، ہم دونوں ہی ایک دوسرے کا جینے کا سہارا ہیں، میں یہاں آپ کی جائیداد کے لئے نہیں آیا پاپا آپ کے لئے آیا تھا اور جب آپ ہی میرے نہیں ہو سکتے، مجھے قبول نہیں کر سکتے تو میں جلد بہت جلد چلا جاؤں گا۔''

وہ نم آنکھوں سے باپ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جس پر پچھتاوے کے سائے لرزاں تھے اور وہ انہیں اور باقی سب کو ساکت چھوڑ وہاں سے نکلتا چلا گیا، کمرے میں آ کر اس نے خود کو کمپوزڈ کیا کہ وہ اداکاری کر کے نہیں آیا لفظ لفظ سے اس کے جذبات چھلک رہے تھے، اس نے باپ کی کمی کو بچپن ہی سے کتنا محسوس کیا تھا، بچوں کو ان کے والد کے ساتھ دیکھ کر کیسے کیسے تڑپا تھا اور یہاں باپ کو دیکھ کر لگا تھا کہ ہر محرومی اب ختم ہو جائے گی لیکن نہیں جسے چھاؤں سمجھا وہ تو کڑی دھوپ ثابت ہوئی۔

روحیل درانی نے اسے سینے تک نہیں لگایا تھا اور ان کا رویہ وہ جوان جہان لڑکا جو بچپن سے باپ کے نہ ہونے پر رویا تھا بھری جوانی میں باپ کے ہونے پر بلک بلک کر رو دیا تھا اس کی ماں نے اس کے باپ کی ہر اچھی و بری بات عادت و فطرت خود پر کیا ظلم بتایا تھا، اس کے باوجود بھی وہ خوش فہم تھا، مگر ساری خوش فہمیاں ان کی نفرت کی نظر ہو گئی تھیں۔

اس نے ماموں کے کہنے پر بہت سوچا اور روحیل سکندر کو وہ چھ ماہ میں جتنا آبزرو کر پایا تھا اس کو سوچنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہ باپ کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھائے گا جس سے اس کی چچی اور پھپھی اٹھاتے آئے تھے، اسی لئے اس نے آج سے ہی اموشنلی بلیک میلنگ کا آغاز کر دیا تھا، وہ گہری سوچ میں تھا کہ اس کا سیل بج اٹھا۔

''ماثل! ناشتہ کرلیا آپ نے؟'' سلام دعا کے بعد وہ چھوٹتے ہی پوچھ رہی تھی۔

''دل نہیں کر رہا تھا جوس لیا ہے میں نے، یو ڈونٹ وری۔''

''آپ وہاں جا کر بہت لاپرواہ ہو گئے ہیں۔''

''مجھے تو لاپرواہ ہونا ہی تھا، میرا خیال رکھنے کو تم جو میرے پاس نہیں ہو۔'' وہ زیرلب مسکرا کر بولا تھا۔

''میں آپ کے پاس آ رہی ہوں۔'' وہ جلدی سے بولی تھی۔

''ہاں یہ فیصلہ میں نے اور ماموں نے متفقہ طور پر لے تو لیا ہے مگر یہاں کے حالات اور لوگ ایسے نہیں ہیں کہ تم یہاں آؤ، تم اس طرح کے رویوں کی عادی نہیں ہو، حجاب تم برداشت نہیں کر پاؤ گی۔'' وہ اداسی سے بولا تھا۔

''پھپھو کے لئے ان کی خوشیاں لوٹانے کے لئے میں کچھ بھی برداشت کر سکتی ہوں، آپ پریشان نہ ہوں۔'' وہ نہایت نرمی سے بولی تھی۔

''مما کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے نہ؟''

''وہ مان نہیں رہی تھیں مگر پاپا اور میں نے منالیا۔'' اس نے اپنا کارنامہ فخریہ انداز میں بتایا تھا۔

''واہ بھئی کیا بات ہے۔'' وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

''آپ ہماری صلاحیتوں سے واقف ہی کب ہیں۔'' وہ اس کے لہجے کی سرشاری محسوس کر کے قہقہہ لگا گیا تھا۔

''اتنا بھی ناواقف نہیں ہوں۔'' وہ دھیمے سے بولا تھا۔

''آپ نے یہ کیوں کہا کہ آپ مجھے میری اصل شناخت کے ساتھ پاپا سے متعارف نہیں کروائیں گے؟''

''رات میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا تھا، یہ تبدیلی ماموں کے کہنے پر کی گئی ہے، وجہ میں بھی نہیں جانتا، میرے بہت پوچھنے پر بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا، ورنہ یہ تو مجھے بھی بڑا ہی عجیب لگ رہا ہے۔'' وہ اس بات کو لے کر قدرے مضطرب تھا۔

''اوہوں وہ تو جب آپ نے صبح آٹھ بجے میسج کیا تھا، میں تب ہی سمجھ گئی تھی کہ آپ کی پاپا یا پھپھو سے بات ہوئی ہے۔'' اور یہ سچ بھی تھا۔

اس نے ماموں سے بات کرنے کے بعد سونے میں ناکام ہو کر بیوی سے بات کی تھی اور اس نے واپس آ جانے کا کہا تھا وہ بھی اسے مس کر رہا تھا اس لئے اس نے اسے کراچی بلانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس سے رابطہ منقطع کر کے اس نے اپنے ماموں سے مشورہ کیا تھا انہوں نے انکار تو نہیں کیا

تھا مگر عجیب و غریب شرط رکھ دی تھی۔

''لیکن ماموں جان؟'' جسے سن کر وہ ہچکچاہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔

''لیکن ویکن چھوڑو، حجاب کو وہاں آنے دو، جو کہاں ہے اس پر عمل کرو، کچھ عرصہ بعد خود ہی تمہیں میری بات کے پیچھے چھپی مصلحت سمجھ آ جائے گی، مگر تم حجاب کا خیال بہت رکھنا، اجنبی لوگوں میں پہلی دفعہ رہے گی۔''

''ہاں یار بس ٹینشن میں ہوں نہ تو بس کچھ کا کچھ ہی کہہ جاتا ہوں، اب تم آ جاؤ گی تو مجھے سنبھال لو گی یہاں آ کر میں بہت تنہا و اکیلا ہو گیا ہوں، بابا سے کتنا قریبی رشتہ ہے مگر......'' اس نے لب بھینچ لئے تھے۔

''آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اداس ہونے لگا تھا کہ اس نے تسلی دی تھی۔

''اور آپ مجھے یاد سے ائیرپورٹ لینے آ جائیے گا کہ کہیں میں اجنبی شہر میں اجنبی لوگوں میں گھری پریشان ہی ہوتی رہوں۔'' اسے تکلیف دہ موضوع سے ہٹانے کو بولی تھی۔

''آپ کو لینے تو جناب اڑ کر پہنچ جاؤں گا، ویسے تم اکیلے سفر کر لو گی یا میں آ جاؤں؟'' اسے یکدم ہی فکر ہوئی تھی۔

''آپ کو آنے کی ضرورت نہیں ہے، اکیلے تو میں آ ہی نہیں سکتی تھی، اس لئے بابا کے ساتھ آ رہی ہوں۔''

''وہی تو میں کہوں جس لڑکی نے کبھی گھر سے اسکول کا سفر اکیلے نہیں کیا، وہ لاہور سے کراچی کا سفر اکیلے کیسے کرے گی؟'' وہ مطمئن ہو کر اسے چھیڑ رہا تھا۔

''اچھا اب میرا مذاق نہ بنائیں کہ مجھے پہلے ہی ڈر لگ رہا ہے، میں وہاں کیسے رہ پاؤں گی؟''

''میں ہوں نہ تو تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''آپ کی وجہ سے، آپ کے سہارے ہی تو آ رہی ہوں، لیکن یہ مت بھولیں کہ میں اصل شناخت کے ساتھ نہیں آ رہی اور جناب بیوی اور دوست میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔'' رات کی اس کی بے قراری تصور میں لا کر اسے چھیڑا تھا، اس نے بے ساختہ ہی قہقہہ لگایا۔

''آئی نو مائی سوئیٹ وائف، پورے ایک سال نکاح اور بچپن سے ہی منگنی رہی تھی، میں اسی آنکھ مچولی سے وقت کی یادیں تازہ کر لوں گا، مما اور ماموں سے چھپ کر تمہیں فون کرتا تھا، اب چچی اور پاپا سے چھپاؤں گا، اچانک تمہارے کالج پہنچ جاتا تھا اور تم ہزار نخروں اور خدشوں کے بعد میرے ساتھ ڈیٹ پر جاتی تھیں، یہاں تمہیں شہر کراچی گھمانے کے نام پر ڈیٹ پر لے جایا کروں گا، تم آؤ تو سہی میں نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلیں، جیسے ماما اور ماموں میرے کارناموں سے ناواقف رہے تھے یہاں بھی کسی کو پتہ تک نہیں چلے گا کہ تم میری محبت میری بیوی ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کچھ شرم کر لیں ماثل آپ کے ارادے تو بڑے ہی خطرناک ہیں، مجھے اپنا ارادہ بدلنا ہو گا کہ بابا اور پھپھو آپ کے کسی کارنامے سے کبھی انجان نہیں رہے، پھپھو اور مما کی اجازت سے ہی میں آپ سے بات کرتی تھی آپ کے ساتھ چلی جایا کرتی تھی، وہ میرے اپنے تھے انہوں نے مجھے ہمیشہ پیار اور عزت سے سپورٹ کیا، وہاں کوئی اشو ہی نہ بن جائے، پھپھو بہت بہادر تھیں کہ وہ خود پر کردار پر لگے الزام کو اپنی اچھائی کے خیال اور اللہ کی رضا جان کر برداشت کر گئیں، میں نہیں کر پاؤں گی، میرا وہاں آپ کے دوست

کی حیثیت سے آنا مجھے مشکوک بنا دے گا۔'' وہ ہنس کر کہتی یکدم پرسوچ انداز میں نئے خدشے بیان کرنے لگی تھی۔

''مجھے مما پر لگے الزام کو ہی تو دھونا ہے ان کی اچھائی کو ثبوت کی ضرورت نہ تھی مگر تائی نے جو کیا اس کے بعد میں مما کی اچھائی کو ان کے ہر ایک کے خاص کر پاپا کے سامنے ثابت کروں گا اور میں اتنا کمزور نہیں ہوں کہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی ایک لفظ بھی کہہ دے، تم بیوی ہو میری، میں پاپا کی طرح اپنی بیوی کو دنیا کی بھیڑ میں اکیلا نہیں چھوڑوں گا، مجھ پر بھروسہ رکھو حجاب، میں تم پر آنچ بھی نہیں آنے دونگا اور ماموں کے فیصلے کو میں کچھ نہ کچھ سمجھ گیا ہوں کہ نہوں نے کیوں تمہیں، میری دوست بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' اس کا ذہن بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

''لیکن میں سمجھ نہیں پا رہی۔'' وہ الجھن میں تھی۔

''میں ہوں ناں، میں سب سمجھا دوں گا، بس تم ہمارا نکاح نامہ ضرور ساتھ لے کر آنا۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا تھا۔

''نکاح نامہ ساتھ رکھنے کا تو پھپھو نے بھی مجھے کہا تھا، آپ سب لوگ آخر کیا کرنا چاہ رہے ہیں؟'' اس کے لہجے میں ڈر اور تشویش ماثل نے صاف محسوس کی تھی۔

''تم بس وہ کرو جو سب نے اور میں نے کہا ہے اور مما آتے ہوئے تمہیں جو بھی ہدایت دیں اسے غور سے سننا، یہاں تک کہ ان کی عام سی کہی ہوئی بات کو بھی پلو سے باندھ لینا اور باقی میں سمجھا دوں گا۔'' وہ بات کو طول دینے کی بجائے اب کے تختی سے بولا تھا اور وہ خاموش ہو گئی تھی کہ اس کی شادی کو محض گیارہ ماہ ہوئے تھے، پچھلے چھ ماہ سے وہ دونوں دور تھے مگر اس نے اس کے ساتھ بچپن سے جوانی کا حسین دور لڑتے جھگڑتے محبت کرتے گزارا تھا اور وہ اس کے مزاج سے بہت حد تک واقفیت رکھتی تھی، اس کے لہجے سے ہی اس کی خفگی و سنجیدگی و شرارت بھانپ جاتی تھی اور اس وقت وہ محسوس کر چکی تھی کہ اس کا فیصلہ اٹل ہے اب وہ اس کی نہیں سنے گا۔

''فرجاد! کی کوئی فون کال نہیں آئی؟'' اپنے سالے کے بارے میں پوچھا تھا۔

''میں تو بتانا بھول ہی گئی تھی ماثل! لالے گیارہ فروری کو واپس آ رہے ہیں۔'' اس نے خوشی و جوش سے بتایا تھا اور وہ بھی اتنی بڑی خوشی کی خبر پا کر اپنے اندر سکون و اطمینان اترتا محسوس کرنے لگا۔

''یعنی فرجاد کے آنے میں صرف پندرہ دن باقی ہیں۔'' اس کے لہجے میں خوشی تھی۔

''جی لیکن پھپھو نے انہیں کچھ نہیں بتایا ہے نہ ہی بتانا چاہتی ہیں آپ کو بھی لالے کو کچھ بتانے سے منع کیا ہے۔''

''مما کی مصلحتیں بس وہی جانیں۔'' اس نے کچھ اپنی باتیں کر کے فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

''آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں، سب ٹھیک تو ہے؟''

''پہلے میں ماثل کو لے کر پریشان تھی، اچانک ہی نہ جانے کہاں سے ٹپک پڑا، بھائی صاحب کا اکلوتا بیٹا ہے سب کچھ وہ اسی کے نام کر دیں گے، اس لئے اس کے خلاف بھائی صاحب کے دل میں زہر بھرا اور کچھ وہ بھی ماں کا ہی پرتو ہے، اسے ٹریپ کرنا اسے برا ثابت کرنا مشکل ثابت نہیں ہوا، مگر اس نے بھی یکدم ہی پینترا بدلا اور اوپر سے اس حسین بلا کو لے آیا، بھائی صاحب کا بیٹے کے ساتھ بدل جانے والا رویہ تو برسوں کی محنت پر لگتا ہے پانی ہی پھیر دے گا۔''

''دونوں مل کر بھائی صاحب کے ہر وقت آگے پیچھے بھی تو پھرتے رہتے ہیں، وہ لڑکی ماثل کی دوست سے بڑھ کر کچھ ہے اور مجھے تو لگتا ہے ماثل اسی سے شادی کرے گا اور جس طرح آج کل باپ بیٹے میں خوب بن رہی ہے کہیں بھائی صاحب اپنی ساری دولت بیٹے کے نام نہ کر دیں اور ایسا ہوا تو ہم تو سڑک پر آ جائیں گے۔'' کلثوم پھپھو نے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔

''یہی تو دھڑکا مجھے بھی لگا ہے جس دولت کے لئے ماروی کو اس گھر سے دور کیا وہ دولت اب ہاتھ سے جاتی لگ رہی ہے، ماروی کو تو اس گھر سے نکالنے کی ہماری تمام چالیں کامیاب ہو گئی تھیں، لیکن ماثل کو تو یہاں سے نکال ہی نہیں سکتے کہ وہ بھائی صاحب کا اکلوتا بیٹا ہے، ان کی تمام جائیداد کا وارث، اس گھر سے نکال بھی دیں گے تو اس کا حق ختم نہیں ہو گا، وہ وقت بس آنے ہی والا ہے جس ہم اس گھر میں ناکارہ شے بن جائیں گے اور ماروی ایک دفعہ پھر اپنی راجدھانی میں لوٹ آئے گی اور ہم سب یہاں سے آؤٹ۔'' پریشانی ان کے لہجے و چہرے سے عیاں تھی، جویریہ آگے بڑھی تھی کہ پھپھو کی بات پر ایک بار پھر تھم گئی تھی جبکہ آنسو اس کی خوبصورت آنکھوں سے موتیوں کی طرح گرتے جا رہے تھے۔

''ابھی بھی ہمارے ہاتھ میں ترپ کا پتہ ہے، مگر اسے یوز صرف آپ کر سکتی ہیں؟'' کلثوم پھپھو کے چہرے پر چمک سی آ گئی تھی اور مریم انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی تھیں کہ ان کا مثبت اشارہ پا کر وہ بولیں۔

''ماثل اور جویریہ کی شادی۔'' ایک لمحے کو تو وہ سمجھیں ہی نہیں تھیں کہ کلثوم نے کیا کہا تھا، مگر جیسے ہی سمجھ آیا ان کی آنکھوں میں بھی چمک سی اتر آئی۔

''ماثل اور جویریہ کی شادی ہو گی تو جویریہ آپ کے پاس ہی رہے گی اور ساری جائیداد بھی ہاتھ سے نہیں نکلے گی۔'' ان کی خاموشی کو انکار سمجھ کر وہ اپنی کہی بات میں وزن ڈالنے کے لئے دلائل دینے لگی تھیں۔

''اوہوں، آئیڈیا تو اچھا ہے، لیکن اپنی ایکسائٹمنٹ یا جائیداد کے لئے تم بھول رہی ہو کہ جویریہ، حسان کی منگیتر ہے اور اس منگنی میں ہم سب کی مرضی کے ساتھ دونوں کی خوشی و خواہش شامل تھی، کیا حسان اتنی آسانی سے اپنی محبت سے دستبردار ہو گا جائے گا؟ اور کیا جویریہ اس سب کے لئے راضی ہو جائے گی؟'' ہاں میں ہاں ملا کر اب وہ خدشے بیان کر رہی تھیں۔

''ماروی کسی بھی قیمت پر میری بیٹی کو بہو نہیں بنائے گی اور ماثل کے ایک دفعہ قدم یہاں جم گئے تو وہ بھی کسی بھی دن یہاں آ ٹپکے گی، کیونکہ بھائی صاحب نے اسے طلاق نہیں دی تھی۔'' وہ غصہ سے کہہ رہی تھیں۔

''حسان کو تو میں ہینڈل کر لوں گی، اب وہ اتنا بیوقوف نہیں ہے کہ لگژری لائف کو چھوڑ کر محبت کی مالا جپتا رہے، ہاں ماروی کو کیسے ہینڈل کرنا ہے یہ پہلے کی طرح آپ کو سوچنا ہو گا۔'' کلثوم نے تمام فیصلے ان پر چھوڑ دیئے تھے۔

''اوہوں، میں آج ہی بھائی صاحب سے بات کروں گی۔'' وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئیں تھیں، اس سے پہلے کہ جویریہ کمرے میں داخل ہوتی کہ اسے سامنے سے ماثل درانی آتا دکھائی دیا تھا، ماثل نے اسے عجیب نظروں سے دیکھا تھا جبکہ وہ روتی ہوئی واپس اپنے کمرے میں چلی گئی

تھی، اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اس کی ماں ایسی ہو گی؟ اتنی حاسد اور دولت کی پجارن کہ وہ رشتوں کا تقدس تک بھول جائے، گھر اور زندگی اجاڑ دے؟ وہ ماں سے بات کیا، کیسے کرنے کی ہی الجھن میں ہی تھی کہ وہ پہلے ہی چال چل گئی تھیں۔

☆☆☆

''بھابھی! پلیز روئیے نہیں، ہماری جوی کے لئے لڑکوں کی کمی نہیں ہے۔'' وہ ساری صورتحال جان کر پریشان تھے مگر بولے خود کو کمپوزڈ کر کے تھے۔

''پہلے نہیں تھی بھائی صاحب! اب ہو گئی ہوں، رشتہ ٹوٹنا عام بات تو نہیں ہے، ہم کیا کہہ کر اپنی بچی کو غلط نگاہوں اور جملوں کے وار سے بچا سکیں گے؟ رشتہ ٹوٹنے کا کیا سبب بتائیں گے؟ حسان نے کیوں میری معصوم بچی کے ساتھ یہ سب کیا؟ نہیں کرنی تھی شادی تو دھوم دھام سے منگنی کیوں کی تھی؟'' وہ زور و شور سے رو رہی تھیں۔

''میں آپ سب سے بہت شرمندہ ہوں، حسان سے مجھے ایسی کوئی امید نہ تھی، کیا پتہ تھا کہ وہ باہر جا کر مغربیت کے سانچے میں ڈھل جائے گا۔'' کلثوم نے بھی بے چارگی و افسردگی دکھائی تھی۔

''تمہاری شرمندگی سے میری معصوم بچی کے دامن میں لگا داغ تو نہیں دھلے گا نہ۔'' وہ بدتمیزی سے بولی تھیں۔

''بھابھی! جوی مجھے بھی عزیز ہے، ارسلان کا حسہ سے نکاح نہ ہوا ہوتا تو میں جوی کو ارسلان کی دلہن بنا لیتی کہ کسی طرح تو ایک بیٹے کے کیے کا بوجھ ڈھو لیتی۔''

''مجھے کسی کے احسان کی اب ضرورت نہیں ہے، ایک نہ بہت اچھا کیا ہے نہ جو دوسرے سے امید لگاؤں۔'' وہ تڑخ کر بولی تھیں۔

''بھابھی! پلیز کیوں آپ اتنا شور کر رہی ہیں کہا نہ میں نے آپ جوی کی فکر نہ کریں وہ میری بھی بیٹی ہے، اس کی بہت اچھی جگہ شادی کروں گا، ایک حسان پر زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔'' ہوان دونوں کو الجھتے دیکھ رہے تھے یکدم قدرے غصہ سے بولے تھے۔

''جب اپنوں نے ہی قدر نہ کی غیروں سے کیا امید رکھوں؟ میں نے تو آپ سے کہا تھا بھائی صاحب، ابھی جوی چھوٹی ہے اتنی عمر نہیں ہے کہ ہم منگنی کرنے میں عجلت سے کام لیں حسان کی واپسی پر اٹھار کھتے ہیں، مگر آپ نہیں مانے اور لگ گیا میری بچی پر داغ۔''

''اُوف بھابھی کیا ہو گیا ہے، معمولی بات کو اتنا بڑا کیوں بنا رہی ہیں؟''

''کیونکہ مجھے اپنی بیٹی کی فکر ہے ہمارے معاشرے میں منگنی ٹوٹ جائے تو شادی میں ہزار مسئلے ہوتے ہیں، شادی ہونے میں مسئلہ، شادی کے بعد مسئلے، لوگ تو کیڑے لڑکی میں اس کے کردار میں ہی نکالتے ہیں۔'' وہ ان کے اشتعال کو کسی خاطر میں ہی نہ لائی تھیں۔

''کوئی نہیں نکالے گا، کچھ برا نہیں ہو گا جوی کے ساتھ، جوی کی شادی مائل سے ہو گی۔'' انہوں نے دھما کہ کیا تھا وہ دونوں ایک دوسرے کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھنے لگی تھیں دونوں کا ڈرامہ کامیاب ہو گیا تھا۔

''مائل سے، مائل کبھی راضی نہیں ہو گا۔'' انہوں نے حیرانگی کے بعد نفی میں سر ہلایا تھا۔

''وہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے، جوی کی شادی مائل سے ہی ہو گی، آپ بے فکر رہے اور اس موضوع کو بند کر دیجئے۔'' ان کا انداز بے لچک تھا۔

''آپ مائل کی مرضی تو معلوم کر لیں۔'' کلثوم نے مداخلت کی تھی۔

''یہ میں ضروری نہیں سمجھتا، رشتہ پکا ہو گیا ہے، جوی گریجویشن کے پیپر دے دے اس کے بعد شادی ہو جائیگی۔'' وہ کہہ کر ٹھہرے نہ تھے اور وہ دونوں فاتحانہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگی تھیں۔

☆☆☆

انہوں نے مائل کو اپنے کمرے میں بلا کر کہا تھا۔

''مائل! میں تمہارا رشتہ جوی سے طے کر چکا ہوں، چھ ماہ بعد شادی ہو گی۔'' وہ باپ کو متحیر نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا اسے کہاں امید تھی کہ وہ اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اس کی مرضی کے بغیر لے لیں گے۔

''پاپا! اتنا بڑا فیصلہ آپ اکیلے کیسے لے سکتے ہیں؟'' اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

''فیصلہ لے لیا ہے اب بدلے گا نہیں۔'' لہجہ بے لچک تھا۔

''مگر مجھے جویریہ سے شادی نہیں کرنی، میں نایاب سے محبت کرتا ہوں، نایاب سے میری شادی ہو......''

''مائل! جو فیصلہ ایک بار میں نے لیا، بس لے لیا، تمہاری شادی جویریہ سے ہی ہو گی۔'' وہ نہایت درشتگی سے بولے تھے۔

''اور میں جویریہ سے کسی قیمت پر شادی نہیں کروں گا، کیونکہ میں نایاب سے شادی کر......''

''تم نے جویریہ سے شادی نہ کی تو میں تمہیں اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا۔'' وہ اپنے بے حس باپ کو دیکھنے لگا تھا۔

''شوق سے کیجئے مجھے دولت کی چاہ نہیں ہے پاپا۔'' اس کی آواز یکدم بھرا گئی تھی۔

''میں یہاں دولت کی لالچ میں نہیں، آپ کی محبت کے حصول کے لئے آیا تھا، مما نے بچپن سے یہی کہا کہ میرے پاپا زندہ ہیں، مگر کہاں کیسے ہیں؟ وہ یہ نہیں بتائیں گی۔'' وہ بیٹے کو دیکھنے لگے تھے جس کی سفید رنگت ضبط کی کوشش میں سرخ ہو رہی تھی۔

''میرے کسی سوال کا جواب انہوں نے کبھی نہیں دیا، کبھی اپنی کبھی اللہ کی قسم دے کر میرے سوالوں کو میرے اندر ہی دباتی رہیں، مگر جب مما، مما کو پتہ چلا کہ ان کو کینسر ہے۔'' اس پتھر شخص کے دل کو اس خبر سے کچھ ہوا تھا۔

''تب انہوں نے خود مجھے آپ کے بارے میں بتایا، آپ نے مما کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا انہیں اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔''

''کیونکہ تمہاری ماں اسی سب کی مستحق تھی، میں ایک بدکردار عورت کو اپنے گھر میں رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔'' وہ بیٹے کی بات قطع کر کے غصہ سے بولے تھے۔

''پاپا!'' وہ اشتعال کی حدوں کو چھونے لگا تھا۔

''با خدا! آپ میرے فادر نہ ہوتے تو میں اپنی ماں کی توہین کبھی برداشت نہ کرتا۔'' وہ بہت ضبط کا مظاہرہ کر گیا تھا۔

''وہ عورت ہے ہی توہین کے لائق۔'' وہ پہلے سے زیادہ حقارت سے بولے تھے اس نے دانت پر دانت جما کر مٹھیاں بھینچ لی تھیں خود کو کچھ کہنے سے وہ بمشکل روکے ہوئے تھا۔

''تایا ابو! تائی ماں کے بارے میں ایک لفظ برا مت کہیں۔'' جویریہ ماں کے نئے کارنامے کو جان لینے کے بعد ان کی اصلیت

روحیل درانی کو بتانے آئی تھی، ان دونوں کی آوازیں سن کر دروازے میں جم گئی تھی اور جب اس کا اندر آنا ناگزیر ہو گیا تو وہ اندر داخل ہو گئی اس کو دیکھ وہ دونوں جتنا نہیں چونکے تے اس سے کئی گنا زیادہ متحیر اس کی بات سن کر ہو گئے تھے۔

''تائی امی کے بارے میں کچھ غلط مت کہیں، وہ ایسی نہیں ہیں جیسا آپ کہہ رہے ہیں، جیسا آپ نے انہیں گزرے پچیس سالوں میں سمجھا ہے۔'' اس کا لہجہ بھیگنے لگا تھا وہ دونوں ہی متحیر سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''جوی بیٹا جس بارے میں تمہیں علم نہیں ہے اس بارے میں بات نہ کرو اور اپنے کمرے میں جاؤ۔'' روحیل حیرانگی سے نکلتے درشتگی سے بولے تھے۔

''لاعلم تو آپ ہیں تایا ابو! تائی امی کی اچھائی ان کے صبر سے۔'' وہ اب کے ذرا تلخی سے بولی تھی۔

''مما اور پھپھو کی سازشوں سے لاعلم ہیں، آپ کو تائی امی کے خلاف کرنے والی کوئی اور نہیں مما ہیں، آپ کی زندگی سے انہیں نکالنے والی مما ہیں۔'' اس کے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے اور وہ ماضی کے کرب ناک حقیقت انہیں بتاتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

روحیل درانی دو بھائی اور ایک بہن تھے، راحیل درانی چھوٹے تھے انہوں نے بی کام کیا تھا اور بینک میں معمولی پوسٹ پر کام کر رہے تھے اس کے برعکس روحیل درانی انہوں نے اپنی محنت اور ذاتی لگن سے ایم بی اے کیا تھا اور دوست کے ساتھ مل کر کنسٹرکشن کا کاروبار شروع کیا تھا ان کی محنت رنگ لائی تھی اور ان کا بزنس ترقی کرنے لگا تھا، مریم روحیل درانی کی اکلوتی پھپھی کی اکلوتی بیٹی تھی، مریم کم عمری سے ہی راحیل درانی سے محبت کرتی تھی، روحیل درانی کی ترقی روپے پیسے کی ریل پیل دیکھ کر مریم کی والدہ چاہتی تھیں کہ اس کی شادی روحیل سے ہو جائے مگر وہ اس کے لئے راضی نہ ہوئی، راحیل درانی سے اس کو محبت تھی اسی سے شادی کرنا چاہتی تھی، روحیل درانی اپنی کلاس فیلو ماروی حسن سے محبت کرتے تھے، ماروی حسن کا تعلق اپر کلاس سے تھا، اس لئے انہوں نے کبھی اظہار محبت نہ کیا جب وہ اپنی محبت کو پانے کے قابل ہو گئے تو انہوں نے ماں کو ماروی حسن کا رشتہ لے کر بھیج دیا قسمت ان پر یہاں بھی مہربان رہی اور کسی تنازعے اور مشکل کے بغیر ماروی حسن ان کی بیوی بن گئیں، دونوں بھائیوں کی شادی ساتھ ہی ہوئی تھی، مریم، راحیل درانی کے ساتھ خوش تھی، لیکن دھیرے دھیرے ماں کی بریفنگ کے سبب اسے راحیل کی معمولی جاب اور معمولی تنخواہ کھلنے لگی تھی اور ان دونوں میں جھگڑا ہونے لگا تھا وہ راحیل کو اٹھتے بیٹھتے، روحیل درانی کی مثالیں دیتی رہتی، راحیل ایک ٹھنڈے مزاج کا من موجی قسم کا بندہ تھا، اسے دو اور دو چار کی لگن کبھی نہیں رہی تھی، گھر میں بہت زیادہ خوشحالی نہیں تھی تو غربت بھی نہ تھی اس نے ہمیشہ جتنا تھا اس پر گزارا کیا تھا، وہ اپنی جاب سے مطمئن تھا لیکن مریم اس کے اطمینان کو غارت کرنے لگی تھی اور مریم کو اکسانے والی اس کی ماں تھی، وہ ماروی کی برتری بیٹی پر ثابت کرنے اور اسے غلط فیصلہ کرنے کا احساس دلانے پر تلی رہتی تھی، یونہی دو سال گزر گئے تھے، روحیل اور ماروی کے ہاں ابھی کوئی اولاد نہ تھی جبکہ راحیل درانی ایک بیٹے کے باپ بن گئے تھے اور مریم دوسری مرتبہ امید سے تھیں، راحیل درانی صبح

بینک گئے تھے اور واپسی میں ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے، مریم کا رویہ شادی کے بعد چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو گیا تھا مگر وہ راحیل سے بے حد محبت کرتی تھی اس کی موت نے اسے بالکل نڈھال کر دیا تھا، راحیل کی موت کے تین ماہ بعد جویریہ اس دنیا میں آئی تھی، شوہر کی موت سے وہ دکھی تھی، دونوں بچوں کی طرف توجہ نہیں دے پا رہی تھی مریم کی والدہ ہی خیال رکھتی تھیں وہ بیٹی کو اپنے گھر نہیں لے گئی تھیں وہ راحیل اور روحیل درانی کے گھر میں ہی تھی وہ خود وہیں آ گئی تھیں اور انہوں نے ماروی کو اجاڑ کر بیٹی کو روحیل درانی کے ساتھ بسانے کی پلاننگ کر کے عمل درآمد شروع کر دیا تھا وہ ان دونوں میں بدگمانیاں اور برائیاں پھیلانے لگی تھیں، ماروی کا امیج ان کے سامنے خراب کرنے لگی تھیں وہ بیوی سے بدگمان ہونے لگے تھے انہیں پھپھو کی کہی باتیں درست لگنے لگی تھیں کہ ماروی حسن ان سے نہیں اپنے تایا کے بیٹے سے محبت کرتی ہیں، وہ ایک اداس سی شام تھی، ماروی کی طبیعت کچھ دنوں سے گری گری سی تھی، وہ چکرا کر گری تو ناچار شائستہ (مریم کی ماں) کو اسے ہاسپٹل لے جانا پڑا تھا کہ روحیل آفس کے کام کے سلسلے میں کراچی سے باہر تھے، جو خبر انہوں نے سنی اسے سن کر انہیں دھچکا لگا تھا اور وہ ایسا سوچنے لگی تھیں کہ خوشخبری روحیل درانی کو نہ ملے اور وہ ماروی کو اپنی زندگی سے نکال دیں، اب ان کی تمام سازشوں میں مریم ہی نہیں کلثوم (روحیل کی چھوٹی بہن) بھی شامل ہو گئی تھی کہ اس کے دو بیٹے تھے اور کلثوم کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔ ماروی فطرتاً نرم مزاج تھی، اس نے کسی سے بیر نہیں باندھا تھا، ان کی سازشوں سے پریشان ہو گئی تھی مگر وہ صرف مریم کی ماں کو ہی غلط سمجھ رہی تھی اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ دونوں بھی ان کے ساتھ شامل ہیں، ہاسپٹل سے گھر آنے کے بجائے ماروی اپنے گھر چلی گئی تھی کہ روحیل نے تقریباً تین سے چار دن بعد لوٹنا تھا، ماروی کے پیرنٹس خوش تھے، ماروی کے فادر اور ان کے بڑے بھائی اپنی فیملی کے ساتھ اکٹھے رہتے تھے، سجاد اس کے تایا کے اکلوتا بیٹا تھا اور اپنی پھپھو زاد سے منسوب تھا، روحیل گھر آئے تھے تو بیوی نہیں تھی اور ماروی کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ان تینوں نے ہی انہیں ماروی کے خلاف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، شائستہ نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ اپنے میکے اتنا جاتی ہی صرف سجاد سے ملنے کے لئے ہے، روحیل اور ماروی ڈھائی سالوں سے ساتھ تھے مگر جیسے ان کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا وہ صرف وہ سن اور سمجھ رہے تھے جو انہیں سمجھایا جا رہا تھا، ذہن الجھا ہوا تھا، انہیں واپس آئے ہوئے دو دن ہو گئے تھے لیکن ماروی کو نہ فون کیا نہ گئے، ماروی بھی رابطہ نہ کر سکی کہ اس کی پھپھو کا انتقال ہو گیا تھا، اس نے گھر فون کر کے شائستہ کو بتا دیا تھا مگر وہ لوگ تدفین میں نہ گئے، شائستہ نے اس وقت خود ہی ماروی سے کہا تھا کہ وہ روحیل کو فون کر کے نہ بتائے وہ آ تو سکے گا نہیں، پریشان ہو جائے گا، سادہ فطرت ماروی ان کی چال سے انجان اور اس سے بے خبر کہ وہ واپس آ گئے ہیں، ان کی باتوں میں آ گئی اور انہیں فون نہ کیا، تیسرے دن جب وہ بیوی کو لینے سسرال آئے تو لاؤنج کی دہلیز سے ہی پلٹ گئے کہ انہوں نے ماروی کو سجاد کے کاندھے پر سر رکھے دیکھا تھا آج ان کے تمام سوالوں کے جواب مل گئے تھے، گھر آ کر بھی وہ منظر آنکھوں میں گھومتا رہا کہ ان کی بیوی اپنے کزن کے بے حد نزدیک کھڑی تھی، سجاد کا ہاتھ اس کے سر پر ٹھہرا تا، وہ

اس کے آنسو صاف کر رہا تھا اور انہوں نے کسی تصدیق کے بغیر ہی آنکھوں دیکھی پر یقین کیا اور ماروی جب لوٹی تو اسے بدکردار کا طعنہ دے کر گھر سے نکال دیا، ماروی انہیں سچائی بتانا چاہتی تھی مگر انہوں نے موقع نہ دیا، وہ یہ کہتی کہ اسے طلاق نہیں چاہیے ان کے گھر سے نکل گئی تھی، اس کے بعد نہ انہوں نے رابطہ کیا اور نہ ہی ماروی پلٹ کر آئی، ماروی کے تایا اپنے اکلوتے بیٹے کے ساتھ لندن شفٹ ہو رہے تھے، ماروی کے کہنے پر اس کے فادر نے بھی باہر جانے کے انتظامات کر لئے تھے، بیس سال وہ لوگ لندن میں رہے تھے، ماروی کے پیرنٹس اور تایا انتقال کر گئے تھے، ماروی اپنے بیٹے ماثل اور سجاد اپنی فیملی کے ساتھ اسلام آباد شفٹ ہو گئے تھے، سجاد کے دو بچے تھے، بیٹا بڑا تھا اور لندن یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا، بیٹی چھوٹی تھی اور اس کی شادی اس کی اور ماثل کی پسند سے ہو گئی تھی، ماروی نے بیٹے کو شوہر کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا، مگر جب زندگی بے وفائی کرنے لگی تھی تو انہوں نے بیٹے سے کچھ بھی پوشیدہ نہ رکھا اسے باپ سے نفرت محسوس ہوئی تھی لیکن ان سے اس نے محبت بھی کی تھی کمی بھی محسوس کی تھی ماروی نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ باپ کے پاس جائے یا نہیں، وہ نہیں آنا چاہتا تھا مگر سجاد کے کہنے پر وہ آ گیا تھا، باپ کی شفقت کی امید لئے آیا تھا مگر وہ مایوس ہوا تھا، انہوں نے اس کو دیکھ کر بھی شفقت سے اس کے چہرے و سر پہ ہاتھ نہیں پھیرا تھا، وہ اتنی اچانک آیا تھا کہ انہیں سازش کا موقع نہیں ملا تھا اور اس کے آنے کے بعد کچھ اس لئے نہ کر سکیں تھیں کہ ماثل میں باپ کی مشابہت بہت تھی۔ وہ ہو بہو روحیل کی جوانی کی تصویر تھا۔

''مما، پھپھو اور نانو نے آپ کے ساتھ کتنا غلط نہیں کیا، جتنا خود آپ نے اپنے ساتھ غلط کیا، تائی ماں پر آپ بھروسہ نہ کر سکے جبکہ ڈھائی سال کسی کے کردار اس کی اچھائی جاننے کے لئے بہت ہوتے ہیں۔'' وہ تمام تفصیل بتا کر چپ ہو گئی تھی اور انہوں نے اب کے وہی بات بتائی تھی جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی اور جسے سن کر ماثل بول پڑا تھا۔

''آپ نے جو دیکھا وہ اس وقت تو غلط ہو سکتا تھا جب سجاد ماموں، مما کے صرف کزن ہوتے، اس وقت غلط نہیں ہو سکتے جب ان کا مما سے رضائی رشتہ تھا، وہ مما کے صرف کزن نہیں ہیں، دودھ شریک بھائی بھی ہیں۔'' اس نے کوئی دھما کہ کیا تھا اور ان کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا تھا، قابل گرفت بات تو انہوں نے نہیں دیکھی تھی۔

''صرف وہ سجاد کے کاندھے پر سر رکھے رو رہی تھیں، سجاد کا ہاتھ ان کے سر پر تھا اور انہوں نے آنسو صاف کیے تھے۔''

''اور جس دن آپ نے مما کو گھر سے نکالا وہ آپ کو ہی سب بتانے والی تھیں کہ آپ نے ان کے کردار پر کیچڑ، سجاد ماموں کا نام لے کر ہی اچھالی تھی، وہ آپ کو بتانا چاہتی تھیں کہ سجاد ماموں ان کے بھائی ہیں، مگر آپ سب نے مما کو موقع نہیں دیا، کہ آپ کی پھپھو (مریم کی والدہ) اس حقیقت سے واقف تھیں، مما گھر سے چلی گئیں، مما کو یقین تھا کہ آپ ان سے رابطہ کریں گے مگر آپ نے نہیں کیا تو مما ملک چھوڑ کر چلی گئیں کہ وہ آپ سے طلاق نہیں چاہتی تھیں، مریم آنٹی نے ان سے فون کر کے یہی کہا تھا کہ اگر انہوں نے اب آپ سے رابطہ کیا تو آپ مما کو طلاق دے دیں گے، اس لئے مما نے آپ سے کبھی رابطہ نہیں کیا، کبھی مجھے نہیں بتایا کہ آپ

میرے پاپا ہیں۔'' وہ بھیگی پلکوں سے بت بنے کھڑے باپ کو دیکھ کر کمرے سے نکل گیا تھا، اس کا رخ گیسٹ روم کی جانب تھا۔

''ماثل! وہ آپ کی چچی، وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کی شادی جویریہ سے ہو رہی ہے، کیا آپ جویریہ سے شادی کر لیں گے؟'' ماثل اسے روتے دیکھ کر پریشانی سے اس کی طرف بڑھا تھا اور وہ اس کا ہاتھ تھام کر روتے ہوئے کچھ دیر قبل کہی مریم کی بات کو دہراتی آس سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''واٹ ربش، میں کیوں کرنے لگا جویریہ سے شادی۔'' وہ قدرے غصیلے انداز میں بولا تھا کہ وہ ایک محاذ سے آیا تھا دوسرا تیار دیکھ اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں؟ آپ شادی تو نہیں کریں گے ناں؟'' وہ اس کے خوبصورت چہرے پہ پھیلے خوف و ہراس کو دیکھ زیر لب مسکرا دیا، کہ اسے اپنی ٹینشن میں بھی اس کا خیال تھا۔

''جویریہ سے نہیں کروں گا شادی تو کرنی تھی وہ تم سے کر لی۔'' نرمی سے اسے اپنے قریب کر کے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

''تم اپنے اور میرے سامان کی فوری پیکنگ کر لو ہم واپس جا رہے ہیں۔'' اس نے فیصلہ لیا تھا۔

''لیکن اتنی جلدی؟ کیا ہوا ہے؟ آپ واپس چلے جائیں گے تو پھپھو کو ان کی خوشیاں کیسے لوٹائیں گے؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''مما! کی خوشی مجھ سے جڑی ہے اور میں واپس لوٹ رہا ہوں، میں خوامخواہ میں ہی یہاں ماموں کے کہنے پر آیا، مجھے مما کی بات مان کر نہیں آنا چاہیے تھا، مما نے ٹھیک کہا تھا، یہاں کے لوگ جذبوں اور عزت کے مطالب بھی نہیں جانتے، رشتوں کا تقدس رکھنا نہیں آتا اور میں اب یہاں ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتا، تم واپس چلنے کی تیاری......'' وہ دکھی لہجے اور نم آنکھوں سے کہہ رہا تھا کہ جھٹکے سے کوئی دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہوا تھا، وہ دونوں ہی چونک اٹھے تھے، حجاب بڑی تیزی سے اس سے الگ ہوئی تھی، کلثوم اور مریم ان دونوں کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔

''کیا ہو رہا تھا یہاں؟ شرم تو تم لوگوں میں ہے ہی نہیں، جیسی ماں بدکردار تھی ویسا ہی بیٹا۔'' مریم کی زبان زہر اگل رہی تھی۔

''زبان سنبھال کر بات کیجئے، میری مما کے خلاف ایک لفظ بھی بولا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔'' اس کے لہجے میں شیر کی سی دھاڑ تھی، چہرہ شدت ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔

''تم ماں بیٹے سے زیادہ برا کوئی ہو بھی نہیں سکتا، جیسے کارنامے تم لوگ انجام دیتے ہو کوئی دے ہی نہیں سکتا، مگر یہاں یہ شریفوں کا گھر ہے، یہاں تم اس اپنی نام نہاد دوست کے ساتھ رنگ رلیاں نہیں منا سکتے، اسی وقت اس گھر سے نکل جاؤ۔'' وہ نہایت بدلحاظی و حقارت سے بولی تھیں ان کی اور ماثل کی آواز اتنی اونچی تھی کہ اپنے کمرے سے روحیل درانی اور جویریہ بھی وہیں آ گئے تھے، روحیل درانی کچھ کہنے کے لئے آگے بڑھ ہی رہے تھے کہ وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

''مریم راحیل! یہ گھر آپ کا نہیں میرا ہے، یہاں سے میں نہیں آپ جائیں گی اور میں اپنے گھر میں کچھ بھی کروں اس سے آپ کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' وہ ضبط کے کڑے مرحلے سے گزر رہا تھا وہ باپ کی آخری بار آزمائش کر لینا چاہتا تھا، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ جس نے بیوی کو

بے سہارا چھوڑ دیا تھا وہ آج بیٹے کا سہارا بنے گا یا آج بیٹے کو بھی بے سہارا کر دے گا۔

"سن رہے ہیں آپ بھائی صاحب! یہ ہے بھابھی صاحبہ کی پرورش، وہ خود جیسے بدکردار تھیں بیٹے کی تربیت بھی ویسی ہی کی، اسے اس لڑکی کے ساتھ گناہ کرتے ہم نے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔" وہ مائل سے ایسی بات کی توقع نہ رکھتے ہوئے دھچکا کھا کر رہ گئی تھیں، پھر سنبھل کر روحیل درانی کی جانب بڑھی تھیں، حجاب زلزلوں کی زد پر تھی کچھ کہتی کہ وہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا، وہ بھیگی آنکھوں سے بے بسی و اذیت سے اسے دیکھنے لگی تھی اور اس نے فی الحال چپ رہنے کی التجا کی تھی اور نگاہ باپ پر جما دی تھی۔

"تڑاخ! نہ میری بیوی بدکردار تھی نہ میرا بیٹا بدکردار ہے۔" کمرے میں موجود ہر نفوس ساکت رہ گیا تھا، مریم گال پر ہاتھ رکھے روحیل درانی کو دیکھ رہی تھیں۔

"واہ بڑی جلدی خیال آ گیا آپ کو، کہ آپ کی بیوی بدکردار نہیں ہے۔" وہ تھپڑ کھا کر چیخ اٹھی تھیں۔

"خود ہی تو آپ نے اسے بدکردار کا سرٹیفکیٹ دے کر اپنے گھر اور زندگی سے نکال دیا تھا، یکدم ہی آپ کو کیسے الہام ہو گیا کہ آپ کی بیوی بدکردار نہیں ہے اور یہ بیٹا اسے اس لڑکی کے ساتھ دیکھ کر بھی آپ ہی اسے بدکردار سمجھ سکتے ہیں، یہ بدکردار ماں کا بدکردار زانی بیٹا......" وہ نفرت سے پھنکاری تھیں۔

حجاب اپنا ہاتھ چھڑاتی تیر کی تیزی سے مریم کی جانب لپکی تھی۔

"خبردار جو آپ نے مجھ پر یا میرے شوہر پر انگلی اٹھائی۔" وہ پھنکاری تھی۔

اور وہ "شوہر" پر ہی اٹک گئی تھیں اور اس نے دوسرے ہی لمحہ اپنا نکاح نامہ لا کر ان کے منہ پر دے مارا تھا۔

"یہ دیکھئے یہ ہے ہمارا نکاح نامہ، میں حجاب سجاد، مائل درانی کی بیوی ہوں۔" سب لوگ ساکت تھے لیکن ماں کی تذلیل پر جویریہ کی آنکھوں سے اشک رواں تھے اور لب خاموش تھے۔

"مجھے ماروی حسن، سمجھنے کی غلطی مت کیجئے گا میں اپنے حق اور کردار کی جنگ لڑ سکتی ہوں، اتنی کمزور نہیں ہوں کہ خود پر لگائے جھوٹے الزامات کو خاموشی سے سن لوں، مائل درانی میرا شوہر ہے اور میں اس کے ساتھ کیسے رہوں گی؟ کیسے رہتی ہوں، یہ میرا فیصلہ و اختیار ہے، آپ بیچ میں بولنے والی ہوتی کون ہیں؟ آپ کو اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ کسی کے کمرے میں جانے سے پہلے اجازت لیتے ہیں اور دہائی دیتی ہیں اپنی شرافت کی، یہی ہے آپ کی شرافت کہ آپ نے ایک بیوی کو اس کے شوہر سے الگ کر دیا اور آپ یہاں کس حق سے رہ رہی ہیں؟ روحیل درانی سے آپ کا رشتہ کیا ہے؟ کس رشتے سے آپ نے یہاں پچیس برس گزار دیئے؟" وہ نہایت تلخی سے کہتی ان کو دیکھ رہی تھی۔

"روحیل درانی نہ آپ کے فادر ہیں نہ بھائی، نہ شوہر تو کیوں ہیں آپ یہاں؟ اور ماروی حسن پر آپ نے اور آپ کی ماں نے مل کر الزام لگایا کہ وہ اپنے کزن سجاد حسین کے ساتھ انوالو ہیں، محبت کرتی ہیں، ان سے ہاں ماروی حسن، سجاد حسین سے محبت کرتی تھی، کرتی ہے اور کرتی رہے گی، کیونکہ قانون اور شریعت نے ماروی حسن کو سجاد حسین سے محبت کرنے کا حق دیا ہے، جیسے حجاب سجاد، فرجاد سجاد سے محبت کرتی ہے، جیسے جویریہ راحیل، معاذ راحیل سے محبت کرتی ہے، محبت کرنے کا حق رکھتی ہے، ٹھیک ویسے ہی ماروی حسن بھی سجاد حسین سے محبت کرنے کا حق اپنی تائی کے دودھ کے ساتھ لکھوا لائی تھی، ماروی حسن، سجاد حسین کی ماں جائی نہیں ہے لیکن سجاد حسین کی وہ رضاعی بہن ہے اور رضاعی بھائی اور حقیقی بھائی میں کوئی فرق نہیں ہوتا، دونوں میں محبت، عزت و احترام کا رشتہ ہوتا ہے، نکاح حرام ہوتا ہے، سنا آپ نے مسز مریم راحیل اور مسز کلثوم درانی، ماروی حسن اور سجاد حسین میں پاک جائز رشتہ تھا، ہے اور رہے گا، روحیل درانی کل بھی آپ کے نامحرم تھے، آج بھی نامحرم ہیں، سجاد حسین ماروی حسن کے کل بھی محرم تھے، آج بھی محرم ہیں، اب فیصلہ آپ کا کہ کون صحیح ہے؟ کون شریف ہے؟" اس نے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

"بھابھی اور بھائی صاحب کے درمیان ایک بہت پاکیزہ رشتہ ہے۔" ام کلثوم زلزلوں کی زد پر کھڑیں مریم کو دیکھ کر ان کی صفائی میں بولی تھیں۔

"اچھا، واقعی ہم کیسے مان لیں، کیا ہے کیا نہیں ہمیں کیا پتہ، ہم تو وہ بات کریں گے جو دیکھیں گے۔" اس نے تلخی سے ان کی کچھ دیر قبل کہی بات دہرادی تھی۔

"آپ نے یہی کہا تھا نہ میں نے تو آپ کو اپنی گواہی دے دی، نکاح نامہ دکھا دیا ماروی حسن کی گواہی ان کا سجاد حسین سے رضاعی رشتہ ہے، آپ کی گواہی کون بنے گا؟ لائیے ثبوت اپنی پاکدامنی کا؟ اپنے رشتے کا۔" وہ پچیس سالوں کی وہ اذیت کم کرنا چاہتی تھی جو اس کے پاپا اور پھپھو نے سہی تھی۔

"ہر بات ہر چیز ہر رشتے کا ثبوت نہیں مانگا جاتا، کسی کے چہرے پر رشتہ کا نام اس کا حوالہ نہیں لکھا جاتا، گھر میں یا گھر سے باہر ایک مرد اور عورت جو رہتے یا نکلتے ہیں ان کے درمیان ضروری نہیں ہمیشہ اچھا، یا ہمیشہ برا ہی رشتہ ہو، ایک عورت بھائی باپ شوہر اور بیٹے کے ساتھ گھر سے نکلتی ہے مگر عورت کے ساتھ چلتے شخص کے چہرے پر نہیں لکھا ہوتا کہ یہ مرد اس عورت کا باپ ہے بیٹا ہے، یا بھائی ہے، آنکھوں اور انداز میں جو اپنائیت اور احترام ہوتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ساتھ چلتے مرد سے کیا رشتہ ہے اور وہ اپنائیت واحترام ہر دیکھنے والی آنکھ نہیں دیکھ سکتی، صرف وہ آنکھیں دیکھتی ہیں جن میں پہلے سے عزت و احترام ہوتا ہے اور جو رشتوں کو احترام دیتے ہیں وہی غیروں کو بھی عزت دیتے ہیں، میں آپ کے بارے میں غلط نہیں سوچ رہی کہ میں سوچ ہی نہیں سکتی، کہ مجھے مکھی کی طرح زندگی گزارنا نہیں سکھایا گیا جو صرف گندگی پر ہی بیٹھتی ہے، مجھے شہد کی مکھی کی طرح زندگی گزارنا سکھایا گیا جو صرف پھولوں پر بیٹھتی ہے، مجھے کنول کے پھول کی طرح زندگی جینے کا ہنر سکھایا گیا جو کیچڑ میں کھل کر بھی پاکیزہ رہتا ہے۔ آپ کیا کرتی ہیں؟ کیسے زندگی گزاری یہ میرا مسئلہ نہیں ہے، ہاں آپ مجھ پر انگلی اٹھانے کا حق نہیں رکھتیں اس لئے اتنا یاد رکھیں کہ باقی تین انگلیاں ہمیشہ سے ہی آپ پر اٹھی رہیں ہیں۔" اس نے ان کے دھواں دھواں چہرے سے نگاہ ہٹائی اور اپنے آنسو صاف کرتی وارڈروب کی جانب بڑھ گئی تا کہ واپسی کی تیاری کر لے۔

☆☆☆

"ماروی مجھے معاف کر دو۔" روحیل درانی ان دونوں کے ساتھ ہی اسلام آباد آئے تھے اور پورے پچیس سال بعد ان کے سامنے ہاتھ جوڑے اپنے کیے کی معافی طلب کر رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

”میں نے آپ کو معاف کیا روحیل۔“ وہ بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگے تھے کہاں امید تھی کہ وہ چند لفظوں کی ادائیگی کے بعد ہی معافی پالیں گے۔

”ماروی! میں تمہیں سمجھ نہیں سکا، تم پر شک کیا، تمہیں گھر سے نکال دیا، مگر میں ایک لمحہ کے لیے بھی سکون سے نہیں رہا، تم اگر اذیت میں رہیں تو کم اذیت میں نے بھی نہیں سہی، تم نے مگر مجھے معاف کر کے اپنا کچھ اور مقروض کر دیا ہے۔“ ان کی آنکھوں سے آنسو رخساروں پر لڑھک گئے تھے۔

”گھر واپس چلو ماروی!“ اپنے آنسو رگڑ کر انہوں نے اپنے سامنے کھڑی عورت کو دیکھا تھا جو آج بھی حسین تھی مگر چہرے پر بکھری اذیت آنکھوں میں ڈیرے ڈالے اداسی، آنکھوں سے چھلکتی نمی اس چہرے کو انہوں نے بہت چاہا تھا، پھر وقت نے کروٹ بدلی تھی اس چہرے سے انہیں نفرت ہو گئی تھی، مگر پچیس سال انہوں نے محبت و نفرت کے درمیان گزار دیئے تھے، دل کہتا تھا کہ محبت کیے جاؤ، دماغ نفرت کے سوا کچھ سوچنے ہی نہ دیتا، محبت و نفرت، اعتبار و شک کی جنگ میں ان کی محبت ان کا اعتبار مگر ہار گیا تھا، دل کو ان پر اعتبار تھا مگر وہ اسے اعتبار دے نہیں سکے تھے، کہ محبت ہو یا نفرت، اعتبار ہو یا شک اظہار مانگتے ہیں اور ایک وقت میں محبت کا اظہار ہو سکتا ہے یا نفرت کا پرچار اور انہوں نے محبت دل میں بسائے نفرت کا پرچار کیا تھا کہ وہ محبت کی بازی محبت کا اعتبار نفرت و شک کی آگ میں جلتے ہار گئے تھے اور ہار کبھی فتح نہیں بنتی۔

”میں نے آپ کو معاف کر دیا روحیل؟ میرا اللہ بھی آپ کو معاف کرے، مگر میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی میں اس گھر سے جب نکلی تو میں نے واپسی کا صرف ایک در کھلا رکھا تھا کہ آپ جس دن مجھے خود سے لینے آئیں گے میں لوٹ جاؤں گی، میں نے پچیس سال آپ کے لوٹنے کا آپ کے آنے کا انتظار کیا، میری نگاہیں دروازے پر اس کی چوکھٹ پر پچیس سالوں سے اٹکی تھیں اور میری نگاہیں آج بھی انتظار میں چوکھٹ پر اٹکی ہیں، میرا انتظار ختم نہیں ہوا تو میں واپس کیسے چلوں؟“ انہوں نے اذیت سے روحیل درانی کو دیکھا تھا۔

”میں تمہیں لینے آ گیا ہوں، مانا کہ دیر ہو گئی ہے مجھے آنے میں پچیس سال لگ گئے، مگر میں آ گیا ہوں۔“ وہ شرمندگی سے بولے تھے۔

”آپ آئے نہیں ہیں روحیل درانی لائے گئے ہیں۔“ ماروی نے تلخی سے ان کی بات کے درمیان کہا تھا اور وہ انہیں دیکھنے لگے تھے۔

”آپ کو بلانا ہوتا، خود سے آواز دینا ہوتا تو میرے لئے کچھ مشکل نہ تھا، مگر میں نے آپ کے لگائے الزام کے ساتھ پچیس برس اس آس میں گزارے کہ کبھی تو آپ کو لگے کہ آپ نے غلط کیا، کبھی تو احساس جاگے کہ آپ کی ماروی ایسی نہیں تھی میں آج آپ کے ساتھ کس امید پر جاؤں کل کوئی آپ سے کہے گا کہ میرا فلاں شخص کے ساتھ افیئر ہے تو آپ یقین کر لیں گے۔“

”نہیں ماروی!“ ان کی خود اذیتی پر وہ تڑپ اٹھے تھے۔

”میں آپ پر بھروسہ نہیں کر سکتی، آپ خود سے مجھے لینے آتے، خود سے احساس ہونے کے بعد کہ میں غلط نہیں ہوں، میں بد کردار نہیں ہوں، سر اٹھا کر جاتی، مگر اب نہیں، ایسے ہی آپ کے ساتھ جانا ہوتا تو پچیس سال آپ کے وجود سے ماثل کو بے خبر نہ رکھتی، میں نے آپ کے آنے کے لئے در کھلا رکھا تھا، کسی کے لانے کے لئے در کھلا نہیں رکھا تھا اور آپ مجھے لینے نہیں آئے لائے گئے ہیں، ماثل آپ کو سچائی نہ بتاتا تو آپ نے آج بھی مجھ سے بدگمان ہی رہنا تھا، مجھے ثبوت دے کر ہی اپنا آپ منوانا ہوتا تو پچیس سال اذیت میں نہ گزارتی، مجھے میری ذات کا مان، میری اچھائی، میرے عمل کی بنیاد پر چاہیے تھا اور وہ آپ نہیں دے سکے، ڈھائی سال ساتھ گزار کر آپ کو مجھ پر میرے کردار پر بھروسہ نہ ہو سکا، پچیس سال میرے کردار کو، میرے کسی عمل کی روشنی میں سرخرو نہ کر سکے تو میں کس آس پر آپ کے ساتھ چل پڑوں؟“ وہ ان کی باتوں سے زمین میں دھنستے چلے گئے تھے، نگاہ اور سر جھک گئے تھے اور وہ شکستہ قدموں سے شکستہ دل خالی ہاتھ پلٹ گئے تھے اور ان کے خاموشی سے پلٹ جانے پہ آخری امید بھی دم توڑ گئی تھی۔

اور روحیل درانی نے چوکھٹ بھی عبور نہ کی تھی کہ وہ لہرا کر زمین پر گری تھیں۔

”مما!“ ماثل ان کی طرف چیختا لپکا تھا وہ واپس مڑے تھے اور چوکھٹ پر ہی کھڑے وہ پتھر ہو گئے تھے، ان کی نگاہیں ماروی کے چہرے پر تھیں۔

ماروی کا سر ماثل کے زانو پر رکھا تھا ان کی آنکھیں چوکھٹ پر جمی تھیں، ماثل نے بہتی آنکھوں سے ماں کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگا تھا، اس نے آج دعاؤں کے سائبان کو کھو دیا تھا، روحیل درانی اپنا وجود، اپنا قرار و چین ماروی کی انتظار میں کھلی آنکھوں کو سونپ آئے تھے اور ان کے بیٹے نے ان کی آنکھیں بند کر کے انہیں ان کے سکون سمیت قید کر دیا تھا اور وہ ایسے قیدی تھے جس سے رہائی موت کے بعد ہی ممکن تھی۔

☆☆☆

مریم تذلیل کرنے میں تو ماہر تھیں مگر تذلیل سہنے کے ہنر سے واقف نہیں تھیں، اپنی تذلیل سہہ نہ سکی تھیں، انہیں فالج کا اٹیک ہوا تھا، وہ ساری زندگی کے لئے آدھے وجود سے ناکارہ ہو گئی تھیں، زہر اگلنے والی فرفر چلتی زبان پر چپ کے تالے پڑ گئے تھے، ماں کی حالت دیکھ کر ارسلان اپنی بیوی کو لے کر امریکہ شفٹ ہو گیا تھا کہ وہ اور اس کی بیوی ماں کی خدمت نہیں کر سکتے تھے، حسان واپس آ گیا تھا، اس نے جویریہ سے شادی کر لی تھی، حسان نے اس سے ناراض ہوا تھا، ام کلثوم اسے بھی امریکہ لے جانا چاہتی تھیں مگر وہ جویریہ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا جویریہ نے اسے شادی کے لئے یہی شرط رکھی تھی کہ وہ پاکستان میں رہے گی کہ وہ اپنی بے سہارا مفلوج ماں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی، حسان نے اس سے محبت کی تھی اس کی محبت میں، اس کی ماں کی محبت میں لپٹی شرط مان لی تھی، وہ چاروں جویریہ ولا میں رہتے ہیں۔

ماثل اور حجاب اکثر روحیل درانی سے ملنے آ جاتے ہیں، ماثل نے مریم کو معاف کر دیا تھا، معاف تو انہیں ماروی نے بھی کر دیا تھا مگر سزا انہیں مل گئی تھی کہ دل دکھانے، گھر اجاڑنے اور شریعت کا مذاق بنانے والوں کو اللہ معاف نہیں کرتا، مریم اور روحیل درانی اپنا بویا کاٹ رہے تھے اور یہ سلسلہ ازل سے چلا آ رہا ہے اور ابد تک چلتا رہے گا، رکے گا بس ہم نے اب یہ فیصلہ کرنا ہے ہم پر جو مصیبت آئی ہے وہ آزمائش ہے یا مکافات عمل؟

☆☆☆

قرۃ العین رائے

''نہ جانے کتنے سالوں بعد میں نے اس جگہ کا رخ کیا تھا ورنہ آخری بار جب میں یہاں آیا تھا تو پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت نہ رہی تھی کیونکہ پیچھے مڑ کر دیکھنے والے پتھر کے ہو جاتے ہیں لیکن کبھی کبھی آگے والے اور بہت بڑھنے والے بھی اس ایک لمحے میں قید ہو کر پتھر کے ہو جاتے ہیں۔''

میں اپنی قیمتی گاڑی کی فرنٹ سیٹ سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ اردگرد کے مناظر میں اپنے ماضی کے مناظر تلاشتے ہوئے سوچا۔

گلیاں بھی ویسے کی ویسے تھیں میرا پرانا اور وفادار ڈرائیور بڑی مہارت کے ساتھ ان پیچ در پیچ تنگ اور فٹ پاتھ سے نیچے لگیں پھل فروٹ اور پھولوں کی ریڑھیوں سے بچا کر قدرے دھیمی رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا۔

''وہی نیم، تاریک گھر، وہی جھروکے، وہی شہر خموشاں سی خاموشی، گندگی، بے سرو سامانی اور شاید وہی بنجر لوگ۔'' میں اس وقت شاید تلخ ہو رہا تھا۔

''آں!'' اچانک لگنے والی بریک پر بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''کیا ہوا؟ عنایت بابا؟'' پچھلی سیٹ پر بیٹھی میری لاڈلی بہو نے قدرے آگے ہوتے ہوئے پوچھا اچانک زور سے بریک لگنے پر یقیناً اسے ہلکا سا جھٹکا لگا تھا جو اس کی نازک طبع پر گراں گزرا ہوگا۔

''کچھ نہیں بیٹا رانی! ایک بچہ پتنگ پکڑنے ''

مکمل ناول

کے چکر میں گاڑی کے آگے آنے لگا تھا۔
"ابھی اور کتنی دور ہے عنایت بابا؟" زارا سے ایک اور سوال پیچھے سے ہماری سماعتوں کو

"بس جی تھوڑی ہی دور ہے۔" عنایت نے جواب دے کر گاڑی سٹارٹ کردی ایک گھر کے پاس سے گزرتے ایک گانا کافی بلند آواز سے سنا جار ہا تھا۔

یہ گلیاں یہ چوبارہ یہاں آنا نہ دوبارہ

گانے کے بول میری یادداشت میں نہیں میرے خون میں سمائے ہوئے تھے دل یادوں کو پورے وجود میں خون کی طرح ہی سپلائی کرتا تھا کبھی یادیں آتی تھیں کبھی جاتی تھیں بہت پھٹی اور درد بھری آوازیں آخری بار اس نے اس گانے کے چند بول میرے سامنے گنگنائے تھے گویا مجھے اس گانے کو بولو کے ساتھ باندھ کر واپس میرے اپنوں میں بھیج دیا تھا، جیا تو میں ان سب کے ساتھ لیکن رہا میں اسی کا تھا اس کا ناں ہو کر۔

"وہ بھی کہیں دور اپنے چھوٹے سے گھر میں بیٹھی میری طرح بڑھاپے کے بیتے دنوں کو یاد کرتی ہو گی بھول تو نہیں سکتا میں اسے اس ایک یقین سے ہی تو سانس کی بھاری سل کو ابھی تک گھسیٹا ہے۔" یونہی چلتی گاڑی میں سے دائیں جانب بنے بوسیدہ سے جھروکے میں بوڑھی، موٹی اور بے ڈول عورت پر نظر پڑی جو کرسی میں دھنسی ہر آنے جانے والوں کو خالی نظروں سے بس دیکھے جا رہی تھی اسے دیکھ کر مجھے اس خیال نے چھوا۔

وقت بڑی عجیب اور نہ سمجھ آنے والی چیز ہے اس نے مجھے ادھر آنے سے یوں منع کیا کہ میرے دل اور میری روح اس سے ملنے کو پھڑ پھڑاتے رہے اور میں آزاد ہو کر بھی پابند رہا اور کل ایک رشتے نے مجھ سے یوں استدعا کی کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی ادھر آنے کی حامی بھر بیٹھا اس کے بعد ایک یہی رشتہ تو تھا جس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی بھی میری برداشت سے باہر تھی۔

زارا جو مجھے بے حد پیاری اور عزیز تھی میری اکلوتی اور دکھی بہن کی اکلوتی بیٹی میری بھانجی اور اب کچھ سالوں سے میری اکلوتی بہو لیکن ہمارے بیچ یہ نیا رشتہ کسی جھجک یا رکاوٹ کا باعث نہ بنا تھا بلکہ ہمارے تعلق اور ہماری دوستی کو اور مضبوطی بخشی تھی، ایسا ہوتا ہے ناں کہ ہماری کیمسٹری کسی سے یوں ہی مل جاتی ہے پھر اس میں عمر رشتے وغیرہ کا احساس نہیں ہوتا زارا بچپن سے ہی مجھے بنا کچھ کہے سمجھتی تھی میرے مزاج کو پہچانتی تھی جب بھی میں اندر سے الجھا اور بے چین ہوتا بظاہر اوپر سے پرسکون تو وہ اپنی پیاری سی پونی ٹیل جھلاتی اپنا کھیل چھوڑ کر یا اپنی اور پیاری اور معصوم سی مصروفیت اچانک ترک کر کے میری گود میں چڑھ آتی اور اپنی معصوم اور پیاری آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہتی۔

"انکل جانی کیا بات ہے؟ سنو وائٹ کی کہانی سنایئے نہ۔" نہ جانے کیوں وہ مجھ سے یہ سوال کر کے فوراً میری توجہ سنو وائٹ کی کہانی میں الجھا دیتی اس کی فرمائش مجھے ہر حال میں پوری کرنی ہوتی بعض اوقات نیم دلی سے سناتا میں فراموش کر ڈالتا۔

فیضان کی شادی کے بعد بھی جب اسے لگتا کہ مجھے اس کے چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں خود کو الجھا کر اپنی سوچوں سے نکلنا ہے تو وہ میری لائبریری میں آن بیٹھتی اور کبھی کبھی وہ بے حد خاموشی سے لائبریری کا دروازہ بند کر کے واپس چلی جاتی مجھے یہ کبھی کہنے کی ضرورت نہ محسوس ہوئی کہ اس وقت وہ مجھے تنہا چھوڑ دے مجھے اس کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے میں اپنی یادوں میں خوش اور مگن ہوں تو پھر بھلا اتنی اچھی دوست اور بہو کی بات کو میں کیونکر ٹال سکتا تھا۔

☆☆☆

وہ میرے کمرے میں خاموشی سے آ کر میرے لگژری سائز کے صوفے میں دھنس کر بیٹھ گئی۔

"ہوں کیا ہوا مائی لٹل فرینڈ؟ فیضان سے کھٹ پٹ؟" میں نے "نسخہ ہائے وفا" کو بند کر کے عینک سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا ایسا منہ اس کا تب ہی بنتا تھا جب فیضان سے جھگڑا ہوتا اور اب چونکہ مجھے پوری یکسوئی سے اس کی بات سننی اور سمجھنی تھی لہٰذا میں نے اپنے پڑھنے کے مشغلے کو فی الحال ترک کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

میرے سوال کرنے پر وہ دھیرے سے اٹھی اور میری راکنگ چیئر کے پاس نیچے کارپٹ پر میرے قریب ہو کر بیٹھ گئی اس نے انداز نشست نے مجھے ایکدم اندر سے بے چین کر ڈالا ایسا انداز اس کا تب ہی ہوتا تھا جب وہ بے حد الجھی اور پریشان ہوتی تھی۔

فیضان زارا کو اس قدر پریشان نہیں کر سکتا مجھے اس کا یقین تھا کیونکہ وہ زارا سے بے حد محبت کرتا ہے یہ ان دونوں کی لو میرج تھی جس کا مقدمہ میں نے لڑا تھا اپنی بیوی کے ساتھ ماریہ جیسی اسٹیٹس کانشس عورت کی منظور نظر ایک یتیم اور بچپن سے ہی ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والی لڑکی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی وہ اپنے خوبرو ذہین اور اکلوتے بیٹے کے لئے کوئی بہت ماڈرن، مالدار اور حد سے زیادہ ذہین و حسین بہو لانے کی خواہش مند تھی خیر زارا ذہین اور حسین کے پیمانے پر تو پوری اترتی تھی لیکن بے حد مالدار اور حد سے زیادہ ماڈرن ہرگز نہ تھی اور میں نے اپنے بیٹے کی آنکھوں کی جو جوت زارا کے لئے جلتی دیکھی تھی ویسی جوت کی راکھ میری آنکھوں میں اب تک اڑتی تھی اور پھر زارا کا ان دنوں مرجھایا مگر خاموش چہرہ بھی میں نے بغور دیکھا تھا اس لئے اپنی طرح دار بیگم کے سامنے ڈٹ کر یہ معرکہ میں نے مار ہی لیا تھا اور اپنے بیٹے کی آنکھوں کی جوت کو بجھنے نہ دیا تھا۔

"انکل جانی!" زارا کی آواز مجھے یکدم ماضی کی ایک یاد سے حال میں لے آئی تھی ایک تو بڑھاپے میں بس ماضی کی یادیں ہی اوڑھنا بچھونا رہ جاتی ہیں۔

"ہوں کیا بات ہے بیٹا جی!" میں نے شگفتگی سے پوچھا تا کہ وہ آرام سے اپنی الجھن مجھے بتا سکے۔

"وہ اصل میں، آپ تو جانتے ہیں کہ میں چند مشہور اور بڑے اخبارات میں آرٹیکلز لکھتی ہوں اور میری انتھک محنت اور تفصیلی تحقیق کی بناء پر لوگوں میں کافی مقبول ہوا ہے میں اسی سلسلے میں آپ سے ایک فیور چاہیے لیکن ڈر ہے کہ آپ بھی فیضان کی طرح میری بات سن کر نا صرف میرا ساتھ نہ دے گے بلکہ مجھے بھی اس کام سے منع کر دیں گے اور میں ایسا نہیں چاہتی، ان فیکٹ میں اس سلسلے میں سنجیدگی سے کام کرنا چاہتی ہوں۔" زارا نے الجھے انداز میں بات کا آغاز کیا۔

"تم کھل کر بات کرو پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے پورا یقین ہے کہ میری بیٹی کوئی ایسا کام کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتی جو ہمیں کسی صورت منظور نہ ہو کیونکہ جسے ہم قابل قبول نہ جانے وہ تمہارے لئے قابل قبول کیسے ہو سکتا ہے لہٰذا تمہاری الجھن یہ ظاہر کر رہی ہے کہ تم فیضان کو اپنا نکتہ نظر سمجھا نہیں پائی یا پھر اس کی اپنی

سوچ تمہارے کام کو نہ سمجھتے ہوئے رکاوٹ کا باعث ہے۔" میں نے اسے واضح گفتگو کرنے پر اکساتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"بالکل یہی بات ہے اصل میں میں اپنے ایک آرٹیکل کے سلسلے میں لاہور میں موجود چھوٹے بڑے ہر قسم کے مزارات کا ڈیٹا اکٹھا کر رہی ہوں ایک تو باقاعدہ ہمارے پاس یہ لسٹ موجود ہو کہ لاہور میں آخر کار کتنے مزارات موجود ہیں ان کا تاریخی پس منظر ان کی اصل سچائی میں لوگوں کے سامنے لانا چاہتی ہوں اور اس سلسلے میں مزارات پر جانا از حد ضروری ہے میں دو تین بڑے مزارات پر جا چکی ہوں اور ان کے متعلق کافی مواد اکٹھا کر چکی ہوں یہ مسلسل وار کالم ہے اور ہو سکتا ہے بعد میں ایک کتاب کی صورت میں شائع کرا دوں۔"

"ہوں ٹاپک تو کافی دلچسپ ہے مسئلہ کیا ہے؟" وہ سانس لینے کے لئے رکی جب میں نے کہا وہ آج کی نسل کی نمائندہ تھی ذہین، پراعتماد اور باعمل نسل۔

"مسئلہ کچھ یوں ہے کہ کل اسی سلسلے میں، میں عنایت بابا (میرا پرانا وفادار ڈرائیور) سے مزارات کے متعلق معلومات لے رہی تھی کہ وہ لاہور میں موجود کتنی ایسی جگہوں سے واقف ہیں جہاں پر مزار موجود ہیں اور باتوں کے دوران انہوں نے ایک بڑا دلچسپ انکشاف کیا کہ ایک مزار جو کسی نیک خاتون کا ہے اور بی بی صاحب کے نام سے مشہور ہے مزار کیا ہے بلکہ ویران جگہ میں ایک قبر ہے بڑا عجیب پس منظر رکھتا ہے یہ اپنے وقت کی بڑی پرہیزگار اور نیک خاتون تھیں ان فیکٹ آنٹی ماریہ اور نانو بھی ان کے پاس اولاد کی دعا کروانے گئی تھیں عنایت بابا لے کر گئے تھے تب بھی اور انہی کی دعا کے باعث آپ کے ہاں شادی کے دس سال بعد فیضان پیدا ہوا بعد میں وہ انتقال کر گئیں، لیکن ان کی وفات کے بعد بھی پریشان حال لوگ اپنی پریشانی سنانے چلے آتے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ اللہ کے معاملات زندہ لوگوں کے ساتھ اور مردہ لوگوں کے ساتھ اور قسم کے ہیں میں یہ سارا کچھ جاننے کے بعد بہت متجسس ہوں وہاں پر جانے کے لئے مگر جب فیضان کو علم ہوا کہ وہ مزار لاہور کے مشہور بدنام زمانہ علاقے میں موجود ہے فوراً بدک گئے اور مجھے سختی سے منع کر دیا کہ میں اکیلی اس سائیڈ کا رخ نہ کروں اور جب میں نے کہا کہ وہ ساتھ چلے چلیں تو اس سے بھی سختی سے نفی میں جواب موصول ہوا میں نے بہت کنونس کرنے کی کوشش کی ہے فیضان کو مگر وہ راضی ہی نہیں ہو پا رہے اور اس طرح سے میری اس کالم کے سلسلے میں کی جانے والی تحقیق ادھوری رہ جائے گی میں اس بات کو لے کر بے حد اپ سیٹ ہوں۔"

آخر کار واضح طور پر اس نے اپنی الجھن بیان کر ڈالی تھی۔

"ہوں مسئلہ تو واقعی گمبھیر ہے۔" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس کا ایک حل ہے ناں۔" اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا جیسا کہ میں نے کہا یہ آج کی نسل ہے پراعتماد اور باعمل اور اپنے مسائل کا خود ہی حل ڈھونڈنے والی۔

"کیا حل ہے؟" میں نے پوچھا۔

"دیکھئے ناں انکل جانی ماریہ آنٹی اور نانو بھی تو دن کی روشنی میں اس علاقے میں گئی تھیں تو ہم...... میرا مطلب ہے آپ، میں اور عنایت بابا بھی تو جا سکتے ہیں ناں، پلیز۔" میرے کچھ کہنے سے پیشتر ہی اس نے معصوم سی صورت کے ساتھ مجھ سے التجا کی اور اتنی بھولی ادا پر مجھ سے انکار ہو ہی نہیں سکتا تھا ویسے بھی اس کی بات نے مجھے بھولی بسری ایک بات یاد کروا دی تھی ماریہ نے بتایا تھا مجھے کہ وہ کسی نیک بی بی کے پاس اماں کے ساتھ دعا کرانے اور وظیفہ معلوم کرنے گئی تھی اولاد حاصل کرنے کے لئے پیاسی ممتا کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتی ہے فیضان کی ولادت پر بھی اس نیک بی بی کا ذکر خیر رہا تھا ہمارے گھر لیکن میں نے کبھی دل کی گہرائیوں سے اپنے اردگرد کے ماحول کو سمجھا اور سنا ہی کب تھا جو یہ بات ذہن نشین رہ جاتی خیر میں نے ردا کے اصرار پر اگلے روز اس کے ساتھ جانے کی حامی بھر لی بلکہ فیضان کو بھی کنونس کرنے کی حامی بھی بھر ڈالی اور آخر کار اسے میری بات کا احترام کرتے ہوئے ہمیں مزار دیکھنے کی اجازت دینی پڑی مگر اس شرط کے ساتھ کہ صرف دس پندرہ منٹ میں ہم واپس آ جائیں گے اور ردا نے جھٹ اس کی بات مان لی اس وقت اس کی آنکھوں میں جو معصوم سی خوشی جگمگائی تھی مجھے کسی اور کی آنکھوں کی معصوم چمک کی یاد دلا گئی تھی۔

☆☆☆

"نہ جانے کیوں میں اتنا کانشس ہو رہا تھا وہ تو کافی عرصے سے یہاں سے کوچ کر گئی تھی پھر بھی نہ جانے کیوں یہ جھروکے کے ہر دریچے میں نظریں اسے کھوجنا چاہ رہی تھیں وہ تو ایک گزری بات تھی جواب بھول بن چکی تھی ایسی بھول جو مجھے بھلائے نہ بھولتی تھی۔"

آ کہ وابستہ ہیں اس حسن کی یادیں تجھ سے
جس نے اس دل کو پری خانہ بنا رکھا تھا
جس کی الفت میں بھلا رکھی تھی دنیا ہم نے
دہر کو دہر کا افسانہ بنا رکھا تھا

"چالیس سال بعد میں آج پھر انہیں گلی کوچوں سے گزر رہا تھا جہاں میرا بے تاب دل بے آب ماہی کی طرح مچل کر آیا تھا ایک وقت تھا جب میرے شب و روز یہیں گزرنے لگے تھے دل کو کسی صورت قرار نہ آتا تھا اس سے ملے بغیر، ابا جی ان دنوں اپنی سیاست میں بے حد مصروف تھے ضمنی الیکشن سر پر تھے پورے کاروبار کا بوجھ مجھ ناتواں کے کندھوں پر تھا اور انہیں میری ذہانت اور قابلیت پر یقین تھا اور میں بے حد مصروف ہونے کے باوجود کچھ نہ کچھ وقت اس کوچے میں اپنے سکون کے لئے نکال ہی لیتا تھا، وہ بھی کیا خوب دن تھے آنکھ مچولی کھیلتے بے حد مصروف لیکن پرسکون دن۔"

"لیں جی بی بی صاحب کا مزار آ گیا۔" عنایت بابا نے گاڑی کو قدرے وسیع گلی میں ایک دروازے کے آگے جھٹکے سے روکتے ہوئے کہا اور میں جو بیتے ماضی کو جاگتی آنکھوں سے دیکھنے میں مگن تھا یکدم چونک کر اپنے حال میں آیا اور اطراف پر میری نظر پڑی تو میرے حواس جیسے جامد ہو کر رہ گئے، وجود پتھر کا ہو گیا تھا کہتے ہیں پیچھے مڑ کر دیکھنے والے پتھر کے ہو جاتے ہیں اور میں تو بذات خود آج پیچھے مڑ کر چلا آیا تھا۔

"کہاں ہے مزار عنایت بابا؟" ردا کی حیرت بھری آواز مجھے پیچھے سے سنائی دی۔

"بٹیا رانی اس گھر کے اندر مزار ہے۔" عنایت نے مودب لہجے میں دائیں جانب دو منزلہ قدیم گھر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"گھر کے اندر مزار؟" ردا حیرت زدہ ہوئی۔

"جی اصل میں بی بی صاحب نے اپنی قبر اپنے گھر میں ہی بنوانے کی وصیت کی تھی اور ساتھ ہی کسی قسم کی تعمیر یا مزار بنانے کی سختی سے مخالفت کی تھی بس لوگ آتے ہیں فاتحہ پڑھتے

ہیں، دعائیں مانگتے ہیں اور خاموشی سے واپس چلے جاتے ہیں یہاں پر عرس، دیگیں چڑھانا وغیرہ منع ہے جو کوئی بی بی صاحب کی وصیت کی مرضی کے خلاف یہ کام کرے گا بے مراد ٹھہرے گا اس قبر کی دیکھ بھال کرنے والا مجاور یہی کہتا ہے اور ایسا ہوا بھی ہے میرے اپنے ایک رشتے دار نے یہ گستاخی کرنی چاہی تھی تو......"

"ٹھیک ہے عنایت بابا باقی کی تفصیل میں آپ سے گھر جا کر حاصل کرلوں گی ابھی تو بس جلدی سے اندر جاتے ہیں فیضان کا فون آ گیا تو مشکل ہو جائے گی۔" ردا نے نرمی سے عنایت کی بات کاٹی اور کاغذ پنسل اور ڈیجیٹل کیمرہ سنبھالے خود کو ایک بڑی چادر میں چھپائے وہ گاڑی سے باہر نکل آئی اس کی نظریں اردگرد کا بغور مشاہدہ کر رہی تھیں اب وہ میرے گاڑی سے برآمد ہونے کی منتظر تھی میں نے اپنی بے جان ٹانگوں کو بمشکل ہلاتے ہوئے اپنے سن ہوئے وجود کو منظم کرتے ہوئے گاڑی سے نکلنے کی کوشش کی۔

"صاحب جی! ہم تو فجر کے بعد اپنی سماعت کو اس دہلیز پر دھر دیتے ہیں تبھی آپ کی ہلکی سی ابھرتی چاپ ہمارے دل کی دھڑکن کو تیز کرنے کا سبب بن جاتی ہے اور ہمیں خبر ہو جاتی ہے کہ آپ آ رہے ہیں پھر نگاہیں اور قدم جلد از جلد آپ کو خوش آمدید کہنے کو بے تاب ہو جاتے ہیں تبھی تو آپ کے دروازہ کھٹکھٹانے سے پہلے ہم آپ کو دروازہ وا کیے دروازے میں کھڑے ملتے ہیں۔"

ہمیشہ کی طرح جب وہ مجھے دروازے کے درمیان میری منتظر ملی اور میں جو بے حد خاموشی سے بلی کی چاپ کی مانند سیڑھیاں چڑھنے لگا تھا اسے سامنے اوپر دیکھ کر کھسیا سا گیا۔

"ارے تمہیں کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میں آ رہا ہوں جو ہر دفعہ تم یہیں پر میری منتظر مجھے ملتی ہو۔" میں نے سر کھجاتے ہوئے پوچھا جس کا جواب اسی کی مانند خوبصورت اور شاعرانہ ملا تھا۔

لیکن آج وہ میری کیونکر منتظر ہو سکتی تھی وہ تو کافی عرصے سے اس زندہ شہر خموشاں کو چھوڑ کر جا چکی تھی۔

"ماہ روز میں نے کبھی سوچا نہ تھا کہ آج یوں پھر تمہاری چوکھٹ پر کھڑا ہوگا جبکہ تم یہاں پر ہو بھی نہیں نہ جانے یہ کس اجنبی کی آخری آرام گاہ ہے جو انجانے میں میرے ماضی سے تعلق باندھ بیٹھی ہے۔"

"انکل جانی اندر چلیں؟" ردا نے میری سوچوں کا ارتکاز توڑا اور میرا دل جو ایک بار پھر اپنے ماضی کو سامنے کی عمارت کی صورت میں زندہ دیکھ کر افسردہ تھا، غم زدہ تھا، اپنے ساتھ ہوئی ڈکیتی اپنے لٹ جانے کے غم پر آنسو بہا رہا تھا ردا کی آواز پر بے ہنگم سا دھڑک کر رہ گیا بمشکل میں اپنے وجود کو راضی کرتا ہوا آہستگی کے ساتھ گاڑی سے نکلا میرے پاس ایسا کوئی جواز موجود نہ تھا کہ میں یہیں سے پلٹ سکتا میں جو آخری بار اس چوکھٹ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہ دیکھنے کی قسم کھا کر یہاں سے نکلتا چلا گیا تھا آج ماہ و سال کے ہاتھوں اپنے ظاہری وجود پر لائی علامات کے ساتھ دوبارہ اس کی چوکھٹ کے سامنے کھڑا تھا میں نے شاید ردا کو آواز دے کر واپس جانے کے لئے کہا تھا مگر میرے خشک حلق اور بے جان زبان سے آواز الفاظ کی صورت میں برآمد ہی نہ ہو سکے اور عنایت اور ردا اپنے کاغذ پنسل اور کیمرہ سنبھالے مجھ سے دو قدم آگے اس لکڑی کے چوبی دروازے پر جا کھڑے ہوئے سیاہ لکڑی کا وہ دروازہ بند تھا جسے عنایت نے اپنے ہاتھوں سے کھولا اور وہ خاصی چرچراہٹ کی آواز پیدا کرتا وا ہو گیا شاید وہ اپنی زبان میں اپنے بام و در کو میری آمد کی اطلاع دیتا وا ہو گیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں بدلا تھا وہی سیلن زدہ نیم تاریک ڈیوڑھی جس کی بائیں جانب نیم تاریک اس کے کمرے کو جاتا زینہ سامنے گول محراب کے آگے گول صحن اور اس کے اردگرد اور نیچے اوپر بنے کمرے دن کے وقت بھی یہاں بہت زیادہ روشنی نہ سماتی تھی اور بقول ماہ روز کے "ہم سیاہ نصیبوں کو اجالوں سے کیا مطلب؟"

"آہ ماہ روز تم کیا اس جگہ کو چھوڑ کر گئی یہ عمارت تو یوں ہی تاریک ہو گئی لیکن تمہارے بعد یہاں کون آن بسا کس نیک بی بی نے اس بدنام علاقے میں اپنا ٹھکانہ بنایا اور پھر آخری آرامگاہ بھی؟" ذہن اچانک ان سوالوں میں الجھا۔

"کہیں یہ قبر ماہ روز کی تو......؟"

"نہیں...... ہیں ہرگز نہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا مجھے اس کا یقین ہے اگر میں زندہ ہوں اگر میری سانسیں چلی رہی ہیں یہ اس کے زندہ ہونے کا ثبوت ہے ورنہ میری محبت، میرا عشق اس کی طرح بے وفا نہیں جو اکیلے اس دنیا میں سانسیں پوری کرتا رہے۔" میں نے دل میں آئے وسوسے کو سختی سے رد کر ڈالا یہ اس کے زندہ ہونے کا یقین ہی تو تھا جو میں اب تک زندہ تھا۔

"کوئی عرس نہیں ہوگا نہ دیگیں چڑھیں گی اور نہ ہی میں قبر کو پکا کرنے دوں گا یہ تو عبرت گاہ زندہ انسانوں کا مسکن ہیں جو بسنے کے لئے آباد کیا جائے میں بی بی صاحب کی وصیت کو مرنے نہیں دوں گا ہرگز نہیں فاتحہ پڑھوں، دعا مانگو اور جاؤ یہاں سے۔" ہم تینوں جب ڈیوڑھی عبور کر کے صحن کے پاس گئے تو وہ ایک بوڑھا جو مجھے نیم پاگل سا لگا جو الجھے گرے کھچڑی نما بالوں جس میں سفیدی نمایاں تھی بے ترتیب بڑھی ڈاڑھی کے ساتھ دو آدمیوں سے الجھا ہوا کھڑا تھا اس کی بڑی بڑی سرخ آنکھوں میں عجیب سی وحشت تھی اس کا جلال بھرا انداز دیکھ کر وہ دونوں آدمی گھبرا سے گئے اور جلدی سے ہمارے قریب سے گزرتے باہر نکل گئے۔

"کس سے پوچھوں کہ تم کہاں گئیں؟ اب تمہارا ٹھکانہ کہاں پر ہے؟ پر مجھے معلوم کر کے بھی کیا کرنا ہے جب یہ طے ہے کہ مجھے تم سے نہیں ملنا آخری ملاقات پر جو زخم تم نے میری روح پر لگایا اسے میں نے تمہاری یاد کی تڑپ میں ناسور بنا ڈالا ہے اب یہ گھاؤ کبھی نہیں بھرے گا بس اس زخم کو رستے رہنا ہے۔" میں نے پیچھے اندھیرے میں گم زینے کی جانب مڑ کر دیکھتے ہوئے سوچا، ردا یہاں کی اداسی اور ویرانی دیکھ کر گم صم سی کھڑی تھی اردگرد کے ماحول کا بغور مشاہدہ کرتیں اس کی نگاہیں شاید اپنے کالم کے لئے منظر نامہ تیار کر رہی تھیں عنایت ہمیں چھوڑ کر دوبارہ باہر گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

اچانک ہمارے سر پر دو تین جنگلی کبوتر غٹر غوں کرتے ہوئے اڑ کر اوپر کی منزل کے ویران کمرے کے ٹوٹے روشندان میں جا بیٹھے بچپن میں مجھے کبوتر پالنے کا بہت شوق تھا لیکن میری دادی نے مجھے کبھی اس شوق کو پورا نہ ہونے دیا وہ کہا کرتی تھیں کہ، کبوتر تو ویرانہ مانگتا ہے، کھنڈر چاہتا ہے، اجاڑ میں بستا ہے ہنستے بستے گھروں میں بھلا اس کا کیا کام؟ خواہ مخواہ بیٹھا ہو کے اور آہیں بھرتا رہتا ہے ان کی یہ بات موجودہ ماحول پر صادق ہو رہی تھی، ہر طرف خاموشی اور ویرانگی کا راج تھا مزاروں والی چہل پہل تو یہاں تھی ہی نہیں صحن کے وسط میں کچی قبر بنی ہوئی تھی جس کے سرہانے لگے کتبے پر بڑا سارا "انتظار گاہ" اور اس کے نیچے "بی بی صاحب" کندہ ہوا تھا یہ بڑا

عجیب سا کتبہ تھا جس پر اور کچھ بھی نہیں لکھا تھا کہ مرنے کی تاریخ بھی نہیں کتبے کے پیچھے شہتوت کا درخت لگا ہوا تھا قبر کے پاؤں کی جانب وہیں مجذوب جھکا قبر کی مٹی ٹھیک کر رہا تھا یوں جیسے کسی کی پیٹھ کو سہلا کر اس کے غم پر اسے تسلی دی جائے میں عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہا تھا میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا ردا اردگرد دیکھتے ہوئے اس مجذوب کے پاس چلی گئی میں اس کے ساتھ قدم بھی نہ بڑھا سکا جیسے کسی انجانے مقناطیس نے میرے قدموں کو وہیں پر جکڑ لیا ہوا تھا۔

''السلام علیکم بابا جی!'' ردا نے قبر پر جھکے بابا کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

''ک...... کون؟'' وہ جھٹ مڑا تھا، کھچڑی نما بال، بے ربط بڑھی داڑھی، سلیٹی رنگ کا سلوٹ زدہ ملگجی شلوار قمیض جس کا ایک پائنچہ پنڈلی سے اوپر تھا لیکن اس کا لہجہ بالکل صاف اور نرم تھا جسے سن کر ردا کا حوصلہ بڑھا۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' اس نے اپنے نرم لہجے میں پھر پوچھا ابھی تک اس کا میری جانب دھیان نہیں پڑا تھا۔

''وہ دراصل...... دراصل میں ایک اخبار میں کام کرتی ہوں اور آج کل لاہور کے تمام مزارات کے متعلق معلومات جمع کر رہی ہوں اسی سلسلے میں یہاں پر آئی ہوں۔'' ردا نے اپنا تعارف سادہ الفاظ میں بیان کرنا چاہا۔

''لیکن یہ تو کوئی مزار نہیں یہ تو انتظار گاہ ہے، کسی کی منتظر انتظار گاہ۔'' بابا نے کھوئے سے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''کیا آپ مجھے بتانے گے کہ یہ کس نیک خاتون کی قبر ہے؟ آخر انہوں نے اس علاقے ہی میں سکونت کیوں اختیار کی اور پھر اسی ویران سے گھر میں قبر......؟'' چند کبوتر ایک بار پھر اڑے تھے نہ جانے کیوں اور صحن سے اڑتے ہوئے ان کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے کچھ گرد اڑھی جو میری ہلکی سی کھانسی کا سبب بن گئی میری کھانسی کی آواز سن کر وہ بابا میری جانب متوجہ ہوا ردا کے سوالات کو نظر انداز کر کے اور پھر مجھے بہت غور سے دیکھا میں نے کھانستے ہوئے اس کی جانب دیکھا تو وہ جلدی سے میری جانب بڑھا ردا نے بھی گردن موڑے اسے دیکھا۔

''شیری صاحب؟ آپ...... آپ...... شیراز علی ہو ناں جی شیراز علی؟'' اس کے بے تاب اور بے ربط سوال پر مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا میرے پورے وجود میں بجلی سرائیت کر گئی تھی میں نے اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

''میں...... میں فیض رسول، آپ...... آپ شیراز علی ہو ناں۔''

''فیض!...... فیض رسول؟'' میرے لب کپکپائے تھے۔

''ہاں شیری صاحب میں فیض رسول ہوں جی کب سے آپ کا منتظر بڑی دیر کی جی آپ اس غریب خانے پر دوبارہ آنے میں۔'' فیض نے میرے کپکپاتے سوال پر یقین کی مہر ثبت کی تھی اور میرا جی چاہا کہ میں ماضی کی مسافت میں ملنے والے اس واحد شناسا وجود کے ساتھ لپٹ جاؤں، کب سے دل پر گرتے آنسوؤں کو آنکھوں سے بہا ڈالوں، مجھے اردگرد کے ماحول کی کچھ خبر نہ تھی، جیسے ہر چیز تھم گئی تھی، فریز ہو گئی تھی، حرکت تھی تو میرے بے ہنگم ہوتے دل کی دھڑکن کی۔

☆☆☆

میں نے قدرے جھلائے ہوئے انداز میں دوبارہ گاڑی کا ہارن بجایا تھا، میری آلٹو کے وائپر

تیزی سے بارش کے موسلا دھار پانی کو اِدھر اُدھر دوڑا کر سکرین صاف کرنے کی کوشش میں بے حال ہو رہے تھے۔

''افوہ کیا مصیبت ہے؟'' میں نے کوفت زدہ انداز میں بڑبڑاتے ہوئے اپنے سامنے کھڑی گاڑی کو گھورا جو بلاشبہ ایک ٹیکسی تھی اور اس کی شناخت کی وجہ سے اس کا کالے رنگ کا ہونا اور اردگرد مخصوص انداز میں پیلے حاشیے کا نمایاں ہونا تھا اور اس کی چھت کے اوپر لوہے کا جنگلا سامان وغیرہ رکھنے کے لئے بنا ہوا تھا۔

جب میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں گھر سے نکلا تھا تو محض کچھ بادلوں نے بوندا باندی کا راگ چھیڑ رکھا تھا مگر یہ ساون کی بارش تھی اردگرد سے کالی مست ہاتھی کی طرح جھومتی گھٹا برآمد ہوئی اور آناً فاناً میں جل تھل مچ گیا تھا اور میں جو قدرے غیر گنجان آباد علاقے کی ایک چھوٹی سڑک سے گزر رہا تھا، اچانک سڑک کے عین وسط میں کھڑی اس ٹیکسی کی وجہ سے مجھے بریک پر زور سے پاؤں رکھنا پڑا تھا یہ علاقہ ابھی زیر تعمیر تھا سڑک کے کنارے لبالب پانی سے بھر چکے تھے اور اس کے اردگرد ڈھلان تھی باقی کا اردگرد شاید رہائشی پلاٹوں کے لئے چھوڑی گئی جگہ تھی سائیڈ سے گزرنے کا کوئی راستہ نہ تھا اور بیک کر کے لے جانے کا بھی فائدہ نہ تھا کہ میری منزل کو یہی سڑک جاتی تھی بیک لے جا کر یا تو میں اپنے گھر جا سکتا تھا یا پھر کسی اور راستے پر جو میری منزل کو نہیں جاتا تھا۔

اب کی دفعہ جھلاہٹ کے باعث میں ہارن پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا اور تھوڑی دیر ہی میں ٹیکسی ڈرائیور دروازہ کھول کر بارش کی تیز بوچھاڑ میں میری جانب لپکا چند گز کے فاصلے میں بھی وہ اچھا خاصا بھیگ چکا تھا میں نے اپنی سائیڈ کا شیشہ تھوڑا سے نیچا سرکایا اور چپل بوندیں اس راہ سے بھی اچھل کر شور مچاتی میری گاڑی میں گھسنے لگیں۔

''باؤ جی! میری گاڑی اچانک خراب ہو گئی ہے کافی کوشش کے باوجود سٹارٹ نہیں ہو رہی اسے دھکا لگا کر ایک سائیڈ پر کرنا پڑیگا تب ہی آپ کی گاڑی جا سکے گی لیکن جی اس سے آپ بھیگ جاؤ گے تو مہربانی کر کے گاڑی ریورس کر کے دوسرے راستے پر چلے جائیں۔'' بارش سے خود کو ناکام بچانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنائے وہ درمیانی عمر کا ڈرائیور مجھ سے مخاطب ہوا تھا اس نے میری رضا مندی لئے بغیر ہی مجھے پہلے اپنی گاڑی کو دھکا لگانے کے لئے آمادہ کیا اور پھر خود ہی اسے مسترد کرتے ہوئے متبادل حل بھی میرے سامنے رکھ دیا جو یقیناً اب مجھے کسی بھی پس و پیش کے بغیر منظور تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے سر کو ہلکا سا بائیں جانب ہلاتے ہوئے اور شیشے کو اوپر کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے گویا اسے جانے کا سگنل دیا۔

''وہ جی! باؤ جی! ایک مہربانی کر دیں جی بڑا احسان ہو گا۔'' ڈرائیور نے لجاجت بھرے لہجے میں مجھے شیشے اوپر کرنے سے روکتے ہوئے کہا۔

''کیا؟'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''وہ جی میرے ساتھ دو زنانہ سواریاں ہیں اگر آپ ان کو بٹھا لو اور راستے میں کسی ایسی جگہ چھوڑ دو جہاں سے وہ کوئی اور ٹیکسی کر لیں تو میری پریشانی ختم ہو جائے گی، نہ جانے کب بارش رکے اور میں مکینک ڈھونڈ کر لاؤں شام ہو رہی ہے جی اور یہ بادل تو جھٹ اندھیرا کر ڈالیں گے

سنسان سا علاقہ ہے میری تو خیر ہے جی مگر وہ زنانہ سواریوں......"

"اچھا ٹھیک ہے بجھوا دو انہیں میں راستے میں سواری والے علاقے میں ڈراپ کر دوں گا۔" میں نے مسلسل اس کی چلتی زبان کو بریک لگاتے ہوئے جلدی سے رضا مندی کا عندیہ دیا اور وہ میری بات سن کر پلٹ کر بھاگتا ہوا سڑک پر جوشیلے انداز میں ناچتی بوندوں پر چھڑپ چھڑپ قدم رکھتا اپنی گاڑی تک پہنچا، پیچھے کا دروازہ کھول کر قدرے جھک کر اس نے اپنی سواریوں کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا تھا شاید اور پھر دروازے کے ایک سائیڈ پر منتظر سا کھڑا ہو گیا مجھے پہلے ہی کافی دیر ہو چکی تھی اور اب دوسرا راستہ اختیار کرنے سے میری منزل مزید دور ہو گئی تھی میں نے ہارن دیا اور پچھلی سیٹ سے دو سواریاں گاڑی سے نکل آئیں ایک شاید بوڑھی عورت تھی کیونکہ دوسری عورت نے اسے باہر نکلنے میں مدد دی خود باہر نکل کر اور اسے پکڑے دھیرے دھیرے وہ میری گاڑی کی جانب آئیں تھیں اتنی ست روی کی وجہ سے یقیناً وہ بہت بری طرح سے بھیگ چکی تھیں میں نے پچھلے دروازے کے لاک کھول دیئے تھے اور وہ دونوں جھٹ سے اندر آ بیٹھیں تھیں۔

"باؤ جی! ذرا دھیان سے سواری والے علاقے میں اتاریئے گا مہربانی ہو گی جی۔" ڈرائیور ان کے پیچھے ہی آیا تھا انہیں پیچھے بیٹھا دیکھ کر وہ مجھے دوبارہ تاکید کرنا نہیں بھولا تھا اور پھر جلدی سے بھاگ کر اپنی گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ اس قسم کی باتوں میں اپنی ذمہ داری سے باخوبی آگاہ تھے اور ویسے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کی مدد کرنے سے پہلے سو قسم کے خطرات کو سوچ کر بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا تھا۔

میں نے گاڑی دوسرے راستے پر ڈال دی جبھی مجھے پیچھے سے ایک آواز سنائی دی۔

"اللہ! نانی چادروں سے پانی بری طرح سے ٹپک رہا ہے آپ کو تو سردی محسوس ہو رہی ہو گی انہیں نچوڑ لیں شاید کچھ بچت ہو جائے۔"

میری نظریں بے اختیار ہو کر بیک ویو مرر پر ٹکیں تھیں آواز تھی یا کانوں میں رس گھولتا مدھر ساز وہ جو کوئی بھی تھی بے حد دلنشین، سحر خیز آواز کی مالکہ تھی اور پھر میری نظریں مرر سے چپک کر ہی رہ گئی تھیں وہ اپنے سر سے کالی چادر اتار رہی تھی اور جیسے ہر طرف نور پھیل رہا تھا وہ جو مثال دی جاتی ہے نا کہ بدلی سے چاند نکل آیا اس کے سامنے بالکل بے معنی تھی بھیگے چہرے پر بارش کے قطرے بھیگی لٹیں۔

"یا اللہ! کوئی اتنا بھی حسین ہو سکتا ہے۔" میرے دل نے مبہوت زدہ انداز میں اس لافانی جمال سے بے تکا سوال کر ڈالا تھا۔

"وہ...... میں شیشہ نیچے کر کے یہ چادریں نچوڑ لوں؟" اجازت کا انداز معصومانہ اور میرے دل کے لئے سراسر قاتلانہ تھا۔

"شاید آپ کی گاڑی مزید خراب نہ ہو۔" اس نے تاویل دی تھی۔

میں نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، ڈر تھا کہ یہ طلسم ٹوٹ نہ جائے، سامنے راستے پر نظر مرکوز رکھنے کی بجائے میری نظریں بھٹک بھٹک بیک ویو مرر میں ان کالی غزالی بھنورا آنکھوں، ستواں ناک اور گلابی پنکھڑیوں کا طواف کرنے لگیں تھیں۔

"بیٹا! کیا تم ہمیں داتا دربار اتار سکتے ہو؟" اس وقت ہم انارکلی والے علاقے سے گزر رہے

تھے جب پیچھے سے مجھے نحیف بوڑھی آواز سنائی دی۔

"نہیں نانی جان! رہنے دیجئے آگے ہی انہی ہماری وجہ سے کافی تکلیف اٹھانی پڑی ہے آپ ہمیں یہیں اتار دیجئے یہاں سے ہم کوئی سواری کر لیں گے۔" اس نے جلدی سے اپنی نانی کو ٹوکتے ہوئے مجھے کہا تھا اور میرے اردگرد ایک بار پھر نقرئی گھنٹیاں بج اٹھیں تھیں۔

"دیکھ ناں ماہ روز اتنی شدید بارش میں کہاں سواری ملے گی سبھی تو بارش سے چھپے بیٹھے ہیں۔"

"آپ سے کہا بھی تھا ڈاکٹر کو دکھلا کر شارٹ کٹ سے اپنے گھر چلتے ہیں مگر آپ نے بھی ڈرائیور کو داتا دربار کا کہہ دیا خواہ مخواہ مصیبت میں پڑے۔" جھلاہٹ بھی اس کی آواز کی دلنشینی کم کرنے سے قاصر تھی۔

"تو جانتی تو ہے کہ ہر جمعرات آ کر سرکار کے دربار مجھے ایک دیا جلانا ہوتا ہے منت ہے میری حاضری لگتی ہے میری جب تک دم ہے منت نبھاؤں گی۔" نانی نے جواب دیا تھا۔

"جانتی ہوں اسی لئے آندھی ہو یا طوفان دیا ضرور جلانا ہے جو ایک ہوا کے ہلکے سے جھونکے سے بجھ جائے بھلا ہم جیسوں کے دیے کہاں ہوا کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔" اس نے قدرے اکتائے ہوئے انداز میں جواب دیا تھا اور میرے لب جو اس کے نام کا ذائقہ محسوس کر رہے تھے یکدم بول اٹھے۔

"جی! آپ بے فکر رہے مجھے کوئی پریشانی نہ ہو گی میں نے بھی ادھر سے ہی گزرنا ہے اور ویسے بھی یہاں سے وہ زیادہ دور بھی نہیں میں آپ کو وہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" میں نے گاڑی کو حضرت علی ہجویریؒ کے مزار کے راستے پر ڈالتے ہوئے دونوں کی بحث کو سمیٹتے ہوئے جلدی سے کہا تھا اور میرے لبوں نے ایک بار پھر بنا جنبش کیے اس کے نام کو چھوا تھا۔

"ماہ روز!"

"اللہ تمہارا بھلا کرے، وہاں سے ہمارا گھر قریب ہی ہے کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی جانے کو اور اگر نہ بھی ملے تو سرکار رات گزارنے کے لئے آستانے میں کوئی نہ کوئی کونہ دے ہی دیں گے اتنے سالوں سے ان کے مزار پر دیا جلا رہی ہوں جانتے ہیں مجھے پرانی آشنائی ہے نوکر ہوں میں ان کی۔" نانی نے مجھے دعا دیتے ہوئے عقیدت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"ہوں، کیا معلوم؟" ماہ روز کی بڑبڑاہٹ میرے لبوں کو ہلکا سا تبسم کر گئی۔

یہ میری اس کی پہلی ملاقات تھی بہت انوکھی یا عجیب تو نہیں البتہ دلچسپ ضرور تھی تب میں بائیں تیئیس سال کا بھرپور جوان مرد تھا یہ میری خوش فہمی نہیں تھی بلکہ اپنی عمر کی صنف نازک کی نظروں میں پائے جانے والا پیغام تھا خیر دوسری ملاقات دلچسپ تو نہیں مگر عجیب ضرور تھی۔

☆☆☆

اس رات میری آنکھوں میں نیند نے ڈھنگ سے قیام نہ کیا عجیب سی بے چینی اور اضطرابیت طاری رہی جو تھوڑی بہت اونگھ آئی وہ رگ جاں خواب میں آ کر مجھے تڑپاتی رہی اس کی صراحی دار گردن پر اوپر تلے دو گہرے تل جو بھیگنے سے اور نکھرے اور سیاہ ہو گئے تھے میری نظروں میں چھائے رہے، اس کی کجراری آنکھیں، بھیگی مڑی لمبی پلکیں، چہرے پر جھولتیں بھیگی زلفیں، اف اس کے حسن کو بیان کرنے کے لئے میں آج تک درست الفاظ ڈھونڈ ہی نہیں پایا فیض احمد فیض نے میری اس کیفیت کو اپنے اس

شعر میں برجستہ کیا ہے کہ۔

غرض وہ حسن جو محتاج وصف و نام نہیں
وہ حسن جس کا تصور بشر کا کام نہیں

''شیراز بیٹا! کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' ناشتے کی ٹیبل پر سست روی اور ماہ روز کے حسن کے خیال میں محو مجھے بے توجہی سے ناشتہ کرتے ہوئے دیکھ کر ماں نے فکر مندی سے استفسار کیا۔

''آں جی...... جی اماں جی میں ٹھیک ہوں۔'' میں نے چونکتے ہوئے انہیں جواب دیا اور پھر سر جھکا کر ڈبل روٹی اور آملیٹ سے کھیلنے لگا، پچھلے دس منٹ سے شاید میں یہی کچھ کر رہا تھا۔

''تو پھر تم ڈھنگ سے ناشتہ کیوں نہیں کر رہے۔'' اماں کو میرے جواب سے تشفی نہ ہوئی تھی تبھی فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

''خواہ مخواہ پریشان مت ہو جایا کریں اس کے بارے میں شیر جوان بنا اسے۔'' ابا جی نے اماں کو ٹوکتے ہوئے اور سنترے کے تازہ جوس سے بھرے جگ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لو ایک ہی تو بیٹا ہے میرا اتنی منتوں مرادوں کے بعد مجھے ملا ہے اس کے بارے میں پریشان نہ ہوں گی تو کس کے بارے میں ہوں گی۔'' اماں نے اپنا پسندیدہ جملہ بولتے ہوئے کہا اور جلدی سے ابا جی کی طرف پھولے ہوئے آملیٹ کی پلیٹ بڑھائی اصل میں اماں ابا کی شادی کے تین سال بعد آپا سکینہ اس دنیا میں آئی تھیں اور پھر ان کے چار سال بعد میں اماں نے بہت منتیں مرادیں مانی تھیں مجھے حاصل کرنے کے لئے کیونکہ اتنی بڑی جائیداد اور ابا کے نام کو آگے چلانے کے لئے بہر حال ایک عدد بیٹے کا ہونا بے حد بلکہ اشد ضروری تھا ورنہ اماں کو خوف تھا کہ بیٹے کی خاطر ابا دوسری شادی نہ کر لیں میں گویا ان کے خوف کو ذائل کرنے کا باعث تھا۔

''یہی تو کہہ رہا ہوں ایک ہی بیٹا ہے اس کے مزاج میں مضبوطی اور جواں مردی ہونی چاہیے۔'' ابا نے نیپکن سے ہاتھ اور منہ صاف کرتے ہوئے کہا اور سائیڈ پر رکھی جناح کیپ کو پہنا ابا کی بارعب شخصیت کے ساتھ یہ کیپ خوب جچتی تھی۔

''آج شام کو قریشی صاحب کو شب دیگ اور ہریسے کی دعوت پر مدعو کیا ہے کچھ کاروباری معاملات طے کرنے ہیں دو تین ڈشز کے اضافے کے ساتھ اپنی موجودگی میں یہ سب تیار کروایئے گا بلکہ شب دیگ خود ہی بنایئے گا۔'' ابا نے ناشتے کی ٹیبل سے اٹھتے ہوئے تاکید کی۔

''جی بہتر۔'' اماں نے جھٹ جواب دیا۔

''اور ہاں سکینہ کو آج ڈرائیور بھجوا کر بلوا لیجئے گا۔'' ابا نے یکدم پلٹتے ہوئے اماں سے کہا۔

''لیکن وہ تو ابھی کل شام کو ہی گئی ہے بچی کا ارادہ تین چار روز قیام کا ہے اور پھر یوں یکدم بوالنے پر ناہید بھی خفا ہوگی۔''

''میں نے آپ سے کہا ہے کہ آج بلکہ ابھی بلوا لیجئے گا تو بلوا لیجئے گا۔'' بظاہر عام لہجے میں اب کے منہ سے ادا ہوئے الفاظ کے آگے اب مزید بحث اور تکرار کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ اب بحث کے لئے ایک بھی لفظ کا منہ سے نکالنے کا مطلب صاف صاف ابا جی کے جلال کو آواز دینا تھا اور ابا جی کا جلال منہ زور آندھی کی طرح تھا، جب تک مقابل کو بچھاڑ نہ لے تھمے ناں، ہم تو اماں کے حوصلے کی داد دیئے کرتے تھے جو ابا کے سخت مزاج کے ساتھ نبھا رہی تھیں اور خوب نبھا رہی تھیں لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ انہیں ایسے ان کے ساتھ نبھا نہیں کرنا چاہیے تھا ان کے ہتھیار ڈالنے کی طبیعت نے ہم دو بہن بھائی کی زندگی کے ہر سکھ کو ان کے قدموں میں ڈال دیا تھا جو ابا جی نے اپنے قدموں میں ہی روند ڈالا تھا۔

''لو بتاؤ بھلا بچی کتنے شوق سے اپنی پھپھو کے گھر دو تین روز رہنے کے لئے گئی ہے ابھی امتحانوں کے بوجھ سے فارغ ہوئی ہے موئے پرچے دے دے کر اتنا سا منہ نکل آیا ہے میں نے بھی کہا چلو ماحول ذرا بدل جائے اور ناہید بھی اتنی محبت سے اسے لے کر گئی، اس بے چاری کا بھی اکیلے گھر میں یوں تنہا دل گھبرا اٹھتا ہے اور پھر ان دونوں کی آپس میں محبت اور دوستی بھی خوب ہے اور اب یہ بلوا رہے ہیں اس وقت تو بہن کے سامنے ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور اب ناہید سمجھے گی شاید میں نے ہی سکینہ کو نہیں رہنے دیا بری بنوں گی تو میں بچی کا دل الگ خراب ہوگا پر نہیں جی جو بات ان کے دل میں سما گئی وہی حرف آخر ہوئی سارا زمانہ غلط اور یہ میاں درست۔''

ابا کی گاڑی کا گھر سے نکلنا تھا کہ اماں کی بڑبڑاہٹ جاری ہو گئی وہ ایسے ہی اپنے دل کی بھڑاس نکالا کرتی تھیں میرے موڈ میں مزید بیزاری کا اضافہ ہو گیا تھا اصل میں ناہید پھپھو جو اچھرہ باغ میں رہائش پذیر تھیں عموماً آپا کو اپنے گھر لے جایا کرتی تھیں ان کے دو ہینڈسم اور لائق بیٹے آج کل لندن میں زیر تعلیم تھے دونوں جڑواں تھے اور کام بھی تقریباً جڑواں ہی کرتے تھے پھپھو کا ارادہ اپنے بڑے بیٹے قاسم کے لئے آپا سکینہ کو بیاہ کر اپنے گھر لے جانے کا تھا اس کا اظہار کافی ڈھکے چھپے الفاظ میں کیا کرتی تھیں ہم سب کو علم تھا اور اعتراض کا تو سوال ہی نہیں تھا بھائی قاسم بے حد نفیس، سلجھی ہوئی پر اثر شخصیت کے مالک تھے بس ان کی واپسی کے ہم سب منتظر تھے اور آپا سکینہ ان کی خواہش پر ہی ایم اے اردو کر رہی تھیں، پھپھو کی خواہش پر وہ دل سے راضی تھیں یہ ان کی چمکتی آنکھیں اور مسکراتے ہونٹ بتایا کرتے تھے اور یہی حال بھائی قاسم کا تھا بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ کیونکہ اڑتے اڑتے یہ خبر مجھ تک پہنچی تھی کہ بھائی قاسم کی بھی یہی شدید خواہش ہے باہر جانے سے پہلے وہ آپا سکینہ کو اپنے نام سے باقاعدہ منسوب کرنا چاہ رہے تھے، لیکن ابا ان دنوں بزنس کے سلسلے میں کچھ روز کے لئے کراچی گئے ہوئے تھے لہٰذا وہ اپنی خواہش کو اس وقت عملی جامہ پہنا سکے تھے اور اب ہم سب ان کے سمیت ان کی واپسی کے منتظر تھے۔

''شیراز! دیکھو عنایت باہر ہے تو اسے کہو کے جا کر سکینہ کو لے آئے اور انہیں کہے کہ فیروز صاحب کا حکم ہے انہوں نے بھجوایا ہے وہ خود ہی ان کے نئے حکم کو سمجھ جائیں گی۔'' جو خیالوں میں کہاں کا کہاں پہنچ گیا تھا اماں کے حکم پر چونکتا ہوا اٹھا اور باہر عنایت سے کہنے چلا آیا۔

☆☆☆

مجھے خود سے یہ ہرگز توقع نہ تھی کہ پہلی نظر اور پہلی ملاقات کی محبت مجھے اس قدر دیوانہ بنا ڈالے گی کہ میں دو دن سے مسلسل صبح شام آتے جاتے داتا دربار کے اردگرد چکر لگا رہا تھا تا کہ اس رگ جاں کے چہرے کو پا سکوں۔

''کاش میں نے اس روز انہیں ان کے گھر چھوڑا ہوتا کم از کم اس طرح اپنی متاع عزیز کی رہائش تو جان لیتا۔'' دل میں نہ جانے کتنی بار میں خود کو کوسا تھا، ابا جی ان دنوں بزنس کمیونٹی میں صدر کا الیکشن لڑنے کی تیاری میں بے حد مصروف تھے لہٰذا ان کی توجہ مجھ پر سے ہٹی ہوئی تھی، بی اے کے بعد ہی بلکہ اس سے پہلے ہی انہوں نے مجھے اپنے آفس لے جانا شروع کر دیا تھا اور اب

میں کافی حد تک کاروبار کے معاملات کو سمجھنے اور ان کی ہدایت پر انہیں ہینڈل کرنے لگا تھا، اپنی سخت گیر طبیعت کے باعث انہوں نے مجھے اکلوتا فرزند کو ناجائزہ تو کیا جائز فائدہ بھی نہیں اٹھانے دیا تھا وہ ہمیشہ میرے اٹھنے بیٹھنے، آنے جانے حتی کہ سونے جاگنے تک کا حساب رکھتے تھے لیکن آج کل الیکشن کی مصروفیت کی وجہ سے ان کی توجہ مجھ سے ہٹی ہوئی تھی اور اس درجہ سے مجھے بھی آزادی نصیب ہوئی ہوئی تھی۔

اصل میں اماں ہمیں بتایا کرتی تھیں کہ تیرہ سال کی عمر کے تھے جب ان سے بڑے تین جوان گھبرو بھائی اور دو بہنیں طاعون کی بیماری کے باعث یکے بعد دیگر فوت ہو گئے تھے میرے دادا جی تو اسی غم سے اپنے بچوں کے پیچھے یہ دنیا چھوڑ گئے تھے اور میری دادی اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھیں ابا کی دیکھ بھال یا تربیت کا کیا سوال تب زمانے کے مصائب اور مشکلات سے انہوں نے خودرو جنگلی پودے کی طرح سامنا کیا تھا اسی لئے ان کا مزاج بھی ضدی اور سخت ہوتا چلا گیا اماں ان کی خالہ کی اکلوتی اولاد تھیں اور خالہ نے ان پر ترس کھا کر اپنی لاڈلی بیٹی انہیں سونپ دی تھی بے حد محنت اور لگن سے انہوں نے کاروباری دنیا میں اپنا بلند مقام بنایا تھا اماں کو ہر طرح سے مالی طور پر خوش حال رکھا لیکن محبت کے معاملے میں انہوں نے ہم سب کو ترسایا ہی تھا۔

☆☆☆

"ہیلو شیراز ہاؤ آر یو؟" نعیمہ نے میرے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھتے ہوئے مجھے متوجہ کیا۔

"فائن۔" میں نے یکدم مڑتے ہوئے کہا میرا انداز اور جواب دونوں ہی روکھے تھے لیکن قابل ہستی کو ان باتوں کی چنداں پرواہ نہ تھی۔

"میٹ مائی فرینڈ ماریہ، یونو یو کے سے آئی ہے اور میں نے اسے بتایا تھا کہ اس محفل میں صرف ایک ہی ایسا ہے جسے مل کر دل کی بیٹ مس کی جا سکتی ہے اور ماریہ یہ ہے وہ لیڈی کلر شیراز علی۔" نعیمہ نے اپنے ساتھ کھڑی خوبصورت اور ماڈرن لڑکی کا میرے ساتھ اور میرا اس کے ساتھ تعارف کراتے ہوئے کہا اور مجھے اس کا یہی بدیسی اور ماڈرن انداز زہر لگتا تھا اپر کلاس کا نمائندہ ہونے کے باوجود گھر کے ماحول نے ہمیں آزاد اور بیباک نہیں بنایا تھا۔

"ہیلو!" ماریہ نے مسکراتے ہوئے مجھے کہا۔

"ہیلو! وہ اصل میں ہمیں ذرا آفندی صاحب سے ملنا ہے تو ایکسکیوز۔" اتنا کہہ کر میں نے ساتھ کھڑے اختر کا بازو تھاما اور وہاں سے رفو چکر ہو لیا، بابا کے حکم پر مجھے اس پارٹی میں شریک ہونا پڑا تھا اور ان کے حکم کے مطابق مجھے کھانے کے بعد بھی وہاں پر کچھ دیر رکنا تھا جب محفل جاری رہی کیونکہ بقول ابا جی کے تجربے کے ایسے کاروباری پارٹیز میں کاروباری حریفوں کے کام اور معاملات کی کافی خبر حاصل ہو جاتی تھی ان کی چونکہ قریشی صاحب کے ساتھ ضروری میٹنگ تھی لہٰذا تیمور صاحب کی اس بور پارٹی میں مجھے ہی شامل ہونا پڑا تھا۔

"آہ، بڑا ظالم اور مغرور ہے یہ ہینڈسم۔" پیچھے سے مجھے نعیمہ کی آواز سنائی دی۔

"یار واقعی بڑا ظالم ہے تو اتنی امیر و کبیر گھرانے کی لڑکیاں تجھ پر فدا ہیں اور تو ہے کہ انہیں گھاس ہی نہیں ڈالتا کاش کہ تیری جگہ میں ہوتا۔" اختر نے میرے ساتھ چلتے ہوئے مجھے چھیڑا وہ میرے مزاج سے بخوبی واقف تھا۔

"چھوڑ یار! یہ امیر رنگین تتلیاں مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتیں مغرب زدہ خیالات کی حامیں ہونہہ عورت ہو کر اپنے وقار اور رتبے سے گر کر یوں سر راہ کسی مرد سے اپنی دیوانگی کا اظہار اور اشتہار لگواتی پھریں زہر لگتی ہیں شریف زادیاں ہو کر بھی بازاری عورتوں جیسی حرکتیں۔" میں نے اچھے خاصے چڑتے ہوئے زیادہ ہی سخت الفاظ میں تبصرہ کیا۔

"ارے تو اس کوچہ جاناں میں جائے تو تجھے پتہ چلا کہ ادائیں کیا ہیں، کتنا بار کہا ہے کہ میرے ساتھ کبھی ستارہ بائی کو سننے چل قسم سے اس ناز پرور کی چوکھٹ پر نہ بیٹھ گیا تو مجھے کہنا۔" اختر نے مجھے ہمیشہ کی طرح اکسایا۔

"دفعہ کرو تمہارے یہ چوکھٹوں والے شغل تمہیں ہی مبارک ہوں مجھے کوئی شوق نہیں اس گندھے علاقے میں جانے کا۔" میں نے سر جھٹکا۔

"ویسے تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ آج تیمور صاحب نے اسی گندے علاقے سے ایک طوائف زادی کو مدعو کر رکھا ہے سنا ہے بے حد حسین اور دلکش آواز کی مالکہ ہے نخرے بہت ہے اس کے نجی محفلوں میں بہت ہی کم آتی ہے اور کوٹھے پر بھی صرف رات بارہ بجے تک محفل جماتی ہے ایک زمانہ دیوانہ ہے اس کا، ایک نظر گیا تھا اس کے کوٹھے پر قسم سے بے حد معصوم اور پراثر حسن ہے اس کا اس جگہ کی تو لگتی ہی نہیں لیکن بے جا اصول بنا رکھے ہیں جو مجھ جیسوں کا نراکرا کرتے ہیں اس لئے میں تو ستارہ بائی کو سن سن کر خوش ہو لیتا ہوں وہ خوش جو رکھتی ہے پر یار اس کی بات ہی اور ہے سمجھو کیچڑ میں کنول کھل آیا ہے۔" اختر نے میری معلومات میں اضافہ کرنا چاہا جو میرے لئے قطعی غیر ضروری تھیں۔

"ہونہہ! کیچڑ میں پھول، جڑیں تو اس کی گندے غلیظ کیچڑ میں ہی ہوتی ہیں ناں۔" میں نے حقارت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے اگلی نشستوں میں سے اختر سمیت ایک نشست سنبھالتے ہوئے کہا اور مزید گویا ہوا۔

"قسم ہے ابا جی کا حکم نہ ہوتا تو کب سے میں اس پارٹی سے رخصت ہو کر گھر آرام کر رہا ہوتا ابھی بھی بس کچھ دیر ہی بیٹھوں گا۔" میں نے غیر دلچسپی کا اظہار کر ڈالا لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں بہت ہی پارسا قسم کا جوان تھا ہلکے پھلکے فلرٹ تو اس عمر میں چلتے رہتے ہیں لیکن ابا جی کے سختی اور اماں جی کی سادہ تربیت کے باعث میں نے کبھی حد سے باہر دھواں دھار قسم کا عشق کرنے کا نہیں سوچا تھا۔

میں بے زاری سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ اچانک میری آنکھوں کی پتلیاں جیسے ایک پل سکڑ کر رہ گئیں، دو تین روز سے جسے میں دیوانہ وار ڈھونڈ رہا تھا وہ یوں میرے سامنے جلوہ فیروز ہو گی یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا میری تقدیر نے جیسے کچھ لمحے کہے میرے الفاظ میرے منہ پر مار ڈالے تھے۔

میں نے بار بار اپنی پلکوں کو جھپکا، کرسی پر پہلو بدلا مگر سامنے کا منظر ہنوز وہی تھا، وہ جو مجھے سادہ، پاکیزہ اور معصوم سے حسن میں چند روز پیشتر ملی تھی اب گھیر دار سرخ فراک اور چوڑی دار پاجامہ زیب تن کیے، باریک ستاروں سے بھرا سرخ آنچل جس کے کناروں پر سنہری گوٹہ لگا تھا سر پر ایک ادا سے اوڑھے اور حسن کو میک اپ اور جیولری سے دو آتشہ کیے وہ میرے سامنے تھی۔

سفید بچھی چادر پر وہ ایک خاص ادا میں نشست جمائے وہ اپنے سازندوں کو کچھ ہدایت دے رہی تھی پھر اس نے سامنے حاضرین محفل پر نظر اٹھائی اور معصومانہ انداز میں ماتھے تک آداب

کے لئے ہاتھ لے گئی اور اسی لمحے اس کی نظر مجھ پر پڑی اس کی حسین آنکھوں میں ایک سیکنڈ کے لئے شناسائی چمکی تھی جو مجھ سے پوشیدہ نہ رہی تھی جلد ہی نظریں چراتے ہوئے اس نے سازندوں کو ساز بجانے کا اشارہ کیا۔

میرے ساکت وجود میں یکدم غصے کی لہر ابھری اور میں نے ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے جانا چاہا لیکن اس کی پرسحر رسیلی آواز نے گویا مجھے تھام کر بے بس کرتے ہوئے دوبارہ اپنی نشست پر بٹھا ڈالا اور شاید یہیں سے میری بے بسی کا آغاز ہوگیا تھا۔

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزہ غماز دیکھنا

مومن خاں مومن کی یہ غزل حسب حال تھی پھر اس کی رسیلی آواز دلنشین حسن، تبسم کی پنکھڑیاں اور دودھیا سفید ہاتھوں کی بجلیاں کوندتی رہیں اور میرے سمیت کئی دلوں پر گرتی رہیں۔

یہ میری اس کی دوسری ملاقات تھی اب یقیناً آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ ملاقات میرے لئے کیوں غیر دلچسپ مگر میرے دل کے لئے عجیب تھی بلکہ کافی شاکڈ تھی۔

☆☆☆

دوسری ملاقات کے بعد میں نے ماہ روز کی محبت سے خود کو چھٹکارا دلانا چاہا، ناممکن تھا بے حد ناممکن لیکن سوتے جاگتے ماہ روز کا سراپا میرے تصورات میں گڈمڈ ہوتا رہا میں نہیں جانتا تھا کہ چند ہی دنوں میں میرے دل نے محبت کی کتنی منازل طے کر لی تھیں کہ واپسی کا راستہ اب اوجھل ہو چکا تھا آخر کار کافی کش مکش کے بعد میرا دل یہ جنگ جیت گیا تھا عقل کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑے تھے تبھی تیسرے دن میں اختر کے گھر جا پہنچا تھا اور اپنا حال دل بیان کر بیٹھا وہ تو حیران اور بے یقین نظروں سے مجھے دیکھتا رہ گیا۔

''ہوں تو تم بھی اس کے حسن سے گھائل ہو کر نیم بسمل ہو ہی گئے، مگر یار وہ کوئی ایسی ویسی نہیں جو تمہارے بے چین و بے قرار دل کو اپنی گھنی دراز زلفوں میں رات بھر سلائے رکھے گی۔''

''شٹ اپ اختر تم سے بات کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم اس کے بارے میں یوں نازیبا الفاظ استعمال کرو اور میری کیفیت کے بارے میں تم نے اتنی بے ہودہ بات کیسی سوچی لگتا ہے میں غلط جگہ پر اپنی بات کہہ بیٹھا ہوں۔'' میں نے مشتعل ہوتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے کہا جب اختر نے میرے ہاتھ تھامتے ہوئے مجھے دوبارہ بٹھاتے ہوئے کہا۔

''دھیرج یار! میں تمہیں بھی اچھی طرح جانتا ہوں اور اس کوچے سے بھی واقف ہوں میرے ان جملوں کا مطلب تمہیں محض تکلیف دینا نہیں بلکہ تم پر یہ واضح کرنا ہے کہ یہ معاشرہ یہ لوگ تمہیں اس طوائف زادی کے دل لگی کرنے کی اجازت تو شاید دے دیں لیکن دل لگانے کی ہرگز نہیں اس لئے میں تمہیں دوست ہونے کے ناطے اس خار دار راستے پر چلنے سے روکنا چاہتا ہوں۔'' اختر نے مجھے سمجھانا چاہا لیکن یہ اب ایک لاحاصل بحث تھی لہٰذا رات گئے میں اس سے یہ وعدہ لے کر اٹھا تھا کہ کل رات وہ مجھے ماہ روز سے ملاقات کروانے لے جائے گا اور اتنی دیر تک گھر سے باہر رہنے کا ٹھوس بہانہ بھی اس نے ہی مجھے بتایا تھا (آخر اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا وہ) کہ میں اور اختر کسی کاروباری کام کو اکٹھا شروع کرنا چاہ رہے ہیں اس لئے اس کے (یعنی اختر کے گھر) ساتھ میری دیر تک میٹنگز ہو رہی تھیں، گھر آ کر میں نے اس پروجیکٹ کو جو میں

نے واقعی اختر کے ساتھ شروع کرنا تھا ابا جی کے ساتھ ڈسکس کر کے اجازت حاصل کر لی تھی اور اماں بھی مطمئن ہو گئی تھیں وہ دونوں ہرگز اس بات سے آگاہ نہ ہو سکے تھے کہ یہ رات گئے کی میٹنگز اختر کے ساتھ نہیں ماہ روز سے ملنے کے بہانے تھے۔

☆☆☆

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

غالب کی یہ غزل میں نے پڑھی ضرور لیکن اتنی سریلی اور خوبصورت دھن میں، میں نے پہلی بار سنی غالب صاحب بھی اپنی اس غزل کو اس کی آواز میں سن لیتے تو اپنی غزل پر عاشق ہو جاتے۔

وہ آج بھی سرخ لباس میں ملبوس تھی اس کے کوٹھے میں ایک خاص وقار اور تمکنت جھلکتی تھی اختر جب اس کے کوٹھے پر مجھے لے کر گیا تب محفل عروج پر تھی کام سے فارغ ہوتے ہوئے مجھ کچھ دیر ہو گئی تھی ہمارا استقبال اس نے گاتے ہوئے لگاوٹ بھری مسکراہٹ سے کیا تھا جو نہ جانے کیوں مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔

ماہ روز کے پیچھے دائیں جانب اس کے سازندے بیٹھے تھے اور بائیں جانب اس کی نانی گاؤ تکیے کا سہارا لگائے بظاہر اس روز سادہ اور کمزور نحیف سی نظر آنے والی نانی آج بڑے ٹھسے کے ساتھ، سفید بالوں کی سیدھی مانگ نکالے کانوں میں بالی جھمکہ ڈالے، سفید چنے ہوئے دوپٹے کو اوڑھے کالے کرتے پر سفید چوڑی دار پاجامہ پہنے، انگلیوں کی پوروں پر مہندی کا گہرا رنگ سجائے اور دونوں بازوؤں میں بھاری سونے کے کنگن پہنے، جھری زدہ ہونٹوں پر پان کا رنگ جمائے اور نقاہت زدہ آنکھوں کو بلاوجہ سرمے سے پھیلائے بڑے بارعب انداز میں براجمان اپنی حسین ترین نواسی کو گاتے ہوئے سن رہی تھی۔

ماہ روز کے سامنے اس کے سننے والے اس کے شیدائی براجمان تھے وہ سب اس کی غزل گائیکی اور حسن میں کھوئے ہوئے تھے میرا شمار بھی انہی میں تھا جس پر مجھے کوفت تھی ماہ روز کو براہ راست دیکھنے اور سننے کی بجائے میں اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا نہ جانے کیوں میں خود کو مس فٹ محسوس کر رہا تھا میں اختر اور دوسروں سمیت اپنا سر دھن نہیں پا رہا تھا میرے خیالات اس ماحول سے میل نہیں کھا رہے تھے دل عجیب سے انداز میں سلگنے لگا تھا میں اس شمع کا تنہا پروانہ ہونا چاہتا تھا اور دوسرے پروانوں کو دیوانہ وار اس کے حسن کی آگ میں کودتے اور جھلستے دیکھ کر میں خود کو ایک طرف سمیٹے خود سے ہی خفا ہوا بیٹھا تھا۔

چونکا تو اس وقت جب وہ رگ جاں ایک معطر ہوا کے جھونکے کی طرح اٹھی اور دائیں جانب کمرے میں غائب ہو گئی مسمریزم ختم ہو گیا، ساحرہ اپنا سحر سمیٹ کر جا چکی تھی، سازندے بڑے پیار سے اپنے تھکے ہوئے سازوں کو رکھنے لگے، نانی آنے والوں کو اب جاتے ہوئے الوداعی کلمات ادا کر رہی تھی۔

''کیا میں ماہ روز سے مل سکتا ہوں؟'' طلبہ نواز کے ہاتھوں فرش پر بکھرے پیسوں کو سمیٹ کر تھامتے ہوئے نانی سے میں نے پوچھا تھا، سماعت کو ''ہاں'' کا یقین تھا۔

''نہیں میاں رات بہت ہو چکی ہے ماہ روز کے آرام کا وقت ہے، یوں بھی محفل میں برخاست ہو گئی اگلی بار آئیے گا تو ملاقات بھی یہیں پر کر لیجئے گا۔'' ایک پل کو تھکی بوڑھی نے میری

بات کا جواب بڑے سبھاؤ سے دیا واضح ٹالا تھا اس نے مجھے اور یقیناً اس نے مجھے پہچانا نہیں تھا۔

''میں شاید اب دوبارہ ادھر کبھی نہ آؤں۔'' میں بڑبڑاتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ آئیں گے اور کئی بار آئیں گے بس ایک بار قدم یہاں کے راستے سے آشنا ہو جائیں دوبارہ وہ خود ہی اس راستے پر چل پڑے گیں اب آپ تشریف لے جایئے۔''

اختر میرا ہاتھ تھام کر مجھے ان تنگ وتاریک سیڑھیوں سے اتار کر نیچے لے آیا، رات بھر میں سو نہ پایا، عجیب سی بے چینی اور الجھن طاری تھی وجود پر، اگلے روز میں تقریباً دن گیارہ بجے ہی ماہ روز کے کوٹھے پر جا پہنچا۔

''یہ صرف ایک وقتی ابال ہے اس سے ملاقات کروں گا بات کروں گا تو خود بخود یہ جوش ختم ہو جائے گا تجسس اور جستجو ختم ہو جائیگی پھر میں کہاں اس رسوا جگہ پر آنا چاہوں گا۔'' میں نے اپنے دل کو کچھ اس قسم کی تاویلوں سے بہلایا تھا۔

ملازمہ مجھے ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی سامنے کمرے میں جا چکی تھی میں ڈبل صوفے کی ایک سائیڈ پر بیٹھ گیا، یہ ایک بڑا سا سادہ کمرہ تھا دیواروں پر ہلکے نیلے رنگ کا روغن تھا جو نیچے سے جا بجا اکھڑا ہوا تھا جس کی وجہ سے پیلا رنگ اور سیمنٹ عجیب وغریب شکلیں بنائے ہوئے کھڑا تھا کمرے کے دائیں جانب سیڑھیوں کے ختم ہوتے ہی داخلی دروازہ تھا اور دائیں جانب ہی دوسرے کونے پر ایک اور دروازہ تھا جس کے پیچھے وہ پوشیدہ تھی دروازے کے بائیں جانب کی دیوار پر دو بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جو نیچے گلی میں کھلتی تھیں ان کے رنگین شیشوں کے آگے سفید جالی کے پردے لٹکائے گئے تھے کھڑکی کے مقابل کی دیوار کے ساتھ گاؤ تکیے اور سفید چاندنی بچھائی گئی تھی جبکہ دروازے کے مقابل کی دیوار کے ساتھ دو تین صوفے رکھے ہوئے تھے جو کہ پرانے تھے لکڑی کی پالش بدرنگ ہو رہی تھی چھت پر پرانا اور چھوٹا سا پنکھا لگا ہوا تھا اور گاؤ تکیے کی دیوار پر ٹیوب لائٹ لگی ہوئی تھی کمرے کی حالت ہمارے گھر کے ملازم کے کمرے سے بھی گئی گزری تھی بلکہ اس قسم کی کسمپرسی ہمارے گھر کے کسی ملازم کے کمرے کی نہیں تھی۔

''جی فرمایئے!'' کسی کی آواز نے مجھے چونکایا اور میں جو بغور کمرے کا مشاہدہ کرنے میں مصروف تھا چونک کر ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا میرے سامنے ماہ روز کی نانی کھڑی سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی رات جیسی تیاری کا اس وقت فقدان تھا۔

''جی مجھے ماہ روز صاحبہ سے ملنا ہے۔'' میں نے اپنی آمد کا مقصد واضح طور پر بیان کیا۔

''کیا کام ہے آپ کو جو رات کو محفل میں آنے کی بجائے اس وقت چلے آئے؟'' نانی نے باقاعدہ ساتھ والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے باقاعدہ سوال وجواب کا آغاز کیا۔

''اوں ...... ہوں...... دراصل میں...... شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں کچھ روز قبل میں نے آپ کو شدید بارش میں داتا دربار تک اپنی گاڑی میں لفٹ دی تھی آپ کی ٹیکسی خراب ہو گئی تھی۔''

''اوہ اچھا اچھا یاد آ گیا میاں نوازش تھی آپ کی، دراصل بڑھاپا سب سے پہلے آپ کی موجودہ یادداشت پر حملہ آور ہوتا ہے اور کیا عجیب بات ہے کہ بڑھاپے میں ماضی کا ہر واقعہ اور لمحہ حرف بحرف یاد آنے لگتا ہے، میں بھجواتی ہوں ماہ روز کو، گو وہ اس وقت کسی سے ملتی تو نہیں لیکن آپ کی آمد کا جان کر وہ یقیناً اپنے منہ سے آپ کا

شکریہ ادا کرنا چاہے گی آپ چند لمحے توقف کیجئے۔'' نانی مجھے پہچان کر خوش ہوتے ہوئے کہا اور سامنے کمرے میں چلی گئی جس کا دروازہ بھڑا ہوا تھا، میں نے یونہی کھڑکیوں کے رنگین شیشوں کی جانب نظر دوڑائی۔

''آداب!''

میرے اردگرد مدھر سی گھنٹیاں بج اٹھی تھیں جب اس پری وش نے قریب آ کر ماتھے تک لے جا کر مجھے آداب کیا میں فوراً صوفے سے احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

''آداب!'' میرے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔

''تشریف رکھیے۔'' اس نے صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گئی اس وقت وہ سادہ سے حلیے میں تھی لیکن میرے دل نے بے ساختہ اس کے معصوم اداس اور سوئے ہوئے حسن کو جل پری کا خطاب دے ڈالا وہ بالکل اس وقت اس جل پری کی مانند نظر آ رہی تھی جو کسی چٹان کے ہموار ٹکڑے پر بیٹھی سمندر اور ڈوبتے سورج کے ملاپ کو وفور شوق مگر سنجیدہ تاثر لئے دیکھ رہی ہو وہ شاید نیند سے جگائی گئی تھی سفید بلکہ دودھیا سفید، غزالی آنکھوں میں نیند کی شفق چھائی ہوئی تھی پلکیں مڑی ہوئی تھیں، رخسار کی ایک سائیڈ پر اس کے کان میں موجود بالی کا نشان چھپا ہوا تھا اور تراشدہ ہونٹ نیند کے خمار سے ابھرے، گلابی سے لال ہوئے عجیب ہی نظارہ دے رہے تھے، تاروں بھرے سفید آنچل اس کی لمبی، موٹی چٹیا کو چھپا نہ پایا تھا۔

''اُف کس قدر حسین ہو تم جل پری!'' میرا دل بے ساختہ یہ نظارہ حسن دیکھ کر کہہ اٹھا۔

''کیا لیں گے آپ ٹھنڈا یا چائے؟'' جل پری بولی تھی۔

''جی کچھ نہیں تکلف......''

''قطع کلامی معاف، یہ تکلف نہیں آداب میزبانی ہے اور آپ کا یوں انکار ہمیں بے ادب بنا ڈالے گا تو بتایئے کیا لینا پسند فرمائیں گے آپ؟'' اس نے میری بات کاٹتے ہوئے نہایت سلجھے انداز میں کہا اور آخر میں میری جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''شیراز کہتے ہیں مجھے، شیراز علی...... ٹھنڈا...... ٹھنڈا ٹھیک رہے گا۔'' میں توقف کے بعد اس کی سوالیہ نگاہوں کو دیکھ کر اسے اپنا نام بتایا، وقت براہ راست اس سے بات کرتے ہوئے جتنا میں اندر سے نروس تھا، شاید زندگی میں کبھی بھی نہیں ہوا تھا میرا اعتماد جیسے زائل ہو رہا تھا میں نے بمشکل اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''نیلم! شیراز جی کے لئے کوئی ٹھنڈا مشروب لے آیئے بلکہ بادام والا مشروب لایئے گا۔'' اس نے سامنے دروازے کی جانب قدرے بلند آواز میں اپنی ملازمہ کو ہدایت دی اور پھر مکمل طور پر میری جانب متوجہ ہوئی، تب تک میں اپنی شخصیت میں موجود ازلی اعتماد کو کافی حد تک بحال کر چکا تھا۔

''ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں کہ اس روز آپ نے اپنی چند لمحے کی رفاقت میں ہمیں بارش سے بچا کر ہماری منزل مقصود تک پہنچایا۔''

نہ جانے کیوں مجھے لگا جس شائستگی اور اپنے مخصوص انداز میں وہ میرا شکریہ ادا کر رہی ہے درپردہ اس تلخ حقیقت کو مجھ پر آشکار کر رہی ہے کہ اس احسان کے بدلے تم آج اس وقت مجھ سے ملنے چلے آئے ہو اور مجھے ملنا پڑا ہے میری اس سوچ کی وجہ یقیناً وہ جگہ اور وہ ماحول تھا جہاں

میری اس سے آج ملاقات ہی رہی تھی۔

''ماہ روز! میرا مقصد یہاں پر آ کر تم سے شکریہ وصول کرنا اور تمہیں یوں نیند سے اٹھانا نہیں ہے، میں...... میں خود کو تمہارے آگے بے بس پا رہا ہوں راہ فرار نہیں مل رہی تم نے میرے لئے اس پہلی بھیگی ملاقات سے لے کر اب تک عجیب سی بے چینی اور بے بسی کا شکار ہوں تم سے ملنے اور جاننے کی بے چینی نے مجھے اندر سے نیم جان کر ڈالا اور اس بے وفا دل جس نے مجھ سے نہیں تم سے وفا کی ہے اتنا مجبور کیا ہے کہ اس وقت تم سے ملنے چلا آیا ہوں۔''

مجھے ابا جی کی طرح لگی لپٹی رکھی نہیں آتی تھی اس لئے واضح اور دوٹوک انداز میں اپنا حال دل اس پر آشکار کر ڈالا وہ میری بات سن کر دھیرے سے مسکرائی اس کی مسکراہٹ کا تاثر یوں تھا جیسے کوئی بڑا کسی بچے کی بچکانہ خواہش جان کر مسکرا اٹھتا ہے اور میں جو پہلے ہی اندر سے خائف تھا اس مسکراہٹ پر اچھا خاصا چڑ گیا اس وقت تو آگہی نہیں تھی لیکن اب جانتا ہوں کہ غصے میں، میں مزاج میں بالکل ابا جی پر گیا تھا غصہ آنا یکدم آنا، مشتعل ہو جانا اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھنا۔

''لیکن میرا خیال ہے کہ آپ ایسے جملے کئی بار بہت سے لوگوں کے منہ سے سنتی ہوں گی یقیناً آپ میری کیفیت کو سنجیدگی سے سمجھنے سے قاصر ہے معذرت جو جوں آ کر ڈسٹرب کیا، اجازت چاہوں گا اللہ حافظ۔''

غصے میں آ کر مقابل کی بات سنے بغیر میں نے یہ جملے ادا کیے اور صوفے سے ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے دھپ دھپ کرتا نیم تاریک سیڑھیاں اترتا اس بازار حسن سے دور ہوتا چلا گیا۔

☆☆☆

میں جو سمجھا تھا کہ بس یہ آخری ملاقات میری وحشت کو تمام کر دے گی یہ بات باطل ثابت ہوئی، بلکہ بے چینی اور وحشت میں اضافہ ہی ہوا، کبھی اس کی وہ طنزیہ مسکراہٹ یاد کر کے خود پر تاؤ آنے لگتا کہ خواہ مخواہ اپنے انمول جذبات کا اظہار اس کے آگے کر کے بے مول کیے ایسے جذبات کا نہ جانے کتنی بار سنتی ہو گی اور کبھی دل ندامت محسوس کرنے لگتا کہ یوں یکدم اٹھنے پر اس کے چہرے کی چمک اور آنکھوں کی جوت ماند پڑی تھی کم از کم مجھے اس کی وہ بات سن لینی چاہیے تھی جس کے لئے اس کے شنگرفی لب وا ہوئے تھے تقریباً ایک ہفتہ اسی شش و پنج اور کشمکش میں گزر گیا، ابا جی تو اپنے الیکشن میں مصروف تھے، کاروبار کی دیکھ بھال بھی میرے سر تھی اور اختر کے ساتھ شروع ہونے والا نیا پراجیکٹ بھی اس کے ساتھ زیر بحث تھا میں نے اپنی سوچ کو یکسو رکھنے کے لئے خود کو بے حد مصروف کر دینا چاہا لیکن اس سے میرے رویے میں عجیب سی چڑ چڑاہٹ نمودار ہو رہی تھی آپا سکینہ اور اماں جی سے تلخ کلامی ہو چکی تھی، اختر بھی میری چڑ چڑاہٹ کا شکار ہو چکا تھا۔

ٹھیک ایک ہفتے بعد میں ماہ روز کے در پر کھڑا تھا پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے میرے وہ تمام ارادے جو اس سے نہ ملنے کے باندھے تھے وہیں چوکھٹ پر ڈھیر ہو چکے تھے۔

دھیرے سے سیڑھیاں چڑھتا اور ٹائلز کے ان سفید اور پیلے مہندی رنگوں سے مٹتے، ختم ہوتے نقوش کو دیکھتا کمرے میں چلا آیا کمرے میں داخل ہوتے ہی عجیب سی یاسیت اور اداسی نے میرا استقبال کیا تھا کمرے کے ایک کونے میں طبلہ نواز شاید اپنے طبلے کے قریب گھٹنوں میں سر جھکائے بیٹھا تھا اور شاید خود سے بھی بے خبر تھا میری آمد کے بارے میں کیونکر جان پاتا۔

''اوں...... ہوں۔'' میں نے قریب جا کر گلا کھنکھارتے ہوئے اسے متوجہ کیا، اس نے سر اٹھایا اور اجنبیت کا تاثر لئے اٹھ کھڑا ہوا وہ تیس پینتیس سال کا کم صورت گہرے سانولے درمیانے قد اور گھٹے جسم کا مالک انسان تھا اس کے لچھے دار بال بڑھے ہوئے لاپرواہ سے بکھرے پڑے تھے، مجموعی طور پر وہ ایک غیر پرکشش مرد تھا۔

''جی صاحب!''

''وہ مجھے ماہ روز صاحبہ سے ملنا ہے۔'' میں نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

''لیکن صاحب وہ تو اس وقت کسی سے نہیں......''

''آپ انہیں اندر جا کر بتایئے کہ شیراز علی صاحب آئے ہیں اور وہ دن کے وقت ہی ان سے ملنے آئے گے یہ وہ جانتی ہیں۔'' میں نے قدرے تیز لہجے میں اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''مجھے امید ہے کہ میرا نام سن کر وہ مجھ سے ملنے کو رضا مند ہو جائیں گی میں آج آؤں یا کل یا پرسوں یا کسی بھی دن مجھے اسی وقت آنا ہے شام کو محفل میں آ کر نہیں ملنا۔'' نہ جانے کیوں میں نے وضاحت کی شاید اس کی ہچکچاہٹ دیکھ کر۔

''محفل تو صاحب ہفتہ ہو گیا نہیں ہو رہی خیر میں آپ کا پیغام پہنچا دیتا ہوں آگے ان کی مرضی۔'' اتنا کہہ کر وہ کونے میں بند دروازے کے پاس جا کھڑا ہوا اور ہلکی سی دستک دے کر بولا۔

''فیاض ہوں جی! کوئی شیراز صاحب ملنے آئے ہیں بٹھاؤں یا جانے......؟''

''اچھا جی!''

''تشریف رکھیئے وہ آ رہی ہیں۔'' یقیناً دروازے کے قریب کھڑے اس نے اندر سے جواب سن لیا تھا ورنہ مجھے تو کچھ سنائی نہیں دیا تھا میں سر ہلاتے ہوئے صوفے پر ٹک گیا اور فیاض دوبارہ اپنی پہلے والی جگہ پر خاموشی سے جا کر بیٹھ گیا مجھے اس کا وہاں بیٹھنے الجھا گیا، ابھی میں اس کے بیٹھنے کے بارے میں الجھ کر سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے کا دروازہ کھلا اور ماہ روز چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی میری طرف چلی آئی، اسے دیکھ کر میں احتراماً اٹھ کھڑا ہوا مضطرب دل کو قرار سا آ گیا۔

وہ اس وقت بے حد الجھے، ملگجے اور مسلے ہوئے سیاہ لباس میں ملبوس تھی، الجھی سی لٹیں جو چہرے کی افسردگی پر مرجھائی بیل کی طرح پڑیں تھیں، متورم سوجی ہوئی آنکھیں، چہرے کی شادابی مفقود اور ہونٹوں کا گلابی پن ناپید تھا وہ مجھے برسوں کی بیمار اور اجڑی سی لگی دل کو جو قرار آیا تھا ایک بار پھر بے قراری میں ڈھل گیا۔

''خیریت؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

میں اپنی خفگی بھلائے اس کی حالت پر پریشان ہو اٹھا ابھی دوبارہ بیٹھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

''ہماری نانی جان وفات پا گئیں ہیں۔'' صوفے پر بیٹھے، کپکپائے اور بھرائے لہجے میں اس نے جواب دیا۔

''اوہ ویری سیڈ انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' میں نے اظہار تعزیت کیا۔

لیکن میری اس بات پر وہ یکدم اٹھی اور اچانک میرے قدموں میں آ بیٹھی میں اس کی اس غیر متوقع حرکت پر گھبرا اٹھ کھڑا ہوا، فیاض کی آنکھوں میں بھی حیرت اتری۔

''ارے یہ کیا کر رہی ہیں آپ پلیز اٹھیے۔''

''خرید لیا آپ کے ان الفاظ نے ہمیں ایک دم بہت اونچی جگہ پر لگے آپ ہمیں جس کے قدموں میں ہم جیسوں کو بیٹھنا چاہیے، آپ پہلے انسان ہیں جو ہمیں دیکھ کر احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اب نانی کی تعزیت ان الفاظ کے ساتھ کی مجھے لگا کہ شاید اللہ کے اس کلام پر ہم جیسے گناہ گاروں کا حق ہی نہیں۔'' اس نے باقاعدہ روتے ہوئے اپنی حرکت کی توجیح پیش کی۔

''پلیز آپ ادھر آ کر بیٹھیے ورنہ میں ابھی چلا جاؤں گا۔'' میں نے نارمل ہوتے ہوئے اور دوبارہ بیٹھتے ہوئے اسے چھوئے بغیر ساتھ والے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا میری دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور وہ مکانیکی سے انداز میں صوفے پر جا بیٹھی، اس روز ہمارے بیچ ڈھیروں باتیں ہوئیں تکلف کی چادر ہمارے بیچ سے بالکل ہٹ گئی اس روز ماہ روز مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتایا اور اس کی داستان سن کر مجھے اپنے دل میں اس کے لئے ایک خاص ہمدردی اور محبت کا طوفان اٹھتا محسوس ہوا، بنیادی طور پر ماہ روز کا تعلق لکھنو کے اعلیٰ پائے طوائف گھرانے سے تھے جہاں پر ایک خاص قسم کا رکھ رکھاؤ اور اصول پسندی پائی جاتی تھی یہاں کا اصول تھا کہ محض ایک رات کو دل خوش کرنے کے لئے طوائف اپنا سب کچھ کسی نواب یا امیر زادے کے آگے نہ ہارتی تھی بلکہ جس امیر زادے کو کوئی طوائف زادی اس قدر بھاتی کہ وہ اسے اپنی خلوت میں آباد کرنا چاہے اسے نکاح کرنا ہوگا بے شک وہ اسے اپنے امیر کبیر اعلیٰ گھرانے میں بہو ہونے کا رتبہ نہ دلوائے لیکن وہ رہے گی اس کی منکوحہ بن کر ہی، اسی طرح ناچ گانے ایک رکھ رکھاؤ کے ساتھ پیش کیا جاتا تھا۔

ماہ زور کی ماں اپنا دل کسی جاگیردار زادے کے آگے ہار بیٹھی اور یہ بات ماہ روز کی نانی جادواں بائی کی جہاندیدہ نظروں کو ایک آنکھ نہ بھائی ماہ روز کی ماں نے اپنی ضد منوائی اور نکاح کر کے اپنے کوٹھے سے رخصت ہوئی جب دو سال بعد ماہ روز پیدا ہوئی تب تک محبت کے کچے رنگ غربت و افلاس کی بارش سے اتر چکے تھے ایک روز ماہ روز کا باپ اپنے جاگیردار باپ کے آگے ہاتھ جوڑ کر پیش ہوا اور ماہ روز کی ماں کو طلاق نامہ بجھوا دیا اپنی پر تعیش زندگی دوبارہ سے گزارنے کی یہی شرط اس کے باپ یعنی ماہ روز کے دادا نے رکھی تھی جو ماہ روز کے باپ نے قبول کر لی، چھ ماہ کی ماہ روز کو گود میں اٹھائے تارا بائی دوبارہ اپنے کوٹھے پر نادم پشیمان اور افسردہ سی ہاری ہوئی لوٹ آئی۔

جادواں بائی کا بھی کام تقریباً ٹھپ ہو چکا تھا نئے اقدار اور بے لگام اصولوں نے اس کو اصول پسند، پرانے اقدار سے سجے کوٹھے کو بے رونق کر ڈالا تھا، اس کی جمع پونجی بھی تمام ہونے کو تھی آخر کار اپنا اور اپنی بچی کا پیٹ پالنے کے لئے تارا بائی نے دوبارہ سے گانا شروع کر دیا اور کوٹھے میں محفل آباد کی البتہ پھر اس نے کسی سے بھی نکاح نہ کرنے کی قسم کھائی اپنے گانے کی کمائی سے اس نے ماہ روز کو پرورش کیا، پڑھیا لکھایا اور آخر ایک روز اپنے اندر پلتے دکھوں کے آگے خود بے بس پایا اس کا بلڈ کینسر آخری اسٹیج پر تھا اور تشخص کے تیسرے روز اس نے یہ جہان چھوڑ دیا، ماہ روز جو اس پیشے سے شدید متنفر تھی نانی کو ضد کر کے اپنے ساتھ کسی شریفوں کے محلے میں ایک چھوٹے سے گھر کو کرائے پر لے کر رہنے لگی اس کا خیال تھا کہ کسی سکول میں ٹیچر بن کر وہ ایک باعزت زندگی گزار سکے گی، لیکن وہ جہاں

کہیں بھی نوکری کے لئے گئی اس کی تعلیم کی بجائے اس کے بے حد حسن کو خوش آمدید کہا گیا اور پھر ایک رات شریفوں کے اس محلے میں جب کچھ لوگوں نے رات کو دیوار پھاند کر دو کمزور عورتوں کو بے بس کرنا چاہا تب اسے سمجھ آیا کہ یہ کوٹھا ہی اس کی اصل جگہ اور پناہ گاہ ہے اس روز چیخنے کو شور مچانے پر وہ بچ تو گئی تھی لیکن ہر بار ایسا ممکن نہیں تھا بقول ماہ روز کے اپنی بقاء اور عزت کی جنگ لڑنا اسی جگہ پر زیادہ آسان تھا سب وہ پھر اپنے اصل کی طرف لوٹ آئی اور اپنا آبائی پیشہ اختیار کر لیا اور جس روز میں ناراض ہو کر چلا آیا تھا اسی رات نانی کو ہارٹ اٹیک ہوا اور پہلا دورہ ہی جان لیوا ثابت ہوا اور اب ماہ روز بالکل تنہا ہو گئی تھی بس یہ فیاض تھا جو اس کا خیال رکھے ہوئے تھا بعد میں ایک دفعہ مجھے ماہ روز نے بتایا تھا کہ فیاض کا تعلق اسی محلے کے کسی چوبارے سے ہے وہ ایک طوائف زداہ تھا اور ایک نر انسان کا رتبہ اس بدنام محلے میں وہی ہے جو کسی گائے بھینس کے نر کا ہوتا ہے۔

☆☆☆

رات بہت مشکل میں کٹی بس یہی سوچیں تنگ کرتی رہیں کہ اس وقت وہ تنہا ہو گی، کیا سوچتی ہو گی، روتی ہو گی کاش میں اس وقت اس کے پاس موجود ہوتا اس کے آنسو اپنی ہتھیلی پر سمیٹ لیتا اس کی تنہائی اپنے تسلی آمیز رویے سے ختم کر ڈالتا اور ایک سچے دوست غم گسار ہونے کا احساس دلاتا۔

صبح بس جلدی سے آفس کی ایک دو فائلیں دیکھ کر میں اس کی جانب روانہ ہو گیا مجھے اس کی بے حد فکر ہو رہی تھی جب میں سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو ایک باوقار، سوبر اور قدرے فربی مائل کے سانولی شخصیت کے حامل انسان سیڑھیاں اتر رہے تھے، میں نے انہیں ایک نظر دیکھا اور وہ نظریں جھکائے میرے پاس سے گزر گئے اور میں خاموشی سے کمرے میں داخل ہوا کمرے میں سگریٹ کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی ماہ روز کل کے حلیے میں ہی افسردہ چہرہ لئے صوفے پر بیٹھی اپنی دائیں ہتھیلی پر نظریں ٹکائے کیا کھوج رہی تھی، فیاض آج بھی اپنی کل والی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا اور ہم جب بھی ملتے وہ اسی جگہ پر خاموش لاتعلق بیٹھا رہتا، ہماری محبت کی پاکیزگی کو اس کے وجود پر کوئی اعتراض نہ تھا ویسے بھی وہ ماہ روز کا بہت خیال رکھتا تھا بڑا وفادار تھا اب یوں تنہا ماہ روز کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا خاموش معاہدے کے طور پر اب وہ ماہ روز کا ملازم بن کر اس کی وفاداری کرنے لگا تھا۔

''یہ صدیقی صاحب تھے، اماں کی آواز کے بہت بڑے فین اور اب میری آواز کے بھی آج نانی کی تعزیت کے لئے آئے تھے اور ساتھ ہی ہزار بار کی ہوئی آفر دوبارہ لے کر۔'' ماہ روز نے میرے بیٹھنے پر خود ہی بتایا۔

''آفر!'' میرا لہجہ سوالیہ تھا۔

''ریڈیو کے کسی اچھے عہدے پر فائز ہیں، میوزک کے پرڈیوسر ہے شاید، میری آواز کو بے حد پسند کرتے ہیں اچھی آوازوں کو تلاش کرنے میں اس محلے بھی آنا جانا ہے طبیعتاً شریف انسان ہیں کہتے ہیں کہ اگر میں اپنی آواز کا جادو ریڈیو پر جگاؤں تو راتوں رات شہرت کی بلندی پر پہنچ جاؤں گی، ٹی وی، فلم شہرت اور دولت کے دروازے کھل جائیں گے مجھ پر۔''

''کہہ تو سچ رہے ہیں بلاشبہ تمہاری آواز بے حد سریلی ہے پرانے اور نئے شعراء کا کلام تم بالکل درست تلفظ کے ساتھ بے حد اثر پذیر انداز میں گاتی ہو، عجیب سی کیفیت طاری ہو کر دیتی ہو،

ساحرہ ہو آواز کی۔" میں نے تائید اور ستائش دونوں کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ! لیکن مجھے شہرت کی تمنا ہے نہ دولت کی پھر میں اپنی زندگی کو ان جھمیلوں میں کیوں الجھاؤں، دولت اور شہرت کا لالچ تو اس پیالے کی مانند ہے جو بھر کر بہنے لگتا ہے مگر پھر بھی خالی رہتا ہے۔"

"لیکن اب تو......"

"معذرت! اپنی ماں سے میں کافی عرصہ من ہی من میں ناراض رہی وہ مجھے چھ ماہ کی گود میں اٹھائے میرے باپ کے ٹھکانے سے بے گھر ہو کر مجھ سمیت سیدھی نہر میں کیوں نہ کود گئی اس بدنام زندگی کو اپنانے یہاں کیوں چلی آئی وہ جب تک زندہ رہی میں اس کے سامنے کمرے میں پوشیدہ رہی اس کی زندگی میرے لئے پردہ تھی اس کی موت نے لڑھتے ہوئے فاقے اور تنگی کے ناخنوں سے اس پردہ کو تار تار کر ڈالا شروع میں، میں نے جب گانے کا آغاز کیا ساتھ پڑھائی بھی جاری رکھی مجھے خواہش تھی حرص تھی کہ پڑھ لکھ کر عزت کی روٹی کما کر اس معاشرے میں ایک باعزت حیثیت سے زندگی گزار سکوں لیکن یہ خواب خواب ہی رہا کالج میں مجھ سے پہلے میرا تعارف طوائف زادی ہونا پہنچا، کسی کلاس فیلو کے بھائی نے یہاں گاتے سن لیا دیکھ لیا اور کالج آتے جاتے پہچان لیا بس پھر تو میں وہاں بھی چھوت ہی بنی رہی کوئی دوست کوئی ہمدم نہ بن پائی ہر رات اردگرد کوٹھوں سے اٹھنے والی گھنگھروں کی آوازیں مجھے سخت ناپسند تھیں مجھے لگتا جیسے رات کو جو کوٹھوں پر ناچ گانے کی آوازیں آتی ہیں اصل میں چند بد روحیں بین ڈال رہی ہیں نہ جانے سننے والے اس رخ سے کیوں نہیں آشنا ہو پاتے، اللہ میاں جی گلہ ہونے لگتا کہ وہ مجھے کسی غریب مگر غیرت مند باپ کے گھر پیدا کرتا لیکن جب اس شریف محلے میں ٹھکانہ کیا اور اس شریف معاشرے کو میں نے قریب سے دیکھا تو یہ سارا معاشرہ، یہ ساری دنیا ہی مجھے کوٹھا لگی عورت ہر جگہ ہر ایک سستی تفریح ہے اور بس اتنے برسوں سے محفوظ عزت کو جب اس شریف محلے میں جا کر خطرہ محسوس ہوا تو میں اپنے اصل ٹھکانے اپنے کوٹھے کی جانب لوٹ آئی اس روز میں نے اللہ سے رو رو کر معافی مانگی کہ میں کون ہوتی ہوں اس کے کاموں پر تنقید کرنے والی وہ بارش صحرا میں برسائے یا سمندر پر وہ اپنی حکمتوں سے باخوبی آگاہ ہے، ہر انسان کو پیشہ حلال روزی کمانے کے لئے اختیار کرنا پڑتا ہے میں بھی اپنے اس پیشے سے حلال رزق ہی کما رہی ہوں، کیونکہ حلال رزق کا حصول محنت سے مشروط ہے اور میں محنت کرتی ہوں، رات گئے اپنی آواز کا جادو جگائے رکھتی ہوں لیکن کسی بھی رات کسی کی تسکین کا سبب نہیں بنتی محض چند روپیوں کے اضافے کے لئے اور یہی میرے اس پیشے کی حد اور عظمت ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں بڑی بدقسمت ہوں یقیناً اس عنکبوت کو توڑ سکتی ہوں، انسان ہوں کمزور نفس کے جالے میں خواہ مخواہ جکڑا ہوا ہے لیکن کندن نہیں ہوں جو اس جالے کو توڑنے کے بعد کی آزمائشوں کو سہنے کے لئے تیار ہو سکوں رات گئے تو وہ بھی جاگتے ہیں جو اپنے گرم نرم بستروں کا مزہ چھوڑ کر اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں رات تک یا تو طوائف جاگتی ہے یا پھر عبادت گزار، تہجد پسند یا پھر وفادار کتے جو مالک کے گھر کی حفاظت کرتے ہیں میری یہ اپنی بدقسمتی ہے یہ صرف میری اپنی بدقسمتی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ جذبات سے مغلوب ہو کر رونے لگی کتنا عجیب سوچتی تھی وہ۔

"ماہ روز! تم کبھی اپنے والد سے ملی ہو یا

ملنے کی کوشش کی ہو سکتا ہے وہ تمہارے موجودہ حالات جان کر تمہیں اپنا لے اور اس ماحول سے تمہیں نجات حاصل ہو جائے۔" میں نے اسے ایک نئی راہ دکھانی چاہی۔

"ایک سال قبل میری اور اس کی ملاقات کسی گھر سجائی محفل میں ہوئی تھی میں گا رہی تھی اور وہ سامنے بیٹھا مجھے داد دے رہا تھا، سراہ رہا تھا میں نے ماں کے پاس اس کی تصویر دیکھ رکھی تھی ایک بار اس کی داد پر جی چاہا کہ اٹھوں اور اس کا گریبان تھام لوں زندگی کے ہر الجھوں سوالوں کا جواب حاصل کر لوں اسے بتاؤں کہ سر محفل وہ اپنی بیٹی کو سراہ رہا ہے، داد دے رہا ہے لیکن میں نے ضبط کر لیا آخر میں آتے ہوئے یہ پرچی تھما کر چلی آئی تھی جس پر لکھا تھا کہ "تم اتنی دیر سے جسے سراہ رہے ہو وہ کوئی اور نہیں تمہاری بیٹی ہے، تمہارے ضمیر کو تمہیں ایسی محفلوں میں جانے سے منع کیوں نہیں کیا مگر آج سے اجتناب کرنا جہاں تمہیں سر عام اپنی گاتی بیٹی کو داد دینی پڑے یا پھر اسے تارا بائی کے کوٹھے پر سے آ کر لے جانا اور ایک کمرے میں قید کر ڈالنا تاکہ تم ایسی محفلوں میں سر اٹھا کر شریک ہو سکو۔" میں منتظر ہی رہی کہ شاید وہ چلا آئے مجھے اس کمرے کی قید عزیز تر تھی کہ وہ قید مجھے اس معاشرے میں اپنے باپ کا نام دیتی، چار دیواری میں چھپائے رکھتی، ہونہہ لیکن وہ نہ آیا اور نہ ہی پھر مجھے کسی محفل میں نظر آیا تو اب بھلا وہ مجھے کہاں اپنائے الٹا اپنے خون کو گالی دینے بیٹھ جائے گا اور میں اپنی مری ماں کی روح کو تڑپانا نہیں چاہتی۔" ماہ روز سے یہ جان کر مجھے واقعی اس کا دکھ اپنے دل کے قریب محسوس ہوا اور اس بدقسمت شخص پر بے حد غصہ آیا جس نے اس نام نہاد عزت دار معاشرے کے ڈر سے اپنی ہیرا جیسی بیٹی کو بھیڑیوں کے بیچ تنہا جینے کے لئے چھوڑ رکھا تھا۔

☆☆☆

پانچ دن تک دل بے حد مضطرب، بے کل اور بے چین رہا کیونکہ اگلے روز اباجی کے حکم پر مجھے ایمرجنسی کراچی جانے پڑا تھا کوئی بزنس پرابلم تھی وہاں کے آفس کی برانچ میں مینجر کی شکایت موصول ہوئی تھی اس لئے اس کے تدارک کے لئے فوری جانا ضروری تھا اور ایک بزنس ڈیل تھی تھی لہٰذا آفس سے سیدھا مجھے لاہور ائیرپورٹ جانا پڑا میں ماہ روز کو بھی اطلاع نہ کر پایا تھا۔

پانچ روز اس کے بغیر بڑی مشکل سے کٹے اور مجھے اپنی دیوانگی کا خوبی اندازہ ہو گیا جسے میں پسندیدگی اور دوستی کا نام دے کر خود کو بہلا رہا تھا وہ اصل میں محبت کا آفاقی اور انمول جذبہ تھا یہ محبت بھی بڑا ہی عجیب نشہ ہے یہ آپ کے وجود میں نشے کی مانند سرائیت کر جاتی ہے جب تک محبوب پاس نہ ہو نشہ ٹوٹنے لگتا ہے اور پھر وجود کو تڑپانے لگتا ہے یہ دل کا نشہ ہے واپسی پر لاہور ائیرپورٹ سے سیدھا میں نے بازار حسن کا رخ کیا تھا رات دیر سے گھر آنے کا بہانہ فلائیٹ لیٹ ہونے کا سوچ رکھا تھا بس اس سے ملنے کی بے چینی اس قدر سوا تھی کہ رات دس بجے میں اس کے کوٹھے پر جا پہنچا (کوٹھا کہنا مجھے سخت ناپسند ہے لہٰذا آگے میں گھر یا ٹھکانے کا لفظ استعمال کروں گا) اس وقت تو وہ سو رہی ہو گی آرام میں خلل پڑے گا مگر اس دل کے ہاتھوں میں بھی مجبور ہوں بس دو گھڑی بیٹھ کر جلد ہی رخصت ہو لوں گا، ایسی باتیں سوچتا میں اس گھر تک پہنچا، اس کے کمرے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میرے کانوں میں اس کی رسیلی آواز چبھتی ہوئی پڑی، میں خاموشی سے جا کر صوفے پر بیٹھ گیا اس

وقت محفل بجی ہوئی تھی ماہ روز سرخ لباس میں سجی سنوری مجھے اچھی تو نہ لگی لیکن دل اس کے حسن سے خائف ہوئے بنا بھی نہ رہ سکا، پہلی بار یہ سرخ رنگ مجھے اس پر اچھا نہ لگا کچھ تماش بین فرش نشست جمائے اس کی غزل کے اشعار اور آواز میں ڈوبے ہوئے تھے ناصر کاظمی کی یہ غزل مجھے بھی بے حد پسند تھی لیکن ماہ روز کے ایک جذب کے ساتھ گانے پر گویا غزل کا حسن دو آتشہ ہوگیا تھا میں بھی اپنی کلفت اور ناراضگی بھلائے گویا غزل میں کھوسا گیا۔

میں نے جب لکھنا سیکھا تھا
پہلے تیرا نام لکھا تھا
تو نے کیوں میرا ہاتھ نہ پکڑا
میں جب راستے سے بھٹکا تھا
تجھ بن ساری عمر گزاری
لوگ کہیں گے تو میرا تھا
پہلی بار بھیجنے والے
میں تیرے درشن کا پیاسا تھا
تجھ بن ساری عمر گزاری

اس شعر کو ماہ روز نے نہ جانے کس کیفیت میں بار بار دہرایا اور ہم سب پر ایک طلسم طاری کر دیا غزل کے ختم ہوتے ہی سحر ٹوٹ گیا ماہ روز نے دوسری غزل چھیڑی یہ احمد فراز کا خوبصورت کلام تھا لیکن وہ سحر نہ طاری ہوسکا اور پھر اس غزل کے اختتام پر ایک عجیب بات ہوئی ایک تماش بین سر دھنتا ہوا اٹھا اور ماہ روز کا ہاتھ تھام کر چومنے کی ناپاک جسارت کرنے لگا۔

''واہ ماہ روز جان واہ کیا خوب گاتی ہو اور کیا قیامت لگتی ہو۔'' یہ شاید ماہ روز کی تنہا محفل لگانا، جادواں بائی کا موجود نہ ہونا یا پھر اس کا نشے میں ہونا وجہ کچھ بھی ہو یہ اس کی بے حد گھٹیا اور ناقابل معافی حرکت تھی ماہ روز کو تنہا اور بے یارو مددگار سمجھ کر وہ گیدڑ شیر بن بیٹھا تھا۔

میں یہ منظر دیکھ کر سلگ اٹھا اور چیتے کی طرح ایک ہی جست میں اس مردود کے سر پر جا پہنچا اور اس کے ہاتھ سے ماہ روز کا کسمساتا ہوا ہاتھ چھڑانے کی خاطر اس کی کلائی پر اپنی سخت گرفت جمائی، ماہ روز اس تمام کارروائی کے دوران بے حد سراسیمہ سی کھڑی خود کو چھڑانے کی سعی میں تھی۔

''ہاتھ چھوڑو، ہاتھ چھوڑ دو۔'' میں غرایا۔

''نہ چھوڑوں تو؟''

''تو؟'' اس کے بعد میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور پھر اسے اپنی لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا جلد ہی باقی لوگوں نے بیچ میں پڑ کر ہمارا بچاؤ کرایا اور وہ ذلیل شخص جو اپنی اس بے عزتی کا بدلہ تمام عمر لیتا رہا بکتا جھکتا وہاں سے چلا گیا اور باقی لوگ بھی۔

''دیکھ لوں گا میں تمہیں...... اتنے ہی سچے عاشق ہو تو کوٹھے پر کیوں بٹھا رکھا ہے۔'' اس کے یہ الفاظ مجھے اندر تک جھلسا گئے تھے۔

''کیا ضرورت پڑی تھی تمہیں گانے کی، جانتی نہیں ہو کہ نانی کے بعد بالکل تنہا ہو یا پھر بہت شوق ہے اس قسم کے تماشے لگوانے کا اگر آج میں نہ ہوتا تو......؟'' میں بپھرا ہوا روتی ہوئی ماہ روز پر الٹ پڑا۔

''تو صاحب جی اللہ کوئی اور بندوبست کر دیتا لیکن وہ مجھے رسوا نہ ہونے دے گا اس کا یقین ہے مجھے۔'' اس کے جواب نے مجھے گویا دو کوڑی کا کر دیا تھا اس کی نظر میں میری کوئی اہمیت ہی نہ تھی میں بپھر کر پلٹنے لگا جب اس نے جلدی سے میرا ہاتھ روکنے کے لئے تھاما یہ ایک لاشعوری حرکت تھی۔

''روٹھ کر نہ جائے، گانا صرف میری مجبوری نہیں مجھے برسوں سے ساتھ نبھاتے ان سازندوں کا بھی پیٹ پالنا ہے میری فاقوں میں یہ تو شریک نہیں ان کے بیوی بچوں کا پیٹ میں نوالے میری اس آواز کی وجہ سے ہی تو جاتے ہیں اسی لئے دوبارہ یہ اجڑی محفل سجائی ہے ورنہ میں کم بخت گانے کی بجائے بس بین ہی ڈالتی رہوں۔'' ماہ روز نے مجھے روکتے ہوئے محفل سجانے کی توجیح پیش کی، ماہ روز کے سازندے طبلہ نواز فیاض، ہارمونیم اور ستار بجانے والے خاموشی سے ہماری گفتگو کا حصے تھے اور وہ ہمیں سن رہے تھے عجیب سی بے چارگی تھی ان کے چہروں پر جتنی لاچاری، بے بسی اور بے چارگی میں وہاں کی در و دیوار اور چہروں پر دیکھی شاید کہیں اور دیکھی ہو۔

''کتنے پیسے چاہیے انہیں، ماہانہ تنخواہ لگوا دیتا ہوں میں ان کی تمہیں ان کے لئے اور اپنے لئے بھی محفل سجانے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے نرم پڑتے ہوئے پلٹ کر کہا۔

''ہونہہ! تو غلام بنانا چاہ رہے ہیں آپ مجھے یا پھر لونڈی سمجھ کر خرید رہے ہیں بدلے میں کیا خدمت کرنی ہے مجھے میں واقف ہوں۔'' اس نے زہر خند ہوتے ہوئے کہا اور اس کے ان جملوں نے ایک بار پھر میرے اندر شرارے بھر دیئے۔

''بہت خوب ماہ روز تو یہ ہے میری اوقات تمہاری نظروں میں، میری محبت کو تم نے محض ایک جبلی خواہش جانا میری محبت وجود کی رسائی سے مبرا ہے ماہ روز صاحبہ میں کون ہوتا ہوں تمہارا خرچا اٹھانے والا ایک سچا دوست کسی دوست کے کام تھوڑی آ سکتا ہے وہ تو بس اسے تکلیف میں دیکھ کر خوش ہو سکتا ہے آج کے بعد میری صورت نہ دیکھو گی لیکن بہت جلد میرے مرنے کی خبر......''

میرے باقی کے سلگتے الفاظ میرے منہ میں ہی رہ گئے اس کے سفید دودھیا ریشم جیسے نرم ہاتھ نے میرے شعلہ اگلتے ہونٹوں پر بند باندھ دیا تھا۔

''اُف اللہ! توبہ ہے بہت غصیلے ہو صاحب جی! ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں اپنے کہے پر لیکن ان کے اور اپنے جینے کا بندوبست تو مجھے خود ہی کرنا ہے یہ میری عزت اور انا کا سوال ہے میری خودداری آپ سے یوں بیٹھے بٹھائے کھانے پر مر جائے گی اور آپ ایسا تو نہ چاہیں گے، معاف کر دے اب مجھے، میری توبہ جو اپنے اتنے اچھے دوست کی نیت پر کبھی شک کروں اور وعدہ کرتی ہوں کہ جب بھی کوئی ضرورت پڑی آپ ہی کو پکاروں گی، معاف کر دیں ناں صاحب جی۔'' ماہ روز کا مخصوص انداز میں صاحب جی کہنا اور اتنی دلربائی سے معافی مانگنا میرے اعصاب یکدم ڈھیلے پڑ گئے۔

''تو پھر اس مسئلے کا حل ایسے تماشے تو آئے دن ہوں گے۔'' میں نے ڈھیلے سے انداز میں صوفے پر خود کو گراتے ہوئے پوچھا، میں اب بھی فکرمند تھا، اس کے سر کے اشارے پر ہارمونیم نواز، اور ستار نواز اپنے سازوں سمیت رخصت ہونے لگے فیاض اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

''سوچیں گے اس پر بھی سوچیں گے فی الحال اب آپ گھر جائیے رات بہت ہوچکی ہے بارہ بجے آدھا گھنٹہ گزر چکا ہے اور مجھے بھی دیر ہو رہی ہے۔'' ماہ روز نے صاف مجھے ٹالا تھا۔

''دیر......؟ کس بات کی دیر؟'' میں اٹھتے ہوئے بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

''آں...... آپ کی تسلی کے لئے عرض کر رہی ہوں ورنہ کبھی نہ بتاتی میں ہر محفل کے ختم ہونے پر رات گئے تک اپنے اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو کر اپنے گناہوں کی طلبگار ہوتی ہوں وہ پل

جو مجھے جاگ کر اس کی قربت میں سر جھکائے بتانے تھے وہ پل اس پیٹ کی بھوک ختم کرنے کے لئے میں نے بلامقصد سرور اور گانے میں ضائع کیے موت کا کب اعتبار معافی کا موقع ملے یا نہ ملے وہ تو رحیم ہے ناں سو بار گناہ کرو اور سو بار معافی مانگو معاف کر دیتا ہے بس اب آپ جائیے میں مزید اپنا اور اس کا وقت آپ کو نہیں دینا چاہتی معافی مانگنے میں جتنی دیر ہوگی ساعتیں اتنی ہی مجھ پر بھاری پڑے گیں۔"

"کیا چیز ہو تم ماہ روز؟" میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

"ایک بے حد گناہ گار بندی جسے وہ بخشنے پر قادر میں کمزور نفس گناہ سے رکنے پر نہیں۔" اس نے آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

☆☆☆

گھر میں ایک اور دھماکہ خیز خبر میری منتظر تھی اگلے روز ناشتے کی ٹیبل پر اماں کا اترا ہوا چہرہ دیکھا بعد اصرار وجہ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ابا جی نے آپا سکینہ کا رشتہ اپنے الیکشن میں بڑھ چڑھ کر مدد کرنے والے دوست سے طے کر دیا اور یہ سب میری غیر موجودگی میں ہوا ہے، آپا کی سوجی آنکھیں اور اترا چہرہ دیکھ کر میرا دل بے حد دکھا، محبت یوں وجود سے جدا کر دی جائے تو انسان بالکل اس پھول کی مانند مرجھایا نظر آتا ہے جسے عین شباب میں ٹہنی سے جدا کر دیا جائے اور مجھے ابا جی کے اس دوست تیمور صاحب پر بھی بے حد غصہ آیا، جو آپا اور بھائی ہمایوں کی محبت کی پرسکون جھیل میں پتھر کی مانند آن گرے تھے گو میں اتفاق سے ابھی تک ان سے متعارف نہ ہو پایا تھا اصل میں یہ صاحب نئے نئے کاروبار کی طرف آئے تھے اور اپنی بے تحاشہ بڑوں کی چھوڑی جائیداد، زمینوں کی وجہ سے کاروباری دنیا میں پہچانے جا رہے تھے اور ابا کے الیکشن میں بھی وہ اپنی دولت کا استعمال کر رہے تھے اس کے علاوہ شاید ابا جی کا ارادہ پارٹنر شپ کا بھی تھا بہر حال میں ابھی تک ان سے ناواقف ہی تھا۔

اس وقت ابا جی کے کمرے میں عجیب بوجھل خاموشی طاری تھی ہم تین نفوس کمرے میں اور ایک کمرے سے باہر اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لئے منتظر کھڑا تھا۔

میں نے اسی روز ناہید پھپھو کو فون کر کے بلا کر ابا جی کے ارادے سے باخبر کر دیا تھا جب ابا جی کاروباری مصروفیات سے فارغ ہو کر رات آٹھ بجے گھر آئے تو کچھ ہی دیر بعد ہم تینوں بھی اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہو گئے اور ہر دل کو یقین تھا کہ جیت ہمارا نصیب ہے میں اپنی بہن کے دل کی دنیا اجڑنے نہیں دینا چاہتا تھا، پھپھو نے واضح طور پر ہمایوں بھائی کا رشتہ ابا کے سامنے پیش کیا تھا اور اب ہم سب یقین اور آس بھری نظروں سے ابا کے جواب کے منتظر تھے۔

"بھئی ناہید تم نے دیر کر دی میں سکینہ کا رشتہ تیمور صاحب سے طے کر چکا ہوں۔" ابا کے الفاظ ہماری سماعت پر بم بن کر گرے تھے۔

"دیر کیسی بھائی جان اشارے کنائیوں میں، میں اظہار کر چکی ہوں کہ سکینہ میرے ہمایوں کی دلہن بنے گی۔" ناہید پھپھو کی آواز میں دبا غصہ اور بے یقینی بول رہی تھی۔

"واضح تو نہیں کہا ناں میری بڑی دونوں بہنیں وہیں لندن میں اپنے بچوں کی شادی کا آپس میں فیصلہ کر چکی ہیں میں نے سوچا تمہارا بھی اپنے سسرال میں ارادہ ہوگا اور ویسے بھی میں اب تیمور کو زبان دے چکا ہوں اب کسی اور بات کی گنجائش نہیں۔" ابا جی نے میری دونوں پھپھوؤں کا حوالہ دیتے ہوئے دوٹوک انداز اختیار کیا۔

"لیکن شیراز کے ابا وہ صاحب تو سکینہ سے دوگنی عمر کے ہیں اور یہ بھی کہ اس سے قبل ان کی دو شادیاں ہو چکی ہیں۔" اماں نے بحث کا آغاز کرنا چاہا اور اماں کے انکشاف نے مجھے اپنی جگہ سن کر ڈالا مجھے اس بات کا علم نہ تھا۔

"تو کیا ہو گیا آپ مجھ سے دس سال چھوٹی تھی جب ہماری شادی ہوئی اور پہلی دو شادیوں کا کیا ذکر پہلی بیوی بانجھ ہے اور گاؤں میں ہی رہتی ہے دوسری بچے کی پیدائش کے دوان مر گئی بیوی رہی نہ بچہ، تیمور بہت اچھا انسان ہے صاحب جائیداد ہے، اثر رسوخ والا ہے سکینہ خوش رہے گی اس کے ساتھ۔"

ابا کی باتوں نے مجھ پر اچھی طرح سے آشکار کر دیا تھا کہ وہ یہ شادی صرف اور صرف اپنے کسی کاروباری مفاد کی خاطر کر رہے ہیں گویا یہ ایک بزنس ڈیل ہے اور بس میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ابا جی اس قدر پتھر دل ہو چکے ہیں۔

"ابا جی آپ نے آپا سے ان کی رضامندی لی ہے اس سلسلے میں؟" میں پہلی بار گویا ہوا، ناہید پھپھو تو صدمے کے زیر اثر بس خاموشی سے آنسو بہا رہی تھیں بھائی نے بے دردی سے مان توڑ کر رکھ دیا تھا ان کا۔

"لڑکی سے کون پوچھتا ہے بہر حال تمہاری ماں نے اسے بتا دیا ہوگا اور اسے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" نہ جانے ابا جی اتنے کٹھور کیوں ہو رہے تھے۔

"اسے اعتراض ہے اس شادی پر۔" اماں جی نے جرات کرتے ہوئے دھیرے سے کہا شاید زندگی میں پہلی بار ہم سب ابا جی کے فیصلے کے آگے یوں بحث کرنے کھڑے ہوئے تھے، اماں یہ مقدمہ ہر حال میں اپنی بیٹی کے حق میں جیتنا چاہتی تھی تبھی یہ کہنے کی جرات کر ڈالی تھی۔

"رقیہ بیگم! اگر تو وہ میری بیٹی ہے، میرا خون ہے تو پھر وہ میرے فیصلے سے اختلاف نہیں کرے گی، اسے میری عزت اور زبان کا پاس اپنی ہر خواہش سے بڑھ کر ہوگا اور اب یہ تم بہتر بتا سکتی ہو کہ وہ میری ہی بیٹی......"

"میں آپ ہی کی بیٹی ہوں ابا جی مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے مگر خدارا میری ماں کو ایسی گالی آئندہ کبھی مت دیجئے گا جس روز حکم دیں گے اسی وقت دلہن کا کفن پہن لوں گی مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔"

ابا جی کی بات نے جیسے ہم سب کو منجمد کر ڈالا تھا ہم میں سے کوئی بھی یہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ یوں سب کے سامنے وہ ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر بولتے ہوئے اماں کو اتنی بڑی بات کہہ ڈالیں گے میرے خون میں تو جیسے آگ بھڑک اٹھی تھی مگر میرے ردعمل سے قبل آپا سکینہ دھڑ سے دروازہ کھولتے ہوئے داخل ہوئی اور رشتے پر ہاں کر ڈالی۔

"ہونہہ!" ابا جی نے سر جھٹکا اور کمرے سے باہر نکلتے چلے گئے میں نے غصے میں آ کر ان کے پیچھے جانا چاہا لیکن آپا سکینہ نے ہاتھ باندھ کر مجھے روک لیا میں کرسی پر ان کے واسطوں اور التجاؤں کے آگے ڈھے سا گیا، آپا ساکت بیٹھی اماں کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

"اماں!" آپا کے لہجے میں اس وقت کچھ نہ تھا اجڑ جانے کا غم، ٹوٹ جانے کا احساس، باپ کی سنگدلی کا دکھ اور ماں کا دکھ جس کے شوہر نے سب کے سامنے اتنی بڑی بات کہہ ڈالی اماں کے لبوں پر چپ کی مہر لگی ہوئی تھی ان کے آنسو تواتر سے گرنے لگے اور پھر کسی میں بھی حوصلہ نہ رہا ناہید پھپھو نے روتے ہوئے آپا کو گلے لگا لیا اور

پھر آپا وہ روئیں، وہ بلکیں کہ ہم سب کے وجود بھی پانی بن گئے لیکن اس کے بعد میں نے اپنی بہن کو کبھی روتے ہوئے نہ دیکھا بڑے سے بڑے دکھ اور بڑی سی بڑی تکلیف پر بھی۔

☆☆☆

ابا جی نے اگلے روز ہی شادی کی تاریخ مقرر کر ڈالی میں نہیں جانتا انہوں نے کیا توجیح دے کر اس وقت تیمور صاحب کو اتنی جلد شادی کرنے کے بارے میں مطمئن کیا ہوگا بہرحال میرے وہ دو دن بے حد مصروف گزرے شادی کو اپنے شایان شان تو کرنا ہی تھا لیکن زیادہ لوگوں کو اس تقریب پر مدعو نہیں کیا گیا تھا۔

آپا کی شادی پر کچھ بھی انوکھا نہیں تھا ماسوائے اس کے کہ وہ شخص کسی بھی طرح سے میری کامنی سی آپا کے لائق نہ تھا اور دوسری بات یہ کہ تیمور صاحب کا چھوٹا بھائی وہی شخص تھا جس کا چند روز قبل میرا ماہ روز سے گھر پر جھگڑا ہو چکا تھا ہم دونوں ایک دوسرے کو پہچان چکے تھے اس کی آنکھوں کی شاطر چمک بھی میں دیکھ چکا تھا لیکن مجھے اب اس کی چنداں فکر نہ تھی اچھا ہے ابا جی کو اب میرے اور ماہ روز کے بارے میں علم ہو جائے بات چلانا میرے لئے آسان ہوگا میں مکمل طور پر ماہ روز کو اپنانے کا فیصلہ کر چکا تھا اور یہ کوئی جذباتی فیصلہ نہیں تھا میں آپا کی طرح اپنے دل کی دنیا ابا جی کے ہاتھوں ہرگز اجڑنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

☆☆☆

"ارے تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں آ رہا ہوں؟" میں نے خوش گوار حیرت سے ماہ روز کے چوبارے کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہوئے اس سے پوچھا جس نے جھٹ دروازہ کھول دیا تھا تاثرات سے واضح عیاں تھا کہ وہ میری ہی منتظر تھی۔

"اتنے دنوں سے سماعت کو دہلیز پر دھرنا مار کر بیٹھی ہوں آپ کے آنے کی خبر کیسے نہ ہوتی۔" ماہ روز کا میرا بے تابی سے منتظر ہونے کا یہ خوبصورت اقرار مجھے اندر تک سے سرشار کر گیا۔

"تو پھر آؤ ناں مجھے نیچے سے اپنا گھر دکھاؤ بڑی پراسراریت سی لگتی ہے مجھے اس گھر میں۔" میں نے وہیں رکتے ہوئے اسے کہا۔

"کھنڈر دیکھ کر کیا کریں گے...... خیر!" وہ دھیرے سے سیڑھیاں اترنے لگی آج اس نے سفید لباس زیب تن کر رکھا تھا سفید غرارہ جس پر سلور رنگ کی پٹی تھی اور سفید کرتی اور سفید ہی باریک مقیش لگا دوپٹہ گھنے بالوں کی موٹی کالی چوٹی دائیں کندھے پر ڈالے وہ نیچے اترنے لگی۔

"پتہ ہے جب تم سیڑھیاں اتر کر آ رہی تھی تو مجھے لگا جیسے آسمان سے کوئی حور اتر کر آ رہی ہو یہ رنگ تم پر بے حد خوبصورت لگ رہا ہے۔" میں نے بے ساختہ قریب آنے پر اس کی تعریف کر ڈالی۔

"ناں صاحب جی مجھ گناہ گار کی حیثیت اس تعریف کے قابل کہاں۔" اس نے مجھے ٹوکا۔

"آہ، تم کیا جانو کہ جب تم کالا رنگ پہنتی ہو تو تاروں بھری رات اوڑھ لیتی ہو جس کا سحر فسوں خیز ہوتا ہے، سفید رنگ میں بالکل پاکیزہ موتیا کی طرح دھلی نکھری اور جنت سے آئی حور لگتی ہو اور جب سرخ رنگ......"

"سرخ رنگ میں ہمیشہ محفل سجانے کے دوران ہی پہنتی ہوں اور یہ رنگ میرے جذبات میرے ارمانوں کے خون کی علامت ہے اور بس۔" اس نے مجھے ٹوک دیا اور مجھ پر واضح ہو گیا کہ وہ ہر دفعہ محفل میں سرخ لباس ہی کیوں پہنتی تھی۔

"خیر چھوڑیئے آیئے میں آپ کو نیچے سے گھر دکھاؤں۔" چند لمحے سرک گئے تو وہ پھر مسکراتے ہوئے بولی اور وسیع مگر تاریک سی ڈیوڑھی عبور کر کے صحن میں آن کھڑی ہوئی میں نے اس کے پیچھے پیش قدمی کی۔

یہ ایک گول نما صحن تھا جس کی چاروں طرف اوپر تلے کمرے بنے ہوئے تھے نیچے اور اوپر کے کمرے کے اردگرد گول سا برآمدہ بھی تھا مگر وہ سبھی ہی خالی تھے۔

"یہ سب کے سب خالی؟" میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

"ہوں، کبھی آباد رہے ہوں گے اصل میں نانی جان بتاتی ہیں جب پاکستان بنا تو نانی اپنی تین بہنوں سمیت لکھنو چھوڑ کر اچھا بھلا اپنا کاروبار سمیٹ کر پاکستان چلی آئیں ان کا کہنا تھا کہ یہ ہمارا بھی تو وطن تھا جو ایک عام مہاجر پاکستانی کے جذبات تھے وہی ہمارے بھی تھے ہم لوگوں نے بھی "لے کر رہیں گے پاکستان، بن کر رہے گا پاکستان" کے نعروں کا ساتھ دیا تھا ہجرت کی صعوبتیں برداشت کرتیں وہ سب اپنی دور کی رشتے دار نیناں بائی کے پاس آن ٹھہری اور پھر یہ گھر خرید لیا وقت کے ساتھ اصول بدلنے لگے گانے والیاں ناچنے لگیں اور پھر بھی پیٹ کی بھوک نہ مٹی حرص نے اور ہوا دی تو آدھی رات تک لگنے والی محفلیں ساری ساری رات لگنے لگیں اور رات حشر سامانیاں گھنگھروؤں کی صداؤں سے نکل کر کمروں میں بند ہونے لگیں رات سستی اور گھٹیا تفریح کا سبب بننے لگی نانی کو یہ سب منظور نہ تھا وہ آج بھی اپنی پرکھوں کی روایات اور اصولوں کی پاسدار تھیں ان کا تعلق ایک اعلیٰ پائے طوائف خاندان سے تھا جہاں آواز اور بعض صورتوں میں اداؤں کو تو بیچا جاتا تھا مگر جسم نیلام نہیں کیا جاتا تھا لہٰذا ان سب لوگوں کا نانی کی مداخلت اور ممانعت کی وجہ سے یہاں دم گھٹنے لگا سو وہ سب ایک ایک کر کے یہاں سے رخصت ہوئے اور ہم بعد میں کتنے لوگ تھے بس تین ہی ناں ہمارے لئے تو ایک ہی کمرہ کافی تھا لہٰذا ایک سائیڈ پر بنے چوبارے میں بنے یہ دو کمرے ہمارے وجود سے آباد ہو گئے اور اب تو وہ دو وجود بھی نہ رہے۔" ماہ روز نے تفصیلاً جواب دیا۔

"ہوں!"

"پتہ ہے صاحب جی میرا دل کیا کرتا تھا کہ اس صحن میں گھنا سا کوئی درخت لگا ہو، خوب پرندوں کی چہچہاٹ کی رونق ہو اور بارش کے وقت میں اس درخت پر جھولا ڈال کر خوب زور زور سے جھولوں۔" ماہ روز نے بچوں کی طرح معصومیت سے اپنی خواہش سے مجھے آگاہ کیا۔

"تو پھر کوئی درخت کیوں نہیں لگوایا تمہارے بچپن کا لگا پودا تو اب تک درخت بن چکا ہوتا۔" میں نے پوچھا میں اس کی باتوں کو بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

"نہیں صاحب جی میں بے چارے درخت کو اس صحن میں کیونکر اپنی خواہش پر قید کرتی ویرانوں میں لگے درخت کی جڑیں بڑی جلدی اندر سے کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔"

"یہ تم مجھے صاحب جی کیوں کہتی ہو؟" کب سے دل میں رکا سوال میرے لبوں پر آن ٹھہرا۔

"بتاؤں گی کبھی آپ کو؟" اس نے نظریں جھکائے دھیرے سے کہا۔

"خیر تم اپنے گھر میں جتنے بھی چاہنا درخت لگوانا ڈھونڈ رہا ہوں میں آج کل تمہارے لئے گھر۔"

"گھر...... میرے لئے...... مگر کیوں؟" ماہ

روز حیرت زدہ ہوئی۔

"ہاں گھر تمہارے لئے، اب میں تمہیں اکیلے زیادہ عرصہ یہاں نہیں رہنے دوں گا۔" میں نے اپنے ارادے سے اسے آگاہ کیا۔

"نہیں صاحب جی میں یہیں ٹھیک ہوں شریفوں کے محلے جا کر دیکھ لیا ایک بار، میں یہاں ہی محفوظ ہوں اپنی اصل پہچان کے ساتھ۔" ماہ روز نے نفی میں سر ہلایا۔

"ماہ روز! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، مکمل تحفظ، مکمل پہچان کے ساتھ دینا چاہتا ہوں۔" آخر کار میں نے واضح بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی ناں، انوکھے لاڈلے ہو کھیلن کو چاند مانگتے ہو وہ چاند جس کی چاندنی تو سب کو بھاتی ہے لیکن کوئی بھی داغ دار چاند کا متمنی نہیں ہوتا، ویسے بھی میں اپنی ماں کی تاریخ نہیں دہرانا چاہتی ماں تو بے سائباں ہو کر نانی کے پاس چلی آئی تھی لیکن میں کسی اور ماہ روز کو لے کر کہاں جاؤں گی۔"

"میں تمہارے اندیشوں سے باخبر ہوں اور تم ان میں حق بجانب بھی ہو لیکن ماہ روز کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں محبت تو اپنا خود یقین ہوتی ہے میری محبت کی مضبوطی تو وقت ثابت کرے گا میں اس کمزور مرد کی طرح اپنے باپ کی دولت کے سہارے تمہیں تحفظ نہیں دوں گا بلکہ اپنی مضبوط محبت بھرے حصار میں رکھوں گا، ماہ روز میں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تو پھر بھلا تمہیں چھوڑ کر زندگی کا کیا کروں گا، بتاؤ ناں ماہ روز کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں؟ جواب دو مجھے......" میں نے اس کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے اور اسے اپنی جانب موڑتے ہوئے پوچھا۔

"میں آپ سے دو تین سال تو بڑی ہوں گی صاحب جی۔" اس نے کمزور عذر تراشنا چاہا۔

"آپ مجھے اس حد پر جانے کو کہہ رہے ہیں جہاں اقرار سے میرے پر جل جائیں گے، اوہ میرے خدا بے خیالی میں مجھ گناہ گار کے منہ سے یہ کیسی مثال نکل گئی، معاف کر دینا مالک، معاف کر دینا۔"

"ماہی میرے سوال کا جواب دو اگر اب بھی تم نے سچ نہ بولا تو شاید میرا دل رک جائے اور پھر اس ویرانے، اس صحن میں میری قبر بنا لینا۔" میں نے شدت جذبات سے بے قابو ہوتے ہوئے اس کے کندھوں کو جھنجھوڑ ڈالا اور بے ساختہ میرے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا میرے اندر اٹھتے جوار بھاٹے کو ٹھنڈا کر ڈالا نہ جانے اس کے ہاتھوں کے میں کیا جادو تھا جو میں اندر سے یکدم پر سکون ہو جاتا تھا۔

"بہت محبت کرتی ہوں میں آپ سے اس روز سے جب پہلی بار آپ کی نظریں میرے چہرے کو بیک ویو مرر سے دیکھ رہی تھیں، ان نظروں میں ستائش تھی ہوس نہیں، اس روز سے جب آپ نے پہلی بار مجھے ماہ روز صاحبہ کہہ کر پکارا تھا، اس وقت سے جب آپ ہمیشہ میرے لئے احتراماً اٹھ کھڑے ہوتے تھے اس جگہ تو ہمیں ہمیشہ مال مفت، لوٹ کا مال سمجھا جاتا ہے اور ایسے میں اس کا احترام کیونکر، ہر پل، ہر ساعت، ہر آتی جاتی سانس کے ساتھ محبت کرتی ہوں میں آپ سے اور میرے دل نے اسی لئے آپ کو پہلی بار ہی صاحب جی کا خطاب دے ڈالا۔" ماہ روز نے جذبات سے بوجھل لہجے اور آنسوؤں سے سفید نین کٹورے لبریز کیے اقرار محبت کر ڈالا میری محبت نے اس کے بے نیاز خول کو چٹخ دیا اور میرے اندر جیسے باد نسیم چل اٹھی میں نے آگے

بڑھ کر اس کی پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی بے حد خوبصورت، بے حد پاکیزہ سورج کی نوخیز کرنوں کی طرح تازہ اور شفاف لمحہ تھا وہ اس کی بند آنکھوں سے ایک آنسو لڑھک کر اس کی گلابی گالوں پر پھسل گیا۔

"ماہ روز میں تمہیں بہت جلد یہاں سے لے جاؤں گا بس چند دن انتظار اور پھر ایک پل کے لئے بھی خود سے تمہیں جدا نہ ہونے دوں گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے ایک مرد کا وعدہ یاد رکھنا۔" میرے وعدے پر اس نے اپنی لمبی گھنیری پلکیں اٹھائیں اس کے چہرے پر میرے اقرار کا یقین جھلملا رہا تھا۔

اچانک مجھے سیڑھیوں میں کسی کے ہونے کا احساس جاگا ہلکا سا کوئی کھٹکا ہوا تھا میں جلدی سے پلٹ کر سیڑھیوں تک پہنچا تو فیاض کو سیڑھیوں میں کھڑا پایا وہ شاید اس وقت سے وہاں بیٹھا تھا جب سے ہم دونوں یہاں موجود تھے میرے اچانک یوں سامنے آنے پر گھبرا سا گیا۔

"وہ اصل میں...... ماہ روز بی بی...... وہ بس تیں حفاظت......" اس نے ہکلاتے ہوئے اپنے وہاں ہونے کی توجیح پیش کرنی چاہی مگر بوکھلا کر رہ گیا، ماہ روز بھی میرے پاس ہی آن کھڑی ہوئی تھی۔

"شکریہ شیری بابو!" اتنا کہہ کر وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کمرے میں چلا گیا۔

"اچھا اجازت چاہوں گا آیا تو تم سے کچھ اور باتیں کرنے تھا آپا کی شادی کا بتانا تھا اسی لئے تم سے ملنے نہیں آسکا مگر وقت نے یہ لمحہ خاص کسی اور مقصد کے لئے تشکیل دیا تھا کل ملاقات ہوگی انشاللہ۔"

"اللہ کی امان میں۔" ماہ روز نے دھیرے سے کہا، اس کے اقرار محبت نے مجھے سنبل کی روئی کی طرح ہلکا پھلکا کر دیا تھا مسرت اور خوشی کے ہلکے پھلکے جھونکوں کے ساتھ میں ساری رات اِدھر اُدھر اڑتا پھرا۔

☆☆☆

یہ سوچ کر کے غم کے خریدار آ گئے
ہم خواب بیچنے سر بازار آ گئے

میں نے ابھی سیڑھی پر پہلا قدم ہی رکھا تھا کہ مجھے ماہ رز کی سریلی آواز سازوں سے ہم آہنگ ہو کر سنائی دی اور جیسے میرے تن من کو جلا گئی۔

آواز دے کر چھپ گئی ہر بار زندگی
ہم ایسے سادہ دل تھے کہ ہر بار آ گئے

تو آج بھی ماہ روز نے محفل سجائی تھی اپنی خودداری میں وہ میری غیرت کو روند رہی تھی، جی چاہا اوپر جا کر تماش بینوں کے سامنے خوب کھری کھری سناؤں دو تین سیڑھیاں بھی چڑھا لیکن خیال آیا کہ غصے میں نہ جانے اسے کیا کچھ کہہ جاؤں غصے میں میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو کر رہ جاتی تھی، واپس جانے کے لئے پلٹ گیا۔

"صاحب جی!" وہ واقعی اپنی سماعت دہلیز پر رکھتی تھی جبھی تو سازوں کی آواز میں بھی میری چاپ سن چکی تھی اس کی پکار میں حیرت اور سوال دونوں موجود تھے میں نے اس پر ایک خفگی بھری نظر ڈالی اور پھر واپس ہونے لگا جب وہ مجھے شاید روکنے کے لئے تیزی سے سیڑھیاں اتری اور قریب آتے ہوئے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اگر میں بروقت بڑھ کر تھام نہ لیتا تو گر کر اچھی خاصی چوٹ لگ جاتی، اسے میری بانہوں میں، اس کا نرم ریشمی کانپتا سا کانپتا وجود تھا اور مجھے جیسے عجیب سے لطیف اور کسک زدہ جذبے سے آشنا کر رہا تھا۔

''آپ...... آپ واپس کیوں جا رہے تھے؟'' اپنی سانسوں کو ہموار کرتے اور مجھ سے قدرے پرے ہٹتے ہوئے اس نے پوچھا، میں نے اس کے گلابی گالوں پر سرخ ابھرتی حیا کی شفق اور جھکی نظروں کو کافی پرشوق انداز میں دیکھا جی چاہا اسے اور ستاؤں میرے انداز کو جانچتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سوال دہرایا۔

''بتایئے ناں آکر کیوں جا رہے تھے؟''

''تم نے آج گانے کی پھر محفل سجائی ہے؟'' میرے سوال نے اس کے سوال کا جواب دیا۔

''اوہ! تو آپ اس بات سے خفا ہو کر جا رہے تھے اللہ صاحب جی بہت غصہ کرتے ہو ڈر لگتا ہے کہ یہ غصہ کسی دن ہمارے بیچ جدائی نہ لے آئے۔'' وہ اداس سی ہوگئی۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' میں نے بے ساختہ اسے یقین دلایا اور شاید خود کو بھی۔

''کوئی محفل نہیں سجائی ہم نے وہ تو بس آج میرے سازندوں کا اس کوٹھے پر آخری دن تھا انہوں نے اِدھر اُدھر اپنی روزی تلاش کر لی ہے ماسوائے فیاض کے وہ تا عمر اپنی وفا داری نبھانا چاہتا ہے اور نانی کی قسم دے کر اس نے مجھے اس معاملے میں خاموش رہنے پر مجبور کر دیا ہے اس کا کہنا ہے جب تک میں بیاہ کر آپ کے سنگ یہاں سے چلی نہیں جاتی وہ یہیں پر رہے گا، ان سب نے فرمائش کی کہ آخری بار میں ان کے سازوں کے ساتھ اپنی آواز ہم آہنگ کروں نہ جانے انہیں اتنا اچھا سننے کو ملے یا نہ ملے ان کے بے حد اصرار پر میں نے احمد فراز جی کی یہ غزل سنانا شروع کی تھی کہ آپ کی چاپ آئی اور پھر راستے سے واپس جاتی سنائی دی اور میں دوڑ کر دیکھنے چلی آئی، خفا ہو کر جا رہے تھے۔'' ماہ روز نے تفصیل سے وضاحت دی آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس کے لہجے میں ہلکی سی نمی اور خفگی در آئی تھی۔

''آئی ایم سوری ماہ روز! آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی۔'' میں نے جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اس سے معافی مانگی۔

''کبھی کبھی آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا بھی غلط ہوتا ہے، خیر آئندہ ایسی غلطی ہوئی تو تمام عمر معاف نہیں کروں گی۔'' ماہ روز نے ٹھنکتے ہوئے کہا۔

''بہتر جناب جو حکم سرکار کا اب اوپر چلے مجھے تمہیں ایک بہت ضروری بات بتانی ہے۔'' میں نے کہا اور ہم دونوں اوپر چلے آئے جب اس کے دونوں سازندے ہم سے رخصت لے کر چلے گئے اور ماحول پرسکون ہو گیا تو میں نے اسے رات ابا جی کی اس گفتگو کے بارے میں آگاہ کیا۔

☆☆☆

رات جب میں سونے کے لئے اپنے کمرے کی جانب بڑھا تو لاؤنج میں آفس کی فائلیں دیکھتے ابا جی نے مجھے پکارا۔

''جی ابا جی!''

''ادھر بیٹھو مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' اپنے سامنے رکھے صوفے کی جانب اشارا کرتے ہوئے انہوں نے کہا اور میرے بیٹھنے پر صاف اور سیدھے انداز میں جو ان کا خاصا تھا بات کا آغاز کیا۔

''سیٹھ اکرم کی بیٹی ماریہ کو جانتے ہو؟''

''ماریہ! نام سنا لگتا ہے شاید کسی دعوت میں ملاقات بھی ہوئی ہو۔'' میں نے نام دہراتے ہوئے پرسوچ انداز میں جواب دیا۔

''وہ باہر سے پڑھ کر آئی ہے، اعلیٰ خاندان اور حسب نسب والی ہے اور اتنی ساری جائیداد کی اکلوتی وارث بھی، خاصی خوبصورت بچی ہے میں نے تمہارا رشتہ اس کے ساتھ طے کر دیا ہے اگلے مہینے شادی ہے۔'' ابا نے گویا میرے اعصاب پر بم گرایا ایک پل کے لئے میں شاکڈ ہی رہ گیا گویا مجھ میں اور آپا سکینہ میں رتی بھر فرق نہیں یہ بھی کسی بزنس کا حصہ ہوگی گویا ان کے نزدیک ان کی اولاد کٹھ پتلی ہے جب چاہا جیسا چاہا ڈوری ہلا دی۔

''ابا جی مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔'' میں نے بھی انہی کی طرح دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

''معقول وجہ جاننا چاہوں گا۔'' میرے توقع کے برعکس انہوں نے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

''ابا جی زندگی صرف لین دین کا نام نہیں ہر رشتہ صرف اس غرض سے جوڑا جائے کہ اس سے ہمیں فائدہ حاصل ہوگا، بزنس فروغ پائے گا، منافع ہوگا۔'' میں نے تمہید باندھتے اپنا موقف بیان کرنا چاہا جب انہوں نے میری بات کھاٹتے ہوئے کہا۔

''تو گویا تم گھاٹے کا سودا کرنا چاہتے ہو اور غالباً اس گھاٹے کے سودے کا نام ماہ روز بائی ہے۔'' ابا جی کے پرسکون انداز نے مجھے ایک بار پھر ہلا کر رکھ دیا۔

''تیمور کے بھائی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے میں نے خود سے بھی معلومات کروائی ہے ابھی بھی موصوف شاید اسی کوٹھے سے آ رہے ہیں، اتنی محنت اور مشقت سے بنائی جانے والی جائیداد اب کسی طوائف کے کوٹھے پر اڑائی جائے مجھے ہرگز منظور نہیں۔''

اوہ تو یہ اس کمینے شخص کی کارستانی تھی جس سے میں نے ماہ روز کے گھر جھگڑا مول لیا تھا یقیناً اس نے ابا جی کو ماہ روز کے اور میرے خلاف خوب بھڑکایا ہوگا۔

''پلیز ابا جی! آپ اسے طوائف کہہ کر مت پکاریں وہ بہت اچھی پڑھی لکھی لڑکی ہے، اسکا تعلق بھی ایک جاگیردار گھرانے سے ہے یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ اس جگہ پیدا ہوئی ورنہ وہ بہت نیک اور پاکیزہ ہے۔''

''آج تم مجھے اسے طوائف کہنے سے روک رہے ہو جب کل سارا زمانہ فیروز علی کی بہو اور شیراز علی کی بیوی طوائف کہے گا تب کس کس کی زبان پکڑو گے اس کی رگوں میں کسی بھی اعلیٰ خاندان کے فرد کا خون دوڑتا ہو لیکن اس کی ماں کا تعلق تو اسی جگہ سے ہے نا جسے بازار حسن کہا جاتا ہے یعنی جہاں حسن روز بکتا ہے اور اس کی بولی لگائی جاتی ہے۔'' ابا جی کا لہجہ اور الفاظ نشتر بن کر چبھ رہے تھے مجھے۔

''مجھے لوگوں کی قطعاً پرواہ نہیں۔''

''اور اگر میں تمہیں عاق کر دوں؟''

''شوق سے کر دیجئے آپ ایسا ہی کریں گے' مجھے اندازہ تھا اس بات کا، میں اپنا وعدہ نبھاؤں گا میں ماہ روز سے شادی کا وعدہ کر چکا ہوں اور یہ ایک مرد کا وعدہ ہے میں اس سے کسی بھی صورت نہیں پھر سکتا۔'' ابا جی نے میری طرف چند سکینڈ بغور دیکھا۔

''ہوں رات کافی ہو گئی ہے جاؤ جا کر سو جاؤ اگر تم اس قدر ہی اس بات میں آگے بڑھ چکے ہو تو مجھے بھی سوچنے کا وقت دو ہم سے کسی ایک کو تو اپنی زبان سے پھرنا ہی ہے شاید مجھے یا شاید...... خیر شب خیر۔'' اتنا کہہ کر اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے اور میں ایک بار پھر ان کا غیر متوقع رویہ دیکھ کر وہیں پر حیرت سے بیٹھا رہ گیا، شاید وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو کھونے کا حوصلہ نہیں

رکھتے تھے ان کے انداز نے مجھے کسی حد تک خوش گمان کیا تھا، ساری بات بتا کر میں نے ایک لمبی سانس لی۔

''اب کیا ہوگا؟'' ماہ روز تمام بات جان کر متفکر ہوئی۔

''کچھ نہیں میرا خیال ہے کہ وہ مان جائیں گے لیکن اس کے باوجود میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا نہیں رہ سکتا لاہور کی ایک مارکیٹ میں دو دوکانیں میرے نام پر ہیں گاڑی بھی میری ذاتی ہے ان سب کو بیچ کر میں تمہارے نام کوئی فلیٹ لے لوں گا اور باقی کی رقم سے اپنا کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کروں گا۔'' میں نے اپنے ارادوں سے اسے آگاہ کیا۔

''میری وجہ سے آپ......''

''شی...... ماہ روز کوئی ایسی تکلف بھری بات نہ کرنا، جو مجھے پسند نہ آئے یہ سب کچھ ہم دونوں کا ہے تیرا میرا نہیں او کے۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے کہا اور خاموش کرا دیا پھر چند تسلی آمیز جملوں کے بعد اس سے اجازت لی مجھے ایک پراپرٹی ڈیلر سے ملنے جانا تھا۔

☆☆☆

تین چار روز مجھے اس بھاگ دوڑ میں گزر گئے اماں سے بھی میں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کر سکا تھا ایک دوکان اچھی خاصی قیمت پر بک گئی تھی اور میں نے فوراً ایک اچھے علاقے میں ماہ روز کے نام پر لے لیا تھا اس روز میں نے بے حد خوش تھا فلیٹ کی چابی لے کر میں خوش و مسرور ماہ روز کے گھر پہنچا یہ پہلا تحفہ تھا جو میں اسے دینے جا رہا تھا میری محبت کا پہلا تحفہ گو اس کے شایان شان نہ تھا۔

میں دھیرے سے سیڑھیاں چڑھتا کمرے میں پہنچا آج خلاف توقع ماہ روز نے بھاگ کر مجھ سے پہلے دروازہ کھول کر میرا استقبال نہیں کیا تھا کچھ قیاس کرتا میں کمرے میں داخل ہوا ماہ روز کا قہقہہ میری سماعت سے ٹکرایا وہ فیاض کے قریب صوفے پر بیٹھی کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی یہ منظر کافی حیرت انگیز تھا۔

میں نے آج تک اسے یوں کھلکھلا کر ہنستے نہ دیکھا تھا اور فیاض بھی کبھی ماہ روز کے قریب صوفے پر نہیں بیٹھا تھا وہ تو ہمیشہ فرش پر ایک کونے میں بیٹھا رہتا تھا، ماہ روز کی نظر مجھ پر پڑی، تو وہ ایک ادا سے مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آیئے، آیئے شیراز صاحب رک کیوں گئے؟'' اس کا انداز تکلم مجھے کچھ غلط کچھ انہونی ہونے کا اشارہ دے رہا تھا۔

''آپ دوست ہیں ہمارے اتنی بڑی خوشخبری سننے کا پہلا حق آپ ہی کا بنتا ہے۔'' مجھے لگا میں شاید کسی غلط جگہ پر آ گیا ہوں فیاض بھی چپ چاپ اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیسی خوشخبری؟''

''کل شام میرا نکاح فیاض جی کے ساتھ ہو گیا ہے اب میں ان کی منکوحہ ہوں، کیا خوشی کی بات نہیں؟'' اس نے انجان بنتے اور اٹھلاتے ہوئے مجھے یہ منحوس خبر سنائی جو میرے حواسوں کو معطل کر گئی۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو، کیا مجبوری ہے؟ کیا ڈر ہے؟ بولو کس وجہ سے یہ ڈرامہ کر رہی ہو بول، دیکھو میں تمہارے لئے تمہارے فلیٹ کی، تمہارے گھر کی چابی لے کر آیا ہوں یہاں سے لے جانے کی نوید لے کر آیا ہوں، اب تم اپنی باقی کی زندگی میرے سنگ باعزت اور شریف جگہ پر باعزت طریقے سے گزار سکو گی، بند کرو یہ بے ہودہ مذاق۔'' دوسرے ہی پل میں ایک جست میں اس کے قریب جا پہنچا اور اس کے کندھوں کو جھنجھوڑتے ہوئے چلایا۔

''ہوش میں آیئے شیراز صاحب یہ سچ ہے، حقیقت ہے یہ کہ، یقین نہیں تو ہمارا نکاح نامہ دیکھ لیں خود ہی یقین آ جائے گا، فیاض میرا شوہر ہے، میں کل شام اس سے نکاح کر چکی ہوں، آپ بتایئے ناں فیاض اسے۔'' اس نے بھڑکتے ہوئے اور فیاض کے بے حد قریب کھڑے ہوتے ہوئے اس کا بازو ہلاتے ہوئے کہا جو ابھی تک خاموش تماشائی بنا کھڑا ہوا تھا۔

''جی شیراز بابو، کل شام ہماری شادی ہو گئی ہے اور آج ولیمہ ہے۔'' فیاض نے گویا اقرار جرم کیا، میں اس بھیانک انکشاف کے بعد گویا ڈھے سا گیا۔

''کیوں کیا تم نے ایسا ماہی، بولو کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا؟'' میں نے لٹے ہوئے، ہارے ہوئے شخص کی مانند سوال کیا بالکل تہی داماں کر ڈالا تھا مجھے اس نے اس لمحے۔

''میرا خیال ہے کہ میں فیاض جی کے ساتھ خوشحال اور بہترین زندگی گزار سکتی ہوں ہم دونوں ایک ہی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ساری عمر اس خوف اور ڈر میں، میں اپنی زندگی نہیں گزار سکتی نہ جانے کب آپ مجھے، میرے باپ کی طرح چھوڑ کر چلے جائیں کسی بھی دن، مجھے طوائف کی گالی دے ڈالیں، میں اپنی ماں کی تاریخ نہیں دہرانا چاہتی، فیاض مجھ سے شروع سے ہی خاموش اور بے لوث محبت کرتا ہے میں آگاہ تھی اس کے جذبے سے اور ویسے بھی انہیں ریڈیو پر نوکری مل گئی ہے خود کمائے گا اور مجھے باعزت طریقے سے گھر بٹھا کر کھلائے گا بلکہ ہم تو آج ہی یہاں سے کرائے کے گھر میں شفٹ ہو رہے ہیں جو انہوں نے ریڈیو اسٹیشن کے قریب لیا ہے، مجھے معاف کر دیجئے گا، صاحب جی میں آپ کی دل آزاری کا سبب بنی مگر ٹھنڈے دل سے سوچیے گا میرا فیصلہ ہر لحاظ سے ہم سب کے لئے بہتر ہے۔'' آخری جملہ ادا کرتے ہوئے نہ جانے کیوں اس کی زبان لڑکھڑا گئی تھی۔

''ہونہہ! تو گویا آج تم نے ثابت کر دیا کہ تم ایک طوائف ہی ہو، بے وفا عورت۔''

''بس شیری بابو آگے کچھ مت کہیے گا ماہ روز جی کے لئے کوئی ایسے نازیبا الفاظ استعمال مت کریں جو بعد میں آپ کو تکلیف دیتے رہیں۔'' فیاض نے آگے بڑھ کر مجھے مزید بولنے سے روکا۔

''آج کے بعد تم میری اور میں تمہاری صورت کبھی نہ دیکھوں گا زندگی کے کسی موقعہ پر وعدہ رہا۔'' میں نے اپنے اندر اٹھتے لاوے کو ان الفاظ کی صورت میں اس پر انڈیلتے ہوئے کہا اور جانے کے لئے پلٹ گیا۔

''وعدہ...... وعدہ رہا صاحب جی!'' پیچھے سے مجھے اس کی دھیمی آواز سنائی دی، یہ آخری جملہ میرے کانوں میں گرم سیسے کی مانند پڑا اور میں اس بے وفا کے کوچے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکلتا چلا گیا، کبھی نہ پلٹنے کے لئے مگر آج وقت مجھے پھر اسی کوچے، اسی گھر لے آیا تھا۔

ہم کے ٹھہرے اجنبی اتنی مداراتوں کے بعد
پھر بنے گے آشنا کتنی ملاقاتوں کے بعد

☆☆☆

''جان من رات بہت بیت چکی ہے اب آرام کرو۔'' اس نے رائٹنگ ٹیبل کے قریب کھڑے ہو کر مجھے متوجہ کیا اور میں جو بے حد انہماک سے لکھنے میں مصروف تھی چونک گئی۔

''بس جی پلیز تھوڑی دیر اصل میں میری کہانی اب کلائمکس پر ہے اور میں اسے مکمل کرنا

چاہتی ہوں۔"

"آئی نو بٹ......"

"آپ ہی نے تو مجھے یہ راہ دکھائی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ لکھتے ہوئے میں نے خود کو تلاش کیا ہے ایک سکون سا ذات میں اترتا جا رہا ہے پلیز تھوڑا سا اور لکھ لوں۔" اس نے اپنے محبوب شوہر کی جانب محبت سے دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹتے ہوئے درخواست کی۔

"مانا یہ مشورہ میرا تھا مگر اگر تم اپنے آرام کا خیال نہ رکھو گی تو مجھے یہ بھی منظور نہیں لگتا ہے بابا جانی سے جا کر تمہاری شکایت کرنی پڑے گی۔" اس نے پیار بھری دھمکی دی۔

"ارے نہیں پلیز انکل جانی سے میری شکایت مت کیجئے گا وہ بے حد سکون سے ہیں اور آپ انہیں بے سکون کرنا چاہتے ہیں پلیز فیضان بس تھوڑی دیر میں ابھی آ رہی ہوں آئی پرامس آپ کو دوبارہ مجھے احساس دلانے نہیں آنا پڑے گا۔"

"اوکے!"

"ارے ہاں صبح اگر آپ انکل جانی کی طرف جائیں تو مجھے بھی لیتے جایئے گا مجھے ان سے یہ آخری صفحات ڈسکس کرنے ہیں۔"

فیضان کا معمول تھا کہ وہ صبح سویرے انکل جانی کے پاس ضرور جاتے تھے، جو آج کل ہم سے اس گھر سے دور مگر ایک پرسکون گوشے میں قیام پذیر تھے۔

فیضان سے پہلے انکل جانی نے بھی بارہا اسے کہا تھا کہ زارا تم لکھا کرو وہ کالم ضرور لکھتی تھی جو کافی مقبول تھے لیکن بندھ کو کوئی ناول لکھنا تکنیکی طور پر اسے مشکل لگتا تھا مگر ایک وقت ایسا آیا کہ اسے ناول کو لکھنے کے لئے قلم اٹھانا ہی پڑا یہ شاید دو پیار کرنے والی ہستیوں کو خراج تحسین تھا جن میں ایک ہستی اس کے دل کے بے قریب تھی وہ کچھ دیر اپنے خیالوں میں کھو سی گئی اور پھر سر جھٹک کر مگن انداز میں دوبارہ صفحہ قرطاس پر وہ کہانی اتارنے لگی جو سچی تھی جو محبت سے بھری تھی، جو محبت کرنے والے دلوں کو چھوتی تھی اور سچی محبت کا انجام شاید جدائی پر ہی ہے جس انجام پر ہر نرم دل حساس طبیعت نمناک ہو جائے اس کی بھی آنکھیں کئی بار اشکبار ہوئی تھیں اس کہانی کو لکھتے اور اب بھی ان میں نمی جاگ اٹھی تھی۔

☆☆☆

بے وفائی، نارسائی اور جدائی کی آگ سے میرا تن من جل اٹھا تھا ماہ روز نے مجھے بہت گہری چوٹ لگائی تھی میری جگہ اس نے فیاض کو مجھ پر فوقیت دی تھی، رقابت، حسد، دکھ ریجیکٹ ہونے کی کیفیت سے میں اندر سے بلبلا اٹھا تھا۔

اس نے خود سے ایک بڑی عمر کے تمام سے شکل و صورت کے عام سے طوائف زادے کا انتخاب کیا تھا مجھے مسترد کر کے، ایک بار میرا اعتبار تو کر کے دیکھتی، میری محبت سے اس نے محض چند خدشات سے راہ بدل ڈالی، اس دکھ اور کرب کو مکمل طور پر شاید ہی کوئی سمجھ پائے، بس اسی وقت جا کر میں نے غصے میں ابا جی کے سامنے اپنی نادانی پر معذرت کرتے ہوئے خود کو ماہ روز سے سچی محبت کی در پردہ سزا سناتے ہوئے ماریہ سے شادی کی حامی بھر لی اور ابا جی تو جیسے تیاری کیے بیٹھے تھے جھٹ پٹ نا صرف ہماری شادی ہو گئی بلکہ ابا جی نے فوراً ہی مجھے دوبئی کی نئی برانچ سنبھالنے ماریہ سمیت دوبئی روانہ کر دیا وہاں بزنس کے کاموں میں، میں نے خود کو بے حد مصروف کر ڈالا۔

ماریہ کو میں محبت دے ہی نہیں سکتا تھا وہ تو میں اس روز ماہ روز کی چوکھٹ پر سسکتی ہوئی چھوڑ آیا تھا ماریہ میری بیوی تھی محبوبہ نہیں اور عورت کی حس اس معاملے میں بے حد تیز ہوتی کوئی خاص قسم کی ایکسرے مشین اس کے اندر فٹ ہوتی ہے جس سے وہ اپنے شوہر کی محبت اور خواہش کو بے حد باریکی سے چھان لیتی ہے وہ جان گئی تھی کہ اس کا شوہر اس کے شرعی حقوق تو پورے کر سکتا ہے لیکن محبت کی ایک چھوٹی بوند بھی اس کی بنجر زمین پر نہیں گرا سکتا تھا، خود مختار اور آزاد خیال تو وہ پہلے ہی تھی اس حقیقت کے ادراک کے بعد وہ خود سر ہٹ دھرم اور ضدی بھی ہو گئی تھی، اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے یا اپنی انا کی تسکین کی خاطر مجھے بے حد ستاتی، کاٹ دار لہجے میں گفتگو کرتی، من مانی کرتی اور ابا جی اگر سیر تھے تو وہ ان کے لئے سوا سیر ابا جی کو اس ڈیل میں کاروباری طور پر منافع ہوا ہو تو ہو لیکن ذاتی طور پر یہ ان کے لئے گھاٹے کا سودا ثابت ہوا تھا جس کا وہ کھل کر اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے اماں شروع سے ہی ابا جی کے ساتھ صبر و شکر کے ساتھ نبھا کر رہی تھی اور اب یہی پالیسی ان کی اپنی بہو کے لئے تھی، لیکن میں جتنا ممکن ہوتا اپنی ماں کی دلجوئی ضرور کرتا، شادی کے دس سال بعد فیضان کو اللہ نے ہمیں اولاد نرینہ کے طور پر عطا کیا جس کی تربیت اور پرورش زیادہ تر اماں اور پھر آپا کے ہاتھوں ہوئی ماریہ کے پاس اپنی کلاس کی فضول فیشن زدہ سرگرمیاں سرانجام دینا زیادہ اہم تھا اور صد شکر کہ اسی وجہ سے میرا بیٹا بے حد سلجھا، سوبر اور حساس طبیعت کا سنجیدہ نوجوان تھا ابا جی تو بہو کی تلخ کلامیاں سہتے سہتے آخر کار چند ہی سالوں بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے نہ جانے ان کے دل پر ایسا کیا بوجھ آن پڑا تھا جس کے دباؤ سے رات کے کسی پہر ان کا ہارٹ فیل ہو گیا سوئے تھے مگر صبح اٹھ نہ سکے بس یہی حقیقت ہے انسانی زندگی کی پانی کے بلبلے کی مانند، آپا سکینہ جن کا مرجھایا چہرہ، آنکھوں کی بجھی جوت ان کی ازدواجی زندگی کا چھپا بھید عیاں کرتی تھی، اللہ نے انہیں دو بیٹوں سے نوازا تیمور صاحب کا رویہ بس ایک جاگیردار کا زرخیز خریدی ہوئی زمین جیسا رہا ان کے ساتھ اور پھر ایک روز ایک کار ایکسیڈنٹ میں اللہ نے آپا سے تیمور بھائی اور ان کے دونوں بیٹوں کو بھی ان سے چھین لیا بس چھوٹی زارا جو محض ڈیڑھ سال کی تھی آپا کی گود میں رہ گئی میں نے اس روز بھی آپا کی آنکھوں میں ایک آنسو نہ دیکھا تھا یقیناً وہ آنکھیں اتنا برس چکی تھیں کہ اب آنسوؤں کا قحط اُگ آیا تھا، میں زارا سمیت انہیں اپنے پاس لے آیا اماں بیٹی کی اجڑی صورت زیادہ دن برداشت نہ کر پائیں اور خاموشی سے آنکھیں موند لیں اس دنیا سے، پھپھو ناہید اپنی دونوں بڑی بہنوں اور ہمایوں بھائی کے پاس چلی گئیں کیونکہ آپا کی شادی کے بعد ہمایوں بھائی کبھی اپنے وطن لوٹے ہی نہیں شاید حرماں نصیبوں کی محبت کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے نہ جانے ہم دونوں بہن بھائی کیوں اپنی محبت پانے میں ناکام رہے تھے۔

ماہ روز کی یاد میرے دل و دماغ سے ایک دن ایک پل کے لئے بھی نہ نکل سکی وہ تو میری سانسوں میں آباد ہو چکی تھی اس آخری ملاقات کے بعد اور ماریہ سے شادی کے تقریباً دس سال بعد مجھے ریڈیو اسٹیشن کے قریبی روڈ پر ایک دن فیاض نظر آیا تھا نہ جانے کیوں، دل بے اختیار ہو گیا ہم دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے، بھی بے ساختہ آگے بڑھ کر میں نے اس سے ماہ روز کا حال پوچھ ڈالا تھا اور پھر اس کی منہ زبانی علم ہوا کہ وہ دونوں بہت اچھی پرسکون زندگی گزار رہے ہیں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے

ان دونوں کی ماہ روز اپنے بچوں میں بے حد مگن پرمسرت زندگی گزار رہی ہے اس بات کے بعد میرے پاس اسے کھوجتے ملنے کا کوئی جواز بچا ہی نہ تھا اس لئے میں فیاض کے سامنے سے ہٹ گیا تھا دل کا درد ٹیسیں دینے لگا تھا لیکن اسے بے وفا مان کر بھی میرے دل نے اس سے بے وفائی نہ کی اور نہ ہی اسے جفا کار بے وفا سمجھا میری تنہائی، میرے روز و شب آج بھی اس کی یادوں سے آباد تھے اور اب اس میٹھے درد کا میں اتنا عادی ہو چکا تھا کہ یہ درد مجھے لطف دینے لگا تھا، اختر میرا دوست میرا آج بھی غم گسار اور ہم راز تھا، تنہائی بے کل کرتی تو اس کے گھر چلا جاتا یا اسے بلا لیتا یا پھر ہم دونوں منٹو پارک جا بیٹھتے اور بیتے دنوں کو یاد کر کے خوش ہوتے ایک واحد اختر تھا جس سے میں ماہ روز کی یاد کو بے دھڑک شیئر کر لیا کرتا تھا وہ بہت اچھا سامع تھا۔

☆☆☆

ماضی کا سفر ہمارے موجودہ وقت کی طرح کسی طویل یا گھڑی کی سوئیوں کی قید کا شکار نہیں ہوتا جسے بتانے میں آپ کئی سال لگاتے ہیں اسے یاد کرنے میں اور دہرانے میں محض چند منٹ ہی صرف ہوتے ہیں۔

ماضی کو محض چند لمحوں میں Recall کر کے میں اپنے حال میں آن کھڑا ہوا تھا اس حال میں جہاں زارا میرے سامنے کھڑی تھی، جہاں فیاض موجود تھا اور میں اس رگ جاں کے گھر اتنی طویل مدت کے بعد چلا آیا تھا۔

''ماہ روز...... ماہ روز کہاں ہے فیاض؟'' میں نے دو قدم بڑھ کر اس وحشت زدہ انسان سے عجیب سی بے کلی اور وحشت زدہ لہجے میں سوال کیا مجھے لگ رہا تھا جیسے میرا دل بند ہو جائے گا اگر اس نے کچھ ایسا ویسا کہہ ڈالا۔

''بتاؤ فیاض، جلدی بولو...... ماہ روز کہاں ہے؟'' اس کی خاموشی میرے صبر کا امتحان تھی اس لئے میں چلا ہی پڑا اردگرد کے ماحول سے میں نظریں چرا رہا تھا زارا میری اضطراری کیفیت دیکھ کر میرے قریب چلی آئی پھر مجھے کسی اور بات، کسی راز کے فاش ہونے کا ڈر رہا ہی کب تھا۔

''ماہ روز بی بی...... ماہ روز بی بی تو مٹی ہو گئی کسی کھڑکی کے پٹ کے ساتھ لگ، آپ کی چاپ کی منتظر، گلی میں داخل ہوتے ہی وہ آپ کو کھڑکی سے دیکھ لیتیں اور آپ کی دستک سے پہلے دروازہ کھول دیتی۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے کچھ الجھے انداز میں گویا ہوا ابھی جو چند لمحے اس نے ہوش و حواس کے ساتھ مجھے پہچانا اور مخاطب کیا تھا ایک پل کو لگا اب اس کا فقدان ہے۔

''وہ زندہ ہے، دل کو حوصلہ ہوا لیکن فیاض کی بے ربط باتیں مجھے الجھا بھی رہی تھی آخر وہ اس جگہ پر، اس حلیے اور اس مجذوبانہ حالت میں یہاں کر کیا رہا تھا اسے تو اپنے جوان بچوں اور بیوی کے پاس آرام دہ زندگی گزارتے ہوئے ہونا چاہیے تھا میری ماضی کی داستان۔'' تو اس کے حال کا کچھ ایسا ہی نقشہ کھینچتی تھی، مجھے ماہ روز سے ملنا تھا دل بے تاب اور بے حد بے چین ہو چکا تھا میں اسے ایک بار صرف ایک بار مل کر بتانا چاہتا تھا کہ اس کے بغیر میں نے ایک ایک پل کیسے گیلی لکڑی کی مانند سلگتے گزارا ہے یہ تو مجھے یقین تھا کہ اگر میری سانسیں ابھی تک میرے وجود میں آ جا رہی ہیں تو اس کی وجہ اس کا زندہ ہونا ہی ہے، اگر وہ اس دنیا میں نہیں رہی تو بھلا میرے جینے کا جواز ہی کیا، مجھے اس کی زندگی کا یقین تھا لیکن اس نیک بی بی کی قبر کے پاس نگران بنا کیوں بیٹھا تھا یہ بات مجھے بے حد الجھا رہی تھی، کیا خبر ان کی نبھ نہ سکی ہو اور فیاض یہاں کسی اور کی چاکری کرنے چلا آیا ہو۔

☆☆☆

''ماہ روز کہاں ہے؟ وہ اب کہاں رہ رہی ہے؟ بتاؤ فیاض پلیز مجھے اس کے گھر کا پتہ دو۔'' میں نے فیاض کو جھنجھوڑتے ہوئے اپنا سوال پھر دوہرایا۔

اس نے خاموش نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر پلٹ کر گول محراب کے قریب جا کھڑا ہوا میں نے اسے منتظر بے تاب نظروں سے دیکھا۔

''یہاں پر کھڑے ہو کر اقرار محبت کیا تھا، آپ دونوں نے میں ہمیشہ سائے کی طرح آپ دونوں کے بیچ موجود رہا، سب کچھ سنا تھا میں نے، بالکل حور کی طرح لگ رہی تھی وہ، اس نے آپ کو بتایا تھا ناں کہ اسے اس صحن میں درخت لگوانے کی آرزو ہے دیکھو، دیکھو میں نے اپنے ہاتھوں سے شہتوت کا یہ درخت لگایا اس پر چڑیوں کی چہچہاہٹ ہوتی ہے، بارش میں یہ خوب نہاتا ہے، میں نے، میں نے کی اس کی آرزو پوری، میں نے...... تم نے نہیں...... میں نے۔''

''کس کی...... کس کی قبر ہے یہ؟ فیاض کس کی قبر ہے یہ؟'' اس کی بے ربط باتوں نے میرے گمان کو یقین دے ڈالا تھا، میرے دل کی رفتار سست ہوتی چلی جا رہی تھی، ماحول سے عجیب سی دہشت ہونے لگی تھی، بند کمرے اور ویران عمارت اور صحن کے وسط میں شہتوت کے درخت کے نیچے بنی کچی قبر، مجھے لگا جیسے بہت سی بدروحیں بین ڈال رہی ہو بند کمروں کے پیچھے سے کان لگائے ہماری باتیں سن کر آہ و بکاہ کر رہی ہو۔

''بولو فیاض!...... کس کی قبر ہے یہ؟'' میں نے اپنی حالت سے لاتعلق کھڑے فیاض سے چلاتے ہوئے پوچھا۔

''شیراز بابو! جب دل نے گواہی دے دی اور دماغ نے آگہی تو پھر کیوں پوچھ رہے ہو۔'' اس کے مکمل حواس میں آ کر ٹھہرے ہوئے لہجے نے مجھے بے جان کر ڈالا۔

''نن...... نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا میرا یقین بے یقین ہو چلا تھا جسم سے روح کھنچ رہی تھی۔

''انکل جانی!'' زارا میری حالت سے گھبرا کر میرے قریب چلی آئی اور مجھے سہارا دینا چاہا۔

''فیاض یہ سچ نہیں ہے ناں۔'' میرے لہجے سے سراسرتی آواز نکلی۔

''سچ تو کچھ بھی نہیں ہے اور نہ تھا شیری بابو، آؤ وہاں بیٹھ کر بات کرتے ہیں تمہاری کچھ امانت ہے میرے پاس وہ بھی دینی ہے آؤ، تمہاری ملکیت تمہیں سونپنی ہے۔''

''لیکن فیاض...... ماہ روز......؟'' میں جان کنی کے عالم میں تھا اور وہ اتنا ہی پرسکون۔

''میں نے کہا ناں شیری بابو آؤ وہاں بیٹھ کر بات کر کرتے ہیں سب کچھ بتاتا ہوں تمہیں کیا ہے یہ تم آج جانو گے، ماہ روز کیا ہے یہ بھی تم آج جانو گے اور فیاض کیا ہے یہ بھی۔'' اس کے لہجے اور انداز نے مجھ پر گویا تنویمی کی کیفیت طاری کر دی تھی اور میں اسی حالت میں اس کے پیچھے فرماں بردار معمول کی طرح چلتا ہوا شہتوت کے دائیں جانب چھوٹے سے چبوترے پر آن بیٹھا فیاض نے شہتوت کے تنے کے پاس رکھی چھوٹی سی سرخ کپڑے میں لپٹی گھڑی اٹھا کر میری گود میں رکھی اور تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا میں اس کے مکمل ٹرانس میں تھا۔

''جب میں اس دنیا میں آیا کسی کو رتی بھر خوشی نہ ہوئی، میں ماہ روز کی رشتے میں خالہ کا بیٹا تھا، اصل میں شیری بابو دو جگہوں پر نر کے پیدا

ہونے پر افسوس کیا جاتا ہے جب کسی کی پالتو گائے بھینس کے ہاں نر پیدا ہو یا پھر کسی طوائف کے گھر ان کی کمائی کا ذریعہ جو نہیں ہوتا بس اونی پونی کمائی میں ان سب کے لئے عضو معطل تھا اس پر ستم یہ کہ ماں میری پیدائش کے دوان ہی مرگئی تھی گویا ہوتی ہوئی کمائی بھی رک گئی، باپ کی کچھ خبر نہ تھی، کسی کو ہار لا دیئے کسی کو پان تھما دیا کچھ بڑا ہوا تو ترس کھا کر کسی نے طبلہ بجانا سکھا دیا اور پھر ماہ روز کی نانی نے مجھے اپنے کوٹھے پر طبلہ بجانے والا رکھ لیا، اس وقت ماہ روز نے میٹرک کیا تھا میں اسے بچپن سے دیکھتا آ رہا تھا اور کیا خبر مجھے اس سے کب محبت ہو گئی، بھلا مجھ جیسے بیکار، فضول اور کم صورت کی جرات دیکھوں ایک پری سے محبت کر بیٹھا میں تو اب بس اس کے در کا کتا تھا اور آج بھی ہوں۔'' کچھ توقف کے بعد اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کو اپنی اور ماہ روز کی آخری ملاقات تو یاد ہے ناں۔'' میں محض اثبات میں سر ہلا سکا۔

''اس روز اس نے اپنی اور میری شادی کی اطلاع آپ کو دی تھی یہی کہا تھا ناں اس نے کہ ہمارا کل شام کو نکاح ہو چکا ہے۔'' وہ پھر رکا اور ایک لمبی آہ بھرتے ہوئے پھر بولا۔

''جھوٹ تھا، شیری بابو سب جھوٹ تھا۔''

اس کے انکشاف پر میرے وجود کو ایک جھٹکا لگا میں جو کچھ دیر قبل تنویمی کیفیت میں تھا حیرت کے جھٹکے سے اس میں سے نکل آیا، میرے کچھ کہنے اور بولنے سے پہلے ہی وہ بول اٹھا۔

''آپ کی آمد سے کچھ دیر پہلے آپ کے والد صاحب تشریف لائے تھے، لڑے جھگڑے نہ طعنہ زنی کچھ بھی نہیں کیا نہ دولت کا لالچ سب بے حد واضح اور ٹھہرے ہوئے انداز میں اپنا مدعا بیان کیا اور میری ماہ روز کا سب کچھ چھین لیا انہوں نے ماہ روز کے قدموں میں اپنی ٹوپی اتار کر رکھ دی تھی، اس کی رگوں میں دوڑنے والے اعلیٰ خاندان کے خون کا واسطہ دیا تھا وہ شیراز کو اس طرح سے چھوڑ دے کہ وہ ماہ روز سے نفرت کرنے لگے، ہاتھ باندھ کر گڑگڑانے لگے اور اس وقت تک ماہ روز کے قدموں سے نہ اٹھے جب تک ماہ روز یہ عہد نہ دے لیا کہ آج کے بعد شیراز، ماہ روز سے کبھی نہیں ملے گا، لوٹ لیا میری معصوم ماہ روز کو اس مکار شخص نے، ماہ روز ایک بوڑھے باپ کے مگرمچھ کے آنسوؤں کے آگے اپنی محبت ہار گئی، ہار گئی، وہ زمانے کی چالبازی کے ہاتھوں ہار گئی۔''

''آپ کے آنے پر اس نے جھوٹ موٹ کا شادی کا ڈرامہ کیا اور آپ کے جانے کے بعد وہ لٹی پٹی، دھاڑیں مار مار کر رونے لگی اپنے زیور اپنا سجا روپ نوچ نوچ کر اتارنے لگی اس کی آہ بکاہ میرے سینے کو چھلنی کرنے لگی میں نے بھاگ کر آپ کو بلا لانا چاہا مگر اس نے مجھے میری خاموش محبت کا واسطہ دے ڈالا وہ کہنے لگی کہ صاحب جی مجھے جانا ہی ناں ورنہ دیکھتے تو آج ماہ روز نے سرخ لباس پہن رکھا ہے اپنے ارمانوں کے خون کو اوڑھ رکھا ہے، ان کا آخری وعدہ تمام عمر نبھاؤں گی تمام عمر انہیں یہ بے وفا صورت نہ دکھاؤں گی یہی وعدہ کیا ہے ناں انہوں نے مجھ سے، نبھاؤں گی صاحب جی نبھاؤں گی۔''

''گانا تو آپ کے کہنے پر وہ چھوڑ ہی چکی تھی، اللہ سے لو لگا لی پانچ وقت کی نمازی تو پہلے بھی تھی اب تو ساری ساری رات جاگ کر عبادت کرنے لگی تھی، کہتی تھی جب دل کو صاحب جی کی تانگ لگتی ہے تو اس مالک رحیم کو پکارنے لگتی ہوں ایک دم اٹھ کر قرآن کھول کر پڑھنے لگتی، طوائفیں اپنی چند ایک کم سن بچیاں سپارے پڑھانے کے لئے بھیجنے لگیں، وہ بغیر کسی ہدیے کے انہیں پڑھاتی، اس کی دعاؤں میں اثر پیدا ہونے لگا تھا سچ مچ شیری بابو، جو کوئی بھی دکھی اور محبت کی ماری آ کر اس سے اپنے دل کا حال کہہ کر جاتی پرسکون ہو جاتی، جو کوئی اس سے دعا کرواتی پوری ہو جاتی اور یوں اس کی شہرت بڑھنے لگی، لیکن اسے یہ سب نہیں چاہیے تھا، پسند نہیں تھا، اسے یہ سب کچھ وہ تو کہتی تھی مجھ جیسی بدنصیب کون ایک بشر کی جدائی کی تانگ ستاتی ہے تو اللہ کے در کو بے چینی سے کھٹکھٹانے لگتی ہوں، دعا مانگتی ہوں کہ سکون دے دیں میں نے کون سا عشق مجازی کو عشق حقیقی میں ڈھالا ہے جو یہ لوگ مجھ سے دعائیں کرواتے ہیں جب اپنی آہ زاری کرتی ہوں تو دوسرے کی بھی کر دیتی ہوں مرضی مالک کی مانے یہ ناں مانے کوئی اگر یہ کہہ کر ہدیہ لے کر آتا کہ اس کی دعا اس کے حق میں پوری ہوئی تو خفگی سے ہدیہ لٹا دیتی اور پھر ساری ساری رات سجدے میں گر گر شکر ادا کرتی اور کہتی کہ اللہ میں تو گناہ گار ہوں سیاہ کار ہوں اور تو مجھے اتنا مان دے ڈالتا ہے میں تو ایک تیرے ایک بندے کا دل دکھانے کا باعث ہوں، جانتی ہوں وہ مجھے بھولا نہ ہوگا، جانتی ہوں میرے بغیر ادھوری اور اذیت پسند زندگی گزار رہا ہوگا، پر کیا کرتی اس کے باپ نے مجھے اپنے آنسوؤں کے شکنجے میں جکڑ لیا۔''

بار ہا اس نے مجھے کہا کہ میں کہیں اور چلا جاؤں اس کی کسمپرسی غربت بھری فاقہ زدہ زندگی کا حصہ نہ بنوں لیکن میں تو اس کے در کا کتا تھا، دھتکارتی بھی تو دم ہلاتا اس کے قدموں میں ہی لوٹتا۔

''میں واقعی کتا تھا، اپنے مالک کا وفادار کتا لیکن اپنے مالک کو کسی اور کا نہ ہونے دینے والا ایسا نہ ہوتا تو اس روز جب آپ مجھے سڑک پر ملے تھے اس کی قسم توڑ کر آپ کو سب کچھ سچ بتا ڈالتا بتا دیتا کہ شیری بابو وہ آج بھی آپ کی محبت اپنے نام کے ساتھ جوڑے بیٹھی ہے، منتظر ہے آپ کی، آپ کے آخری وعدے پر خود کو پابند کیے بیٹھی ہے، لیکن میرے اندر حسد اور رقابت جاگ اٹھی اور میں نے جھوٹ بول دیا ہماری شادی نہیں ہوئی تھی تو بیٹا بیٹی کا کیا سوال، اگر اس دن میں سب کچھ سچ بتا دیتا تو آپ اس سے مل لیتے اور مجھ سے جدا کر ڈالتے، وہ آپ کی تھی میں جانتا اور مانتا تھا مگر تھی تو میری نظروں کے سامنے، اٹھتے بیٹھتے آپ کے نام کی تسبیح کرتی تھی پر سنتا تو میں تھا ناں اور ایک بار پھر آپ دونوں کے نصیب میں جدائی لکھی گئی، پہلی بار آپ کے والد نے لکھی اور دوسری بار میں نے۔''

''آپ سے جدا ہو کر وہ بارہ سال تک زندہ رہی کبھی کہتی فیاض، صاحب جی نے اس روز میری آنکھوں بجھتی جوت اور میرے لہجے کی کپکپاہٹ پر غور کیا ہوتا مگر انہیں غصے میں یہ سب کچھ نظر ہی کب آیا بہت غصہ تھا میرے صاحب جی میں، ان کی محبت یہ جان ہی نہ پائی کہ ماہ روز جھوٹ بول رہی ہے جس کے روم روم میں ان کی محبت بسی ہے وہ بے وفا کیسے ہو سکتی ہے، ایک طوائف وفا کیوں نہیں نبھا سکتی، میں ثابت کروں گی کہ ایک طوائف بھی باوفا ہو سکتی ہے، نہ جانے کیسا روگ لگا لیا تھا اس نے خود کو جو دیمک کی طرح چاٹ گیا اسے نہ اچھا کھانا نہ اچھا پہننا، سارا دن ہاتھوں سے بان کے پنکھے بنتی نہ جانے یہ فن اس نے کہاں سے سیکھا، اپنی حسین، دودھیا انگلیوں کو زخمی کرتی میں ان پنکھوں کو بازار میں بیچ آتا اور یوں ایک دو وقت کی روٹی کا آسرا بنتا کبھی مزدوری کر آتا تو زندگی کو گھسیٹ لیتے۔''

یہ سب سن کر میرا دل پھٹا جا رہا تھا آنسو ایک تسلسل سے میرے گریبان کو بھگوتے چلے جا رہے تھے جس بے وفائی اور نارسائی کی آگ میں میں جلا وہ تو میری تھی ہی نہیں میں اسے بے وفا مان کر بھی خود کو اس سے جدا نہ کر پایا اور وہ تو بے وفا تھی ہی نہیں عجیب سا کرب پھیلتا جا رہا تھا میرے وجود میں اور پھر میں فیاض کو سننے لگا وہ اپنی یادوں اپنی کرب ناک یادوں میں کھویا ہوا تھا اور کھوئے کھوئے سے لہجے میں پھر بولا۔

''جس رات اس کا جدا ہونے کا وقت آیا اس نے چارپائی مجھ سے کہہ کر سیڑھیوں کے دروازے کے پاس ڈلوائی، اتنے برسوں سے کبھی اس نے گایا نہیں تھا بس دروازے کو دیکھتی جاتی اور شعر گنگناتی جاتی ایک شعر کی تو رٹ ہی لگا لی۔''

ہم تو ٹھہرے اجنبی اتنی مدارتوں کے بعد

کبھی کہتی فیاض نہ جانے کیوں دل چاہ رہا ہے کہ آج ہر قسم توڑ دوں اور آخری بار ان سے ملاقات کر لوں، کاش میں بند ہوتی آنکھوں میں ان کی صورت لے کر مرتی میں نے جانا چاہا بضد ہونا چاہا مگر اس نے اپنی قسم دے کر روک لیا، باہر بارش بھی خوب برس رہی تھی اور پھر اس کی بگڑتی حالت نے مجھے ہلنے نہ دیا میں تو بس بے بس سا روئے جا رہا تھا میری محبت شیری بابو، میری محبت میرے سامنے تڑپ رہی تھی، بلک رہی تھی اور زندگی کی ڈور اس کے ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی تھی اور میں کچھ بھی نہ کر پا رہا تھا کچھ بھی ناں، کہنے لگی ہماری پہلی ملاقات کا سبب یہ بارش بنی تھی مجھے بے حد اچھی لگتی ہے یہ..... اور پھر مجھے مخاطب کیا۔

''فیاض دو تین سال قبل صاحب جی کی بیوی مجھ سے اولاد کی دعا کروانے آئی تھی وہ جس ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی وہی ڈرائیور صاحب جی کے والد کے ساتھ آیا تھا میں نے کھڑکی میں سے دیکھا اسے گاڑی میں بیٹھے اور پھر فیروز علی تنہا میرے چوبارے پر آیا تھا پہچان لیا تھا میں نے اسے صاحب جی کی بیوی کے ساتھ دیکھ کر تب میں نے چالیس دن وظیفہ کیا تھا ساری رات کھڑے ہو کر التجائیں کی تھیں سورہ مریم کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا بس ان دنوں اٹھتے بیٹھتے ایک ہی دعا تھی رب کریم سے کہ اے اللہ میرے صاحب جی کو بیٹا دے دے بے شک ایک ہی دے دے لیکن اس کی زندگی میں میرے علاوہ کوئی اور کمی کوئی محرومی نہ رکھنا، اسے ترسانا نہ اور..... اور ایک سال بعد جب وہی ڈرائیور بہترین قیمتی کپڑے اور نوٹوں کی چند گڈیاں نذرانے کے طور پر لایا تھا تو میں جو ٹھکرا دیتی تھی اسے نذرانوں کو بڑھ کر تھام لیا تھا، کیا خبر ان کپڑوں کو میرے صاحب جی نے اپنے ہاتھوں سے چھوا ہو، نوٹوں کی گڈی خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے گن کر دی ہو وہ چیزیں ایک سرخ کپڑے میں بندھی پڑی ہے جسے میں کئی بار چھو چھو کر اپنے صاحب جی کی خوشبو اور لمس محسوس کرنا چاہے، فیاض وہ جب کبھی بھی آئے اسے لوٹا دینا، فیاض میری قبر کا مزار نہ بننے دینا یہ ایک بدنصیب، گناہ گار کی منتظر گاہ ہی رہنی چاہیے، بس میرے کتبے پر ''بی بی صاحب'' لکھوانا ماہ روز مت لکھوانا، ماہ روز تو اسی دن مرگئی تھی جب صاحب جی نے اسے طوائف اور بے وفا کہا تھا۔''

اس نے چند باتیں مجھ سے بے حد اٹک اٹک کر کیں اور پھر اس کی اکھڑتی سانسیں تھم گئی بمشکل کلمہ ادا ہوا اس کے خاموش برف ہوتے ہونٹوں سے مگر اس کی ساکن نگاہیں دروازے پر جمی رہ گئی، وہ آپ کا آخری لمحے تک انتظار کرتی چلی گئی اس دنیا سے وہ بے وفا نہ تھی شیری بابو،

میں نے اسے ملنے نہ دیا اور وہ میری خاطر بھی نہ جی سکی، میں ایک پچھاوے کی آگ میں جل رہا ہوں کس سے معافی مانگوں تم لوگ مجھے معاف کر دو تو میں خود کو تمام عمر معاف نہیں کروں گا، نہیں کروں گا میں خود کو معاف، اتنا کہہ کر فیاض دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

اور میں..... میں کیا کروں مجھے کچھ سمجھ ہی نہ آ رہی تھی کیوں نہ کتبے کو دیکھ کر میں جان گیا کہ یہ میری ماہ روز کی قبر ہے، میں دیوانہ وار اٹھا اور ماہ روز کی قبر سے لپٹ کر بچوں کی طرح رونے لگا بین ڈالنے لگا، سر پٹخنے لگا، مجھے گردونواح کا کچھ ہوش نہ تھا ایک درد تھا جو رگ و جاں میں سے نکل نکل کر پھر وجود میں سما رہا تھا۔

''یہ کیا کر دیا میں نے..... ایک بار پکارتی تو..... تم طوائف نہیں تھی، تم بے وفا بھی نہیں تھی بس تم میری ماہ روز تھی وہ چاند تھی جو روز نکلتا ہے رات کے اندھیرے میں ہم بدنصیبوں کو چاندنی بانٹنے، ماہ روز کیسے جیوؤں گا اب میں..... بولو..... کیسے جیوؤں گا، ماہ روز..... ماہ روز، میری ماہ روز۔'' میں نہ جانے کتنی دیر قبر سے لپٹا روتا رہا تھا، بلکتا رہا تھا اور پھر زارا مجھے کیسے اور کن مشکل سے سنبھالتے ہوئے گھر لائی تھی کچھ خبر نہ تھی سب کچھ معلوم ہو گیا مگر اب مجھے کچھ خبر نہ تھی۔

☆☆☆

''کیا یہ آپ کا پہلا ناول ہے اس سے قبل تو آپ ایک مشہور اخبار میں کالم ہی لکھا کرتی تھیں؟'' ایک صحافی نے سوال اٹھایا۔

''جی ہاں یہ میرا پہلا ناول ہے۔''

''اسے لکھنے کی کوئی خاص وجہ؟''

''تحریر سے میرا تعلق ہے گو تکنیکی طور پر ایک اردو کی مختلف صنف ہے یہ کہانی میرے دل کے بے حد قریب ہے اس لئے میں نے اسے لکھا۔''

"کیا یہ بھی ایک روایتی مرد اور عورت کی محبت کی کہانی یا آپ نے کوئی مختلف اور منفرد موضوع روئے سخن بنایا ہے؟" ایک صحافی نے سوال اچھا کیا۔

"بقول ڈاکٹر انور سجاد کے کہانی تو ایک ہی ہے حوا اور آدم کی کہانی بس محسوس کرنے اور لکھنے کا ادناز مختلف ہے ورنہ اس کائنات میں کہانی تو ایک ہی ہے۔"

"ناول کا انتساب اپنے مرحول سسر شیراز علی کے نام کرنے کی کوئی خاص وجہ؟"

"جی اس بات سے بھی بالاتر کہ ان سے میرا احترام اور محبت کا اٹوٹ جذبہ تھا، ان کی جدائی نے مجھے بے حد ڈپریس کیا تھا اور پھر انہی کی یاد میں میں نے خود کو قلم کے کھیل میں مصروف کیا اور ان سب سے بڑھ کر اس ناول کا آئیڈیا انہوں نے ہی مجھے دیا تھا اس لئے میں نے انتساب ان کے نام کیا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ جہاں کبھی مجھے کہانی الجھی لگی اور لکھنے میں رکاوٹ ہوئی میں نے آنکھیں موند کر دل ہی دل میں ان کے تصور سے ڈسکس کر لیا اور میری ہر الجھن دور ہو گئی تو بتائیے اس انتساب کے مستحق ان سے بڑھ کر کون ہو سکتے تھے۔" زارا نے کافی تفصیل سے جواب دیا آج اس کے ناول "شہریار" کی رونمائی کی تقریب تھی جو باخیر وخوبی انجام پائی واپسی پر اپنے شوہر فیضان کے سنگ گاڑی میں بیٹھے وہ بے حد خاموش سی تھی مگر دل میں وہ کسی سے مخاطب تھی۔

"انکل جانی میں نے آپ کی محبت کو اس ناول کی صورت میں محفوظ کر لیا ہے یہ کہانی جو بہت سے جدا ہوتے دلوں کو جدا ہونے سے بچائے گی اسے لکھنے کا یہی مقصد ہے غلط فہمی اور غصہ خالص سچی محبت کو کھا جاتا ہے یہ ہم سب کو

میں نے اسے ملنے نہ دیا اور وہ میری خاطر بھی نہ جی سکی، میں ایک پچھاوے کی آگ میں جل رہا ہوں کس سے معافی مانگوں تم لوگ مجھے معاف کر دو تو میں خود کو تمام عمر معاف نہیں کروں گا، نہیں کروں گا میں خود کو معاف، اتنا کہہ کر فیاض دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

اور میں...... میں کیا کروں مجھے کچھ سمجھ ہی نہ آ رہی تھی کیوں نہ کتبے کو دیکھ کر میں جان گیا کہ یہ میری ماہ روز کی قبر ہے، میں دیوانہ وار اٹھا اور ماہ روز کی قبر سے لپٹ کر بچوں کی طرح رونے لگا بین ڈالنے لگا، سر پٹخنے لگا، مجھے گرد ونواح کا کچھ ہوش نہ تھا ایک درد تھا جو رگ وجاں میں سے نکل نکل کر پھر وجود میں سما رہا تھا۔

"یہ کیا کر دیا میں نے...... ایک بار پکارتی تو...... تم طوائف نہیں تھی، تم بے وفا بھی نہیں تھی بس تم میری ماہ روز تھی وہ چاند تھی جو روز نکلتا ہے رات کے اندھیرے میں ہم بدنصیبوں کو چاندنی بانٹنے، ماہ روز کیسے جیوؤں گا اب میں...... بولو...... کیسے جیوؤں گا، ماہ روز...... ماہ روز، میری ماہ روز۔" میں نہ جانے کتنی دیر قبر سے لپٹا روتا رہا تھا، بلکتا رہا تھا اور پھر زارا مجھے کیسے اور کن مشکل سے سنبھالتے ہوئے گھر لائی تھی کچھ خبر نہ تھی سب کچھ معلوم ہو گیا مگر اب مجھے کچھ خبر نہ تھی۔

☆☆☆

"کیا یہ آپ کا پہلا ناول ہے اس سے قبل تو آپ ایک مشہور اخبار میں کالم ہی لکھا کرتی تھیں؟" ایک صحافی نے سوال اٹھایا۔

"جی ہاں یہ میر پہلا ناول ہے۔"

"اسے لکھنے کی کوئی خاص وجہ؟"

"تحریر سے میرا تعلق ہے گو تکنیکی طور پر ایک اردو کی مختلف صنف ہے یہ کہانی میرے دل کے بے حد قریب ہے اس لئے میں نے اسے لکھا۔"

"کیا یہ بھی ایک روایتی مرد اور عورت کی محبت کی کہانی یا آپ نے کوئی مختلف اور منفرد موضوع روئے سخن بنایا ہے؟" ایک صحافی نے سوال اچھا کیا۔

"بقول ڈاکٹر انور سجاد کے کہانی تو ایک ہی ہے حوا اور آدم کی کہانی بس محسوس کرنے اور لکھنے کا ادناز مختلف ہے ورنہ اس کائنات میں کہانی تو ایک ہی ہے۔"

"ناول کا انتساب اپنے مرحول سسر شیراز علی کے نام کرنے کی کوئی خاص وجہ؟"

"جی اس بات سے بھی بالاتر کہ ان سے میرا احترام اور محبت کا اٹوٹ جذبہ تھا، ان کی جدائی نے مجھے بے حد ڈپریس کیا تھا اور پھر انہی کی یاد میں میں نے خود کو قلم کے کھیل میں مصروف کیا اور ان سب سے بڑھ کر اس ناول کا آئیڈیا انہوں نے ہی مجھے دیا تھا اس لئے میں نے انتساب ان کے نام کیا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ جہاں کبھی مجھے کہانی الجھی لگی اور لکھنے میں رکاوٹ ہوئی میں نے آنکھیں موند کر دل ہی دل میں ان کے تصور سے ڈسکس کر لیا اور میری ہر الجھن دور ہو گئی تو بتائیے اس انتساب کے مستحق ان سے بڑھ کر کون ہو سکتے تھے۔" زارا نے کافی تفصیل سے جواب دیا آج اس کے ناول "شہریار" کی رونمائی کی تقریب تھی جو باخیر وخوبی انجام پائی واپسی پر اپنے شوہر فیضان کے سنگ گاڑی میں بیٹھے وہ بے حد خاموش سی تھی مگر دل میں وہ کسی سے مخاطب تھی۔

"انکل جانی میں نے آپ کی محبت کو اس ناول کی صورت میں محفوظ کر لیا ہے یہ کہانی جو بہت سے جدا ہوتے دلوں کو جدا ہونے سے بچائے گی اسے لکھنے کا یہی مقصد ہے غلط فہمی اور غصہ خالص سچی محبت کو کھا جاتا ہے یہ ہم سب کو

سمجھنا ہوگا تا کہ ہم اپنے باقی رشتوں میں خالص ہو کر جی سکے اور آخر میں معذرت بھی میں بتا نہ پائی کہ اس ناول کو آپ کے نام کرنے کی سب سے بڑی وجہ وہ آخری صفحات ہیں جو مجھے آپ کی رائٹنگ ٹیبل سے ملے اور میں نے اسی طرح سے کاپی کر کے اس ناول کا انجام لکھ ڈالا اس ناول کا انجام آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے یہ میرا ناول نہیں آپ کا اور ماہ روز جی کا ناول ہے۔"

☆☆☆

"وقت میرے لئے ٹھہر سا گیا تھا، میں نہیں جانتا کتنے پل، کتنے گھنٹے اور کتنے دن بیت چکے تھے یا پھر کوئی بھی دن نہیں، یہ آتی جاتی سانسیں تو گویا اک سزا تھیں، میں دوبارہ ماہ روز کی قبر پر نہیں گیا تھا جانتا ہوں کہ اس نے آج بھی ساعت دہلیز پر ہی رکھی ہوگی، جان گیا تھا کہ میرے قدموں کی چاپ، اسے آج بھی بے کل و بے چین کر دے گی، دل مچل کر اس کے پاس جانا چاہتا، میں روک لیتا، جی چاہتا ڈھیروں باتیں اس کے بنا بتائی زندگی اور اس کے ساتھ نبھائی زندگی کی اس کی قبر کے سرہانے بیٹھ کر کروں مگر میں ایسا نہ کرتا میں اب خود کو سزا دینا چاہتا تھا، ایک دو بار اس کی قبر پر جاتا روتا کرلاتا، معافی مانگتا تو شاید دل کو قرار آ جاتا جو مجھے اب کسی صورت منظور نہ تھا میں خود اذیت پسندی کی کیفیت میں ہی رہنا چاہتا تھا وہ وعدہ جس کی لاج اس بے گناہ فرد کی طرح نبھائی بنا ثبوت کے سزا سنا دی جائے اب میں اس وعدہ کو اپنے لئے سزا کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا۔"

ہر روز ایک یہی بات سوچتا ہوں ایک ہی سوال پوچھتا ہوں کہ ہم تینوں میں کون محبت میں اناڑی نکلا جہاں اتنی سچی لگن تھی وہاں تینوں ہی

میرے ہمسفر ہوئے

حمیرا خان

کے نصیب میں جدائی کیوں آئی وہ کیا وجہ ہے فیاض کی خاموش، ڈری محبت یا پھر اس کا خاموش جذبہ رقابت، جو ہمیشہ کے لئے ہمیں جدا کر گیا وہ تو گواہ تھا ہماری سچی محبت کا اپنے دل کے ہاتھوں مجبور اپنے محبوب کی چوکھٹ پر بیٹھا اپنے محبوب کو کسی اور کا محبوب بنا دیکھتا رہتا تھا ہمارے درمیان اٹھنے والی محبت کی خوشبو کو اپنی آتی جاتی سانس کے ساتھ اپنے جلتے سینے میں اتارتا رہتا تھا، سی تک نہ کرتا تھا اور آخری وقت تک اس نے ماہ روز اپنی محبت نبھائی، بغیر کسی خراج کے بغیر کسی صلے کے، مگر شاید اس نے صلہ مانگ ہی لیا تھا۔

میں شیراز علی، ماہ روز کا صاحب جی، میں نے ماہ روز سے ٹوٹ کر محبت کی اس سے جدا ہو کر بھی اسے خود سے جدا نہ کیا ہر آتی جاتی سانسوں میں اس کی یاد کو بسائے رکھا اس کا نہ ہو سکا تو پھر کسی کا بھی نہ ہو سکا لیکن چوک گیا، بھول کر بیٹھا اپنی غصیلی طبیعت کے ہاتھوں میں نے مات کھائی کاش میں ایک بار آرام سے تحمل سے اس ساری صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرتا، سچ ہی تو کہتی تھی ماہ روز کہ کیوں نہ دیکھ پایا کہ اس آخری ملاقات میں اس نے سرخ لباس پہن رکھا ہے کیوں نہ سمجھ پایا اس کے زرد پڑتے چہرے کی تحریر کو کیوں، کیوں آخر کیوں؟

"ماہ روز، میری ماہی وہ محبت میں اناڑی نہیں تھی، سچی تھی، کھری تھی مگر سادہ دل اور معصوم بھی وقت کی شاطر چال کو سمجھ نہ پائی تبھی تو اپنے رحم دل ہاتھوں مجبور ہو گئی اپنی ماں کی زندگی کے ڈر اور اندیشے کے آگے میری محبت کو زمانے کو سونپ دینا چاہا، میری خاطر اس نے اپنا تن من سبھی کچھ مٹا ڈالا لیکن ایک بار بھی میری محبت کو نہ آزمایا۔"

مجھے ان سوالوں کے جواب نہیں ملتے، کاش کوئی ہو جو مجھے بتا سکے کہ جب ہم تینوں ہی اپنی محبت میں کندن تھے تو پھر ہم تینوں ہی کیوں نامراد ہو گئے تو شاید دل کا یہ درد کم ہو سکے کاش کوئی مجھے جواب دے سکے۔

لیکن دل کا یہ بڑھتا درد نہ جانے مجھے جواب سننے کی مہلت دے بھی یا نہیں اس وقت مجھے فیض احمد فیض کی نظم "ہارٹ اٹیک" یاد آ رہی ہے۔

درد اتنا تھا کہ اس رات دل وحشی نے
ہر رگ جاں سے الجھنا چاہا
ہر بن مو سے ٹپکنا چاہا
اور کہیں دور، تیرے صحن چمن میں گویا
پتا پتا مرے افسردہ لہو میں ڈھل کر
حسن مہتاب سے آزردہ نظر آنے لگا
میرے ویرانہ تن میں گویا
سارے دکھتے ہوئے ریشوں کی طنابیں کھل کر
سلسلہ وار پتا دینے لگیں
رخصت قافلہ شوق کی تیاری کا
اور جب یاد کی بجھتی ہوئی شمعوں میں نظر آیا کہیں
ایک پل، آخری لمحہ تری دلداری کا
درد اتنا تھا کہ اس سے بھی گزرنا چاہا
ہم نے چاہا بھی، مگر دل نہ ٹھہرنا چاہا۔

''کیا ہوا ہے؟'' کالج سے واپسی پر گھر میں داخل ہوتے ہی غیر معمولی سناٹے نے اس کا استقبال کیا تھا وجہ سے کسی حد تک واقف ہونے کے باوجود وہ نازیہ سے پوچھ بیٹھی۔

''وہی جو ہمیشہ ہوتا ہے۔'' جواب بھی حسب توقع تھا، بیگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ کپڑے بدلنے کے بعد منہ ہاتھ دھو کر فریش ہوئی پھر کھانا لینے کے لئے کچن کی طرف چل دی گھر پہنچ کر عام طور پر انسان کی تھکن میں کمی ہو جاتی ہے لیکن ہمیشہ کی طرح گھر پہنچنے پر اس کی تھکن میں اضافہ ہوا تھا، جو بھی ہو پیٹ کا دوزخ تو بھرنا ہی تھا۔

''پتا نہیں کون صحیح ہے اور کون غلط۔'' کچن سے نکلتے ہوئے اس نے سائرہ بیگم کے کمرے کی طرف ایک نظر ڈالتے ہوئے سوچا اور پھر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

سائرہ اور احمد کے بچوں میں تین بیٹیاں اور ایک بیٹا علی شامل تھے، سب سے بڑی شازیہ اس سے چھوٹی نازیہ اور تیسرے نمبر پر وہ خود تھی، علی شازیہ سے چھوٹا مگر باقی دونوں بہنوں سے بڑا تھا، احمد ایک پرائیویٹ کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھے جبکہ سائرہ مکمل طور پر ایک ہاؤس وائف تھیں، شازیہ کو ماسٹرز کیے کئی سال گزر گئے تھے، پڑھائی میں اب اس کی دلچسپی ختم ہو چکی تھی اور وہ بس پیا دیس جانے کے انتظار میں تھی، جبکہ علی نے ابھی ایم بی اے مکمل کیا تھا اور ملک کے دوسرے نوجوانوں کی طرح آج کل ایک اچھی جاب کی تلاش میں تھا، نازیہ ماسٹرز کر رہی تھی جبکہ وہ خود بی اے کے آخری سال میں تھی، ایک معقول آمدنی چار تعلیم یافتہ بچے اور ایک خوبصورت گھر بظاہر ان کی زندگیوں میں کوئی مسئلہ دکھائی نہیں دیتا تھا یہ تو کوئی سائرہ بیگم سے پوچھتا کہ ان کے لئے زندگی کس قدر دشوار تھی، انسان بھی عجیب ہوتا ہے مسائل سے بھاگنے کی کوشش میں بھی اپنے لئے مسائل جمع کرتا رہتا ہے ایسا ہی کچھ سائرہ بیگم کے ساتھ بھی تھا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے سونیا نہ جانے کب نیند کی گود میں پناہ لے چکی تھی۔

''اٹھ جاؤ مغرب کا وقت ہونے والا ہے۔'' شازیہ کی آواز پر وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی کیونکہ اسے آج ایک بہت ضروری اسائنمنٹ پوری کرنا تھی۔

''امی جاگ گئیں؟''

''ہاں۔'' شازیہ کا جواب مختصر تھا۔

''ابو اور علی گھر پر نہیں ہیں؟''

''نہیں، ابو آج آفس سے لیٹ آئیں گے اور علی صبح سے پھپھو کی طرف گیا ہوا ہے شاید رات وہیں رہے۔''

''ہونہہ۔'' سونیا بال سمیٹتی بستر سے اٹھ گئی، نازیہ اپنے بستر پر بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی، جبکہ شازیہ بیڈ سے ٹیک لگائے خلاؤں میں گھور رہی تھی۔

''میں چائے بنانے جا رہی ہوں تم لوگوں کے لئے بھی بنا لاؤں؟'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے ماحول کی سنجیدگی کو کم کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں۔'' دونوں کا جواب ایک ساتھ آیا تھا، دونوں کے چہروں پر حد درجہ سنجیدگی اور بیزاری دیکھ کر یکلخت اسے وحشت نے آ گھیرا۔

''پلیز آپی خود کو ریلیکس کریں آپ کو تو پتا ہے امی کی عادت کا، پھر اتنی ٹینشن لے کر اپنی حالت کیوں خراب کرتی ہیں؟ پلیز اس دائرے سے باہر نکلیں زندگی کا لطف لیں دیکھیں تو زندگی کتنی خوبصورت ہے۔''

''تمہارے لئے یہ کہنا بہت آسان ہے کیونکہ روز روز تماشا ہم لوگ بنتے ہیں میڈم۔''

''انجام تو میرا ابھی یہی کچھ ہونا ہے۔'' سونیا کے اداسی سے کہنے پر شازیہ کو اپنے لہجے کی تلخی کا احساس ہوا وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے ہی سونیا کمرے سے جا چکی تھی، شازیہ کو افسردگی نے آن گھیرا۔

''خوامخواہ ہی سونیا کا موڈ خراب کیا اس کا اس میں کیا قصور۔'' شازیہ کے کہنے پر نازیہ نے میگزین سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا اور پھر سے میگزین کی طرف متوجہ ہو گئی جیسے سمجھ ہی نہ آئی ہو کہ اس موقع پر اسے کیا کہنا چاہیے یا شاید کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

''السلام علیکم امی! اٹھیں چائے پی لیں۔'' دونوں بہنوں کو چائے دے کر وہ اپنی اور امی کی چائے لئے ان کے کمرے میں آ گئی تھی، سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کپ تھام لیا۔

''طبیعت کیسی ہے آپ کی؟'' سائرہ نے چائے ختم کر کے کپ رکھا تو وہ پوچھنے لگی، امی کا موڈ ٹھیک کرنا ضروری تھا تاکہ گھر میں چھائی اداسی اور خاموشی ختم ہو سکے تبھی وہ اسائنمنٹ بعد میں کرنے کا سوچ کر ان کے پاس آ گئی تھی۔

''بس تھوڑا سر میں درد تھا اب ٹھیک ہوں۔''

''سر دبا دوں آپ کا؟'' وہ کتنی ہی ضدی اور خود سر سہی تھی تو اس کی ماں ہی وہ بے ساختہ ہی ان کے سرہانے آ بیٹھی اور دھیرے دھیرے ان کا سر دبانے لگی۔

''آج آئی تھی نور بی بی میں نے تو صاف کہلوا دیا ہے اگر لڑکا شادی کے بعد الگ گھر لے کر رہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہماری طرف سے ان لوگوں کو انکار کر دے۔'' تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی بتانے لگیں۔

''لیکن کیوں امی وہ تو بہت اچھے لوگ تھے لڑکا بھی آپ کو بہت پسند آیا تھا۔''

''اسی بات کا تو افسوس ہے مجھے لڑکا تو واقعی بہت اچھا لگا تھا لیکن اس کی فیملی دیکھی ہے تم نے تین بہنیں ان میں بھی دو غیر شادی شدہ اور جس کی شادی ہوئی ہے اس کا بھی کیا حال ہے دن رات میکے میں ہی پائی جاتی ہے محترمہ، پتا نہیں کیسی لڑکیاں ہیں اپنے گھر میں چین کیوں نہیں آتا ان کو۔''

''مگر امی لوگ تو اچھے تھے نا پھر ان باتوں سے کیا فرق پڑتا ہے آخر باقی کی دونوں بہنوں کی بھی شادی ہو جانی ہے اور ابھی تو وہ بھائی کے رشتے کے سلسلے میں اکثر آئی رہتی ہیں بڑی بہن ہونے کے ناطے اپنا فرض نبھا رہی ہیں ورنہ کوئی اپنے گھر میں مصروف ہوتا ہے کسی کے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا کہ وہ یوں روز روز چکر لگائے اور وہ تو اس روز مجھے بھی کہہ رہی تھیں کہ بھائی کی شادی کے لئے پھرنے پھرانے میں ان کا گھر بہت ڈسٹرب ہو رہا ہے اس لئے جلدی اس فرض سے فارغ ہونا چاہتی ہیں۔'' سونیا نے ہر ممکن حد تک ماں کو سمجھانے اور دل صاف کرنے کی کوشش کی۔

''تمہیں ابھی نہیں پتا ان باتوں کا بچی ہو ابھی لوگوں کی سمجھ نہیں جو آنکھیں دیکھتی ہیں کان سنتے ہیں اسے ہی سچ مان لیتی ہو، مگر میں اپنی بچیوں کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گی اور پھر کمی کیا ہے میری بیٹیوں میں بہت اچھا رشتہ ملے گا انہیں، مجھے کس بات کی جلدی ہے آخر۔''

وہ سائرہ ہی کیا جو مان جائیں۔

''اچھا چھوڑیں آپ اپنا موڈ ٹھیک کریں پلیز دیکھیں آپ کے اس طرح بیمار ہو کر لیٹنے سے گھر کتنا اداس لگ رہا ہے۔'' اس نے ہاتھ پکڑ

کر انہیں بستر سے اٹھا دیا۔
''شازیہ اور نازیہ کہاں ہیں؟''
''اپنے کمرے میں ہیں۔''
''اور تمہارے ابو نہیں آئے ابھی تک؟''
''نہیں آج وہ تھوڑا دیر سے آئیں گے۔''
اسی طرح اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگا کر وہ ان کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

☆☆☆

سائرہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں، ان سے ایک سال بڑا ایک بھائی ارسلان تھا، صورت شکل کی بہت اچھی تھیں ابھی میٹرک میں ہی تھیں کہ رشتے آنا شروع ہو گئے، مگر ان کے والد اتنی جلدی ان کی شادی کے حق میں نہ تھے ابھی بی اے کے پہلے سال میں تھیں، جب احمد کا رشتہ آیا، احمد بھی شکل وصورت میں لاکھوں میں ایک تھے پھر گھرانہ بھی اچھا تھا، یہ رشتہ سائرہ بیگم کی والدہ کے دل کو ایسا لگا کہ انہوں نے جیسے کیسے شوہر کو بھی اس رشتے کے لئے منا ہی لیا اور سچ تو یہ ہے کہ احمد سائرہ کے ابو کو بھی بہت پسند آئے تھے، تھرڈ ائیر کے پیپر دیتے ہی دھوم دھام سے شادی کر دی گئی، ارادہ یہی تھا کہ باقی پڑھائی شادی کے بعد مکمل کر لیں گی، شادی سے پہلے سائرہ نے احمد کی صرف تصویر ہی دیکھی تھی اب جب وہ ان کی زندگی میں آئے تو سائرہ کو احساس ہوا کہ احمد صرف شکل وصورت کے ہی نہیں بلکہ دل کا بھی بہت خوبصورت تھے، محبت کرنے والے خیال رکھنے والے ایک آئیڈیل ہم سفر کو پا کر سائرہ بہت خوش تھیں، شادی کے بعد شروع کے دن تو خواب کی صورت گزر گئے چھٹیوں کے بعد احمد نے آفس جانا شروع کیا تو سائرہ کی توجہ بھی گھر اور گھر والوں کی طرف ہوئی، تبھی انہیں احساس ہوا کہ ان کی ساس کافی سخت طبیعت کی مالک تھیں اور گھر میں انہی کا راج چلتا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں بہت سی اور باتوں کا بھی احساس ہوا ان کی شادی شدہ دو نندیں جو احمد سے بڑی تھیں ان کے گھر میکے کے قریب ہی تھے وہ ہفتے کے تقریباً ساتوں دن میکے میں ہی پائی جاتی تھیں، وہ ایک دن نہ بھی آتیں تو ماں کو نواسا نواسیوں کی یاد ستانے لگتی اور وہ فوراً فون کر کے آنے کا کہہ دیتیں، احمد سے چھوٹی بہن گھر بھر کی لاڈلی تھی گھر کے کسی بھی کام کو ہاتھ لگانا وہ گناہ سمجھتی تھی دو چھوٹے دیور بھی تھے، ویسے تو کام والی کپڑے دھو جاتی تھی اور صفائی کر جاتی لیکن اس کے بعد بھی سائرہ کے کرنے والے کاموں کی ایک لمبی فہرست ہوتی جنہیں نبٹاتے نبٹاتے صبح سے شام اور پھر رات ہو جاتی، وہ ہمیشہ کوشش کرتی کہ احمد کے آنے تک سارے کام ختم کر کے ڈھنگ کے حلیے میں نظر آئے لیکن ایسا کبھی کبھار ہو پاتا، احمد کے ساتھ اکیلے سیر و تفریح کے لئے جانے کا تو سوچنا بھی مشکل تھا، شادی کے شروع دنوں میں احمد نے دو چار بار اماں سے سائرہ کو گھمانے لے جانے کی اجازت مانگی، انہوں نے نا صرف خوشی سے اجازت دے دی بلکہ احمد کے چھوٹے بہن بھائیوں کو بھی ساتھ کر دیا اور نواسا نواسی کی ضد پر انہیں بھی ساتھ لے جانا پڑا۔

سارا ٹائم احمد ان لوگوں کی طرف متوجہ رہے اور وہ ان سے ایک بات تک نہ کر سکی، آخر سائرہ نے خود ہی باہر جانے سے توبہ کر لی اور کبھی خوش قسمتی سے ایسا کوئی دن آ بھی جاتا کہ وہ کام سے فارغ ہو جاتی اور احمد اپنی بیاہتا بہنوں کو کمپنی دینے کے بعد رات گئے کمرے میں آ جاتے تو تنہائی کے ان لمحوں کا دورانیہ بھی بے حد مختصر ہوتا کیونکہ ایسے مواقع پر اچانک ہی کسی نہ کسی کا

چائے پینے کا دل کر جاتا اور بلا تکلف سائرہ کو آرڈر جاری کر دیا جاتا، بچوں کی پیدائش کے بعد ان کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں اور وہ مڑ کر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں، چھوٹے دیوروں اور نند کی شادی ہوئی، نئی آنے والی بھابیوں سائرہ کی طرح خاموش اللہ میاں کی گائیں نہیں تھیں اس لئے کچھ دنوں میں ہی نندوں کو احساس دلا دیا کہ ان سے روز روز کی مہمان نوازی نہیں ہو گی۔

شوہر کی وفات کے بعد ساس میں بھی وہ دم خم باقی نہ رہا تھا سو خاموش رہیں، وقت گزرتا گیا، بچے بڑے ہوتے گئے، لیکن گزرے وقت میں جو کچھ سائرہ کو سہنا پڑا وہ اسے کبھی بھلا نہیں پائیں اسی لئے اب ان کی ایک ہی خواہش تھی کہ جہاں بھی اپنی بیٹیوں کی شادی کریں لڑکا شادی کے بعد الگ گھر لے کر رہے تا کہ ان کی بیٹیوں کو ان کے جیسی مشکلات کا سامنا نا کرنا پڑے، ان کی اسی ضد کی وجہ سے شازیہ کی شادی کی عمر نکلتی جا رہی تھی جبکہ نازیہ اور سونیا بھی شادی کی عمروں کو آ پہنچی تھیں، ایسا نہیں تھا کہ سائرہ کو اس بات کا احساس نہیں تھا لیکن وہ خود کو مجبور پاتی تھیں۔

☆☆☆

''ہیلو پڑوسن کیسی ہو؟ آداب؟'' رانیہ کو ہیلو کرنے کے بعد وہ سونیا کو بڑی ادا سے سر جھکا کر آداب بولا تو اس کے اس انداز پر رانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی جبکہ سونیا نے کافی بیزاری سے اسے دیکھا تھا۔

''موسم ابر آلود دکھائی دے رہا ہے، کیوں پڑوسن؟'' فرحان، سونیا کے خراب موڈ پر چوٹ کرتے ہوئے پھر رانیہ سے مخاطب تھا۔

''بھاگ لو پڑوسی صاحب طوفان کی آمد آمد ہے۔'' رانیہ نے بھی اسی کے انداز میں سونیا کی موڈ کی خرابی کا بتایا تو سونیا نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''اجی بھاگنے والے ہوں گے کوئی اور ہم تو ڈٹ کر رہنے والوں میں سے ہیں۔'' وہ مزے سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے رانیہ کے آگے رکھی سموسوں کی پلیٹ اپنی طرف کھاتے ہوئے بولا۔

''رانی مجھے لائبریری سے بک لینی ہے فری ہو جاؤ تو تم بھی وہیں آ جانا۔'' سونیا نے چائے کا آخری سیپ لیتے ہوئے بیگ اٹھا کر کاندھے پر رکھا اور جواب کا انتظار کیے بنا لائبریری کی طرف چلی گئی۔

''تمہاری دوست کا مسئلہ کیا ہے آخر ہر وقت ہٹلر بنی رہتی ہے۔'' سونیا کے اس طرح جانے پر فرحان کا موڈ اچھا خاصا خراب ہو چکا تھا۔

''پہلے تم بتاؤ تمہارا کیا مسئلہ ہے آخر، جو تم فٹافٹ میرے سموسوں پر ہاتھ صاف کیے جا رہے ہو وہ بھی بنا میری اجازت کے۔'' رانیہ نے بات کا رخ موڑ کر اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا۔

''یار آئی ایم سیریس، کیا پرابلم ہے اس کو مجھ سے آخر کیا خرابی ہے مجھ میں جو وہ مجھے اس طرح اگنور کرتی ہے؟''

''اوہو تو غصہ اگنور کرنے پر ہے؟''

''غصہ اگنور کرنے پر نہیں مس پڑوسن بلکہ تمہاری اس تنک چڑی دوست کے اگنور رنے پر ہے؟'' وہ ہمیشہ کی طرح بڑے آرام سے اپنے جذبات کا اظہار کر گیا۔

''یار میں کیا کہہ سکتی ہوں وہ بس ایسی ہی ہے۔'' رانیہ کو خود بھی فرحان کے ساتھ سونیا کے اس قدر خراب رویے پر افسوس ہوتا تھا لیکن وہ کیا کر سکتی تھی۔

''او کے میں چلتا ہوں کلاس ہے میری۔''

سموسے ختم کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا جی اب بھاگے جا رہے ہو اور اگر جو وہ نک چڑی ابھی تک یہاں بیٹھی ہوتی پھر تو تم نے کلاس نہیں لینا تھی نا؟''

''وہ تو ہے۔'' فرحان نے ہنس کر ڈھٹائی سے اقرار کیا وہ بھی ہنس دی، رانیہ کچھ دیر وہیں بیٹھی فرحان کو جاتے دیکھتی رہی اور اس کے اور سونیا کے مستقبل کے بارے میں سوچتی رہی پھر اٹھ کر لائبریری کی طرف چل دی، وہ جانتی تھی سونیا نے کوئی کتاب نہیں لینی وہ لائبریری میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔

''فرصت مل گئی تمہیں اس جوکر سے؟'' وہ جو اتنی دیر سے رانیہ کے انتظار میں بیٹھی تھی رانیہ کو دیکھتے ہی غصہ اتارنے لگی۔

''جوکر تو مت کہو اتنا ہینڈسم اور سویٹ لڑکا ہے۔''

''تو شادی کر لو اس ہینڈسم سویٹ سے۔'' سونیا کو اس کی تعریف ذرا بھی اچھی نہیں لگی۔

''ضرور کر لیتی اگر جو حسن نامی جادوگر نے پہلے ہی میرا دل نہ چرا لیا ہوتا۔'' وہ اپنے کزن پلس منگیتر کو حوالہ دیتے ہوئے آہ بھر کر بولی تو مسکراہٹ سونیا کے لبوں کو چھو گئی۔

''شکر ہے تم مسکرائی تو ویسے ایک بات کہوں تم فرحان بیچارے کے ساتھ واقعی بہت زیادتی کر جاتی ہو جانتی بھی ہو کہ وہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ صرف تمہاری وجہ سے آتا ہے۔''

''تو میں نے کہا ہے اس کو آنے کو؟ نہ آیا کرے مہربانی ہوگی اس کی۔''

''یار آخر اس کو اتنا ناپسند کیوں کرتی ہو مجھے ذرا وجہ تو بتا دو۔''

''وہ مجھے پسند نہیں بس اور تم روز روز اسکی وکالت کر کے میرا موڈ نہ خراب کیا کرو چلو کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے تمہارے اس ہینڈسم سویٹ نے سارا بریک ٹائم ضائع کروا دیا۔'' سونیا کی کہنے پر رانیہ نے ایک بے بس نظر اس پر ڈالی اور فرحان کی محبت کے ممکنہ انجام کو افسوس سے سوچتے ہوئے کلاس کی طرف چل دی۔

☆☆☆

پڑھنے کی کوشش میں بہت دیر کتاب ہاتھ میں لیے رہنے کے بعد آخر تنگ آ کر اس نے کتاب بند کر دی اور سونے کی کوشش کرنے لگی لیکن ذہن ابھی تک انہی باتوں کو سوچ رہا تھا جن کو وہ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ فرحان کی بولتی آنکھیں وہ پہلی یہ ملاقات میں پڑھ چکی تھی، لیکن اس سے بھی پہلے وہ رانیہ سے فرحان کی فیملی کے بارے میں بھی جان چکی تھی۔ فرحان لوگ جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے تھے فرحان کے ابو کے علاوہ اس کے ایک چچا اور تایا بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی تھے تینوں بھائیوں میں بہت محبت اور اتفاق تھا اس لیے کوئی بھی الگ ہونے کو تیار نہیں تھا، البتہ بیویوں اور بچوں کے درمیان کبھی کبھار کی چھوٹی موٹی باتیں ناراضگیاں چلتی رہتی تھیں جو پیدا ہوتیں اور ختم بھی ہو جاتیں، زندگی اسی طرح کھٹے میٹھے ذائقے لیے گزر رہی تھی، سونیا جو اپنی امی کے خیالات اور ان پر سختی سے قائم رہنے سے واقف تھی بھلا کس طرح فرحان کی محبت کا جواب محبت سے دے سکتی تھی۔ رانیہ اور فرحان پڑوسی تھے اور ان کے والدین کے درمیان دوستی کا بہت گہرا رشتہ تھا دوستی اور محبت کا یہی رشتہ ان کی اگلی نسل میں بھی منتقل ہو گیا، رانیہ اور فرحان کا بچپن بھی ساتھ کھیل کر گزرا تھا اور وہ اب بھی ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست تھے۔ پہلی بار فرحان رانیہ سے ملنے کے لیے ہی ان کے ڈیپارٹمنٹ آیا تھا اور یہیں وہ سونیا کو دیکھ کر اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا، فرحان سے ملنے سے پہلے ہی سونیا فرحان کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی کیونکہ رانیہ کی باتیں فرحان کے ذکر کے بنا مکمل ہی نہیں ہوتی تھیں اسی لیے سونیا فرحان کے بچپن سے لے کر اب تک کی ساری اہم باتوں سے اس کی سوچ اس کی پسند ناپسند ہر چیز سے واقف ہوتی چلی گئی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ بنا دیکھے بنا ملے اسے پسند کرنے لگی تھی، زندگی کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرنے والے لوگ سونیا کو ہمیشہ سے بہت پسند آتے تھے، کئی بار وہ بے دھیانی سے سوچے جاتی۔

''جس سے بھی اس لڑکے کی شدی ہوگی وہ بہت لکی ہوگی یہ اسے بہت خوش رکھے گا۔'' اور اب جب کہ وہ خود وہ لکی لڑکی بنی تھی تو اپنی تمام سر پسندیدگی کے باوجود وہ فرحان کی کسی قسم کی حوصلہ افزائی کرنے سے قاصر تھی لیکن وہ بھی ڈھیٹ بنا ہوا تھا، بقول فرحان محبت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ڈھیٹ ہونا شرط ہے۔

☆☆☆

علی کو ملنے والی جاب نے گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑا دی تھی، سائرہ نے اس خوشی کو بڑے اہتمام سے منایا تھا دوستوں اور قریبی رشتے داروں کو دعوت بھی دی تھی۔ وہ اس بات سے بھی اچھی طرح واقف تھیں کہ کئی رشتے دار خاص طور پر احمد کی دو بہنیں جن کی بیٹیاں علی کی ہم عمر تھیں علی کو داماد بنانے میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتی تھیں مگر سائرہ بیگم انجان بنی ہوئی تھیں اور ان کے ہر اشارے کنائے کو نظر انداز کرتیں اپنے قابل بیٹے کے لیے چاند سی بہو کی تلاش میں تھیں۔

☆☆☆

وہ رانیہ کے ساتھ کینٹین سے ذرا ہٹ کر گراؤنڈ کے ایک کونے میں بیٹھی اس کی اسائنمنٹ ڈسکس کر رہی تھی تبھی فرحان کو اپنی طرف آتے دیکھ کر منہ بنا کر بولی۔

''لو جی آ گئی مصیبت۔''

''سر عاصم آ گئے؟''

اگلا لیکچر سر عاصم کا تھا اور آج رانیہ کی پریزینٹیشن تھی جس کے لیے وہ تیار نہیں تھی اور صبح سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ سر عاصم آج چھٹی کر لیں کیونکہ وہ خاصے سخت ٹیچر تھے، کلاس میں اچھی خاصی عزت افزائی کر دیا کرتے تھے اور وہ بھی بڑے نرم مہذب لہجے میں، پارکنگ ایسی جگہ پر تھی کہ گراؤنڈ میں بیٹھ کر وہاں آنے جانے والے لوگ دکھائی دے جاتے تھے۔ سونیا کے منہ سے مصیبت کا لفظ سنتے ہی اسے سر عاصم کا ہی خیال آیا۔

''ہائے گرلز۔'' اس سے پہلے کہ سونیا مصیبت کی وضاحت کرتی فرحان ان کے قریب پہنچ کر بولا اور رانیہ کو مصیبت کا مطلب بھی سمجھ میں آ گیا۔

''ارے تم ابھی سے آ گئے۔ تمہیں اگلے لیکچر کے بعد آنا تھا۔''

''توبہ ہے انتہائی بے مروت لڑکی ہو تم، ذرا جو شرم ہو مہمانوں کو ایسے کہتے ہیں کیا؟'' وہ دادا ابا بنا بڑی سنجیدگی سے نصیحتیں کرنے لگا، لیکن رانیہ کے اس بے ساختہ جملے سے سونیا کو اتنا پتا چل گیا کہ رانیہ اس کے آنے سے واقف تھی اور آج جبکہ سونیا کا چھٹی کا موڈ تھا رانیہ نے ضد کر کے اسے بلایا تھا بہانہ یہ تھا کہ اس کی پریزینٹیشن ہے اور وہ بہت اکیلا فیل کرے گی، سونیا کے بنا، اب سونیا کو سارا ڈرامہ سمجھ آ گیا تھا اور رانیہ پر غصہ بھی آ رہا تھا۔

''سر خالد آ گئے ہیں۔'' ایک کلاس فیلو کی پکار پر ان کے سبھی کلاس فیلوز گراؤنڈ سے اٹھ کر

کلاس میں جانے لگے، رانیہ اور سونیا بھی جانے کے لیے اٹھے تبھی رانیہ کو فرحان کا خیال آ گیا۔

''سونیا پلیز میری ایک بات مان لو، فرحان صرف تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے پلیز میری اچھی بہن اس کی بات سن لو وہ بہت دن سے میرے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ میں ایک بار تم سے اس کی بات کروادوں۔''

''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' سونیا کو رانیہ پر اچھا خاصا غصہ آرہا تھا وہ خوامخواہ اس کی زندگی کو مشکلات کی طرف دھکیل رہی تھی۔

''پلیز سونیا وہ بہت اپ سیٹ ہے پلیز صرف آج اس کی بات سن لو پھر وہ یہاں نہیں آئے گا پرامس۔''

''فرحان تم لوگ تھوڑی دیر بیٹھو میں ذرا کلاس لے کر آتی ہوں۔'' سونیا کا جواب سنے بنا وہ اس کا ہاتھ تھامے دوبارہ ان چیئرز کے پاس لے آئی جہاں فران بیٹھا ان کا منتظر تھا۔

سونیا کو وہاں چھوڑ کر وہ تیز قدموں سے کلاس کی طرف چل دی اور سونیا حیران پریشان وہاں کھڑی رہ گئی۔

''بیٹھ جاؤ سونیا مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے پلیز۔'' اس کے لہجے کے علاوہ آنکھوں میں بھی اتنی التجا تھی کہ سونیا بنا کچھ سوچے سمجھے ایک کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''سونیا میں زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا ویسے تو تمہیں بھی میرے جذبات کا اندازہ ہو گیا ہو گا لیکن پھر بھی میں تمہیں بتانا چاہوں گا کہ میں تمہیں بے انتہا چاہتا ہوں اور تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں میں تمہیں کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا اسی لیے چاہتا ہوں کہ اپنے اس رشتے کو کوئی نام دے دوں تاکہ بے فکر ہو کر اپنی پڑھائی اور کیریئر پر توجہ دے سکوں، ابھی تو تمہیں کھو دینے کا خوف مجھے بہت ڈسٹرب رکھتا ہے۔''

اس کے اس طرح کے اظہار پر سونیا کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے ایک ایسا انسان جسے آپ خود بھی پسند کرتے ہوں اس کا دل توڑنا آسان تو نہیں ہوتا، مگر سونیا کو یہ کام کرنا ہی تھا۔

''آپ مجھے دیکھ کر کتنا بھی غصہ کریں لیکن اتنا تو میں جانتا ہوں کہ آپ حقیقت میں مجھے ناپسند نہیں کرتیں۔'' فرحان کے کہنے پر سونیا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، اس کی حیرت دیکھ کر فرحان مسکرایا۔

''وہ محبت ہی کیا کہ جن سے محبت ہو ان کے دل اور آنکھیں نہ پڑھ سکیں اور مجھے پتا ہے کہ تم بھی میرا دل اور آنکھیں پڑھ سکتی ہو لیکن میں اس پر تمہارے اظہار اور اقرار کی مہر ثبت کروانا چاہتا ہوں، میں بے یقینی اور خوف کے جنگل میں بھٹک رہا ہوں پلیز مجھے یقین کا دامن تھما کر اس تکلیف سے نجات دلا دو سونیا۔'' وہ جذبات کی شدت سے مہکتے لہجے میں بولے جا رہا تھا اور سونیا کمزور پڑتی جا رہی تھی۔

''دیکھئے آپ کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار ہیں میرے دل میں آپ کے لیے ایسا کچھ بھی نہیں اور پلیز آپ بھی یہ سب ذہن سے نکال دیں کیونکہ یہ سب ممکن نہیں۔'' اس سے پہلے کہ سونیا کا دل اور زبان مکمل طور پر اس کا ساتھ چھوڑ دیتے اس نے سختی سے کہنے کی کوشش کی لیکن اس کے لہجے میں چھپی اداسی اور بے تابی فرحان کی نظروں سے چھپی نہیں رہی تھی۔

''کیا میں اس انکار کی وجہ جان سکتا ہوں؟''

اس کا دل کر رہا تھا اس ظالم لڑکی کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے اسے کہے کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے اس کے ساتھ اور اپنے ساتھ وہ کیوں اپنے اور اس کے جذبوں کا قتل کرنے پر تلی بیٹھی ہے لیکن وہ تحمل سے پوچھ رہا تھا۔

''میری فیملی اس رشتے کے لیے کبھی نہیں مانے گی۔'' آخر اس نے کہہ ہی دیا۔

''تم تو تیار ہو نا'' وہ مکمل اندھیرے میں بھی امید کی کرن تلاش رہا تھا کہ اس کے پیچھے چلتے چلتے منزل کا راستہ تلاش کر سکے۔

''میرا فیصلہ ہمیشہ وہی ہو گا جو میری فیملی کا فیصلہ ہو گا۔'' سونیا نے نظریں جھکاتے ہوئے اسے کسی بھی قسم کی امید کا سہارا دینے سے انکار کر دیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ فرحان اس راستے پر مزید آگے آئے جہاں اس کے لیے کوئی خوشی نہیں ہے، شازیہ کی مثال اس کے سامنے تھی پھر بھلا سائرہ اس کے معاملے میں کیوں کمپرومائز کرتیں۔

''تمہاری فیلی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟''

''جتنا میں نے کہہ دیا وہ آپ کے لیے کافی ہے، آج بھی میں صرف رانیہ کی وجہ سے آپ سے بات کرنے کے لیے تیار ہوئی ہوں امید ہے آپ آئندہ مجھ سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔'' اب بھلا وہ اپنی امی کی اس بیکار سی ضد کے بارے میں کیا بتاتی اور اگر بتاتی تو پھر اس کی ساری ہسٹری بھی بتانا پڑتی اور اس طرح اپنے گھر کی باتیں کرنا اسے کبھی بھی اچھا نہیں لگا تھا اپنے گھر والوں کی کمزوریاں ہم دوسروں پر کیوں ظاہر کریں؟ اس کی یہی سوچ تھی۔

''تھینک یو سی یو اگین۔'' اس کی آخری بات کو خاطر میں نہ لاتا وہ اسے جتلا گیا تھا کہ وہ اس طرح پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔ سونیا اداسی سے وہیں بیٹھی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

اس دن کے بعد سے رانیہ غائب تھی دو دن سے یونیورسٹی نہیں آرہی تھی اور اس کا نمبر بھی بند جا رہا تھا، سونیا جو اس بات کی منتظر تھی کہ رانیہ سے اس کی ملاقات ہو اور وہ اس دن کی بات پر اس پر غصہ اتارے اب غصہ بھول کر پریشان ہونے لگی تھی، اس کا کئی بار دل چاہا کہ فرحان کے ڈیپارٹمنٹ جا کر رانیہ کے بارے میں پوچھ آئے لیکن کوئی خیال اسے روک لیتا اگر اس دن فرحان نے وہ سب نہیں کہا ہوتا تو شاید وہ چلی ہی جاتی لیکن اب ایک جھجک مانع تھی، فرحان کو انکار کرنے کے بعد اس کا اپنا دل بے پناہ اداس تھا وہ کئی بار گھر والوں سے چھپ کر رو بھی چکی تھی، رانیہ کی بے رخی الگ پریشان کیے ہوئے تھی۔

''سونیا تیار ہو جاؤ تمہیں میرے ساتھ بانو آپا کے گھر جانا ہے۔'' وہ بہت بیزار سی بیٹھی ٹی وی کے چینل بدل رہی تھی تبھی سائرہ مصروف سے انداز میں کہہ کہ واپس پلٹ گئیں، آج سنڈے تھا اور وہ سوچ رہی تھی شاید کل رانیہ یونیورسٹی آجائے۔

''امی میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں ہو رہا اور پھر میری اسائنمنٹ بھی ہے آپ کسی اور کے ساتھ چلی جائیں پلیز۔'' اس کا واقعی کہیں جانے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا، عجیب بیزاری بے کیفی کا موسم دل پر اترا ہوا تھا۔

''علی گھر پر نہیں ہے، تمہارے ابو کے ایک دوست نے آنا ہے، شازیہ اور نازیہ کو گھر میں کافی کام ہیں آج، تو ظاہر ہے باقی تم ہی رہ جاتی ہو اور ویسے بھی اتنے دن سے تم کہیں گئی بھی نہیں اس لئے بھی بیزاری محسوس ہو رہی ہے، گھر سے باہر نکلو گی کسی سے ملو جلو گی تو اچھا محسوس کرو گی۔''

''لیکن امی!''

''لیکن ویکن کچھ نہیں جا کر تیار ہو جاؤ تمہارے پاس پندرہ منٹ ہیں دیر سے نکلے تو واپسی میں بھی دیر ہو جائے گی۔'' اس نے کچھ کہنا

چاہا مگر سائرہ بیگم نے اس کی بات کاٹ کر حکم صادر کر دیا وہ منہ بناتی تیار ہونے چل دی اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

بانو آپا سائرہ کی کزن تھیں عمر میں ان سے بڑی تھیں لیکن وہ بچپن سے ہی ان کے کافی قریب تھیں بانو آپا بھی سائرہ کو بڑی بہنوں کی طرح چاہتی تھیں، جب بھی کوئی پریشانی ہوتی اور انہیں ایک بہن کی ضرورت محسوس کرتیں تو وہ بانو آپا سے ہی رابطہ کرتی تھیں۔

وہ لوگ بانو آپا کے گھر پہنچے تو وہ ہمیشہ کی طرح بہت محبت سے ملیں، بانو آپا کی سب سے چھوٹی بیٹی ناجیہ سونیا کی ہم عمر تھی وہ سونیا کو اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے آئی اور اس سے باتیں کرتی رہی، آج پہلی بار سونیا کو ناجیہ کا باتونی ہونا بہت اچھا لگ رہا تھا کیونکہ اسے بولنا نہیں پڑ رہا تھا بلکہ ناجیہ خود ہی ایک کے بعد دوسری بات شروع کرتی جا رہی تھی، کافی دیر گزر گئی تھی ابھی تک امی نے واپسی کا نہیں کہا تھا، ادھر وہ جب بھی اٹھنے لگتی ناجیہ اسے بٹھا لیتی، تبھی ناجیہ کے فون پر بیل ہوئی، نمبر دیکھ کر وہ مسکرانے لگی سونیا سمجھ گئی کہ فون کامران کا ہے جو کہ ناجیہ کا منگیتر تھا، اگرچہ ناجیہ نے بہت کہا کہ وہ بعد میں فون سن لے گی مگر سونیا اس موقع سے فائدہ اٹھا لینا چاہتی تھی اسی لئے وہ اسے ''ابھی آتی ہوں'' کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔

''اپنے ماضی کے دکھوں کا سایہ اپنے بچوں کے حال کی خوشیوں پر نہ پڑنے دو سائرہ، میں تمہیں پہلے بھی کئی بار سمجھا چکی ہوں آج پھر کہتی ہوں، ماضی سے نکل آؤ لوگوں کو ایک ہی انداز اور سوچ کے ساتھ دیکھنا چھوڑ دو اور مثبت سوچ اپناؤ سب لوگ ایک سے نہیں ہوتے، ضروری نہیں جو تمہارے ساتھ ہوا وہ آگے تمہاری بیٹیوں کے ساتھ ہو زمانہ بدل گیا ہے سائرہ۔'' وہ بانو خالہ کے کمرے کے باہر پہنچی تو اندر سے آتی ان کی آواز سن کر غیر ارادی طور پر رک گئی اور دل ہی دل میں دعا مانگنے لگی کہ کاش آج تو امی کے دل پر بانو خالہ کی بات کا اثر ہو ہی جائے۔

''اور علی کے بارے میں کیا کہتی ہو؟''

''دیکھو جس طرح تم سوچتی ہو اسی طرح وہ لوگ بھی سوچتے ہوں گے اور علی نے تمہیں ہمیشہ یہی بات کہتے سنا ہے اس لئے اس کے لئے اس میں کوئی برائی نہیں ہے جب تم اپنی سوچ بدلو گی تو وہ بھی سمجھ جائے گا علی بہت سمجھدار بچہ ہے تم فکر مت کرو میں خود اس سے بات کروں گی۔'' سونیا کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا کہ علی بھائی کا یہاں کیا ذکر، اچانک اسے خیال آیا کہ گھر کے کسی ملازم یا گھر کے فرد نے اسے اس طرح کھڑے دیکھا تو کیا سوچے گا اسی خیال سے وہ فوراً کمرے میں داخل ہو گئی۔

''امی کافی دیر ہو گئی ہے۔''

''کیوں بھئی کیا جلدی ہے آرام سے رات کا کھانا کھا کر جانا۔''

''نہیں آپا کھانا پھر کبھی آج ذرا جلدی میں ہوں، ابھی اجازت دیں۔'' بانو آپا کے کافی اصرار پر بھی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں تو سونیا نے دل ہی دل میں شکر منایا۔

☆☆☆

واپسی کے سفر میں سائرہ بیگم کسی گہری سوچ میں کھوئی ہوئی تھیں، سونیا بھی اپنی سوچوں میں مگن بے دھیانی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، تبھی ایک بورڈ کو دیکھ کر چونک گئی۔

''ارے رانیہ کا گھر بھی تو اسی جگہ ہے۔'' اس کا ذہن مکمل طور پر الرٹ ہو گیا۔

''امی یہاں قریب ہی رانیہ کا گھر ہے وہ کئی

دن سے یونیورسٹی نہیں آ رہی اور فون پر بھی رابطہ نہیں ہو رہا اگر آپ مناسب سمجھیں تو پلیز ہم ان کی طرف ہوتے چلیں مجھے پریشانی ہو رہی ہے کہ کہیں وہ بیمار نہ ہو گئی ہو۔'' وہ بے ارادہ سائرہ بیگم سے کہہ گئی۔

''ایڈریس یاد ہے تمہیں؟''

''ایڈریس تو نہیں یاد مگر اس کے ابو کافی مشہور ڈاکٹر ہیں اور گھر کے ساتھ ہی ان کا ہاسپٹل بھی ہے یقیناً کسی سے پوچھنے پر ان کے گھر کا پتا چل جائے گا۔''

''چلو ٹھیک ہے ڈرائیور کو سمجھا دو پوچھ لے کسی سے۔'' سائرہ کے کہنے پر وہ ڈرائیور کو سمجھانے لگی، کچھ ہی دیر بعد ان کی گاڑی رانیہ کے گھر کے سامنے کھڑی تھی۔

رانیہ اسے اس طرح اچانک اپنے گھر پر دیکھ کر بہت خوش تھی، رانیہ کی امی اور باقی لوگ بھی ان سے بہت اچھے سے ملے، سونیا سے ان کا غائبانہ تعارف تھا، سائرہ کو باتوں میں لگا دیکھ کر رانیہ سونیا کو اپنا کمرہ دکھانے لے گئی۔

''سچ میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ میں تمہارے آنے پر کتنی خوش ہوں۔'' رانیہ کو شاید الفاظ نہیں مل رہے تھے کہ وہ کیسے اپنی خوشی کا اظہار کرے۔

''لیکن میں تم سے بہت زیادہ ناراض ہوں، حد ہوتی ہے بنا بتائے چھٹی کر لی اور فون آف جا رہا ہے تمہارا، جانتی ہو میں کتنا پریشان رہی ہوں۔''

''آئم سوری ڈیئر لیکن اس روز واپسی پر میرا موبائل کہیں کھو گیا اور گھر پہنچنے پر پتا چلا کہ یونیورسٹی سے واپسی پر فرحان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، تم تو جانتی ہو وہ میرا کتنا اچھا دوست ہے اور پھر ہماری فیملی بھی کتنا کلوز ہے ایک دوسرے سے اس لئے میں یونیورسٹی بھی نہیں آ سکی اور تمہارا نمبر مجھے یاد نہیں تھا اس لئے فون نہ کر سکی، ڈونٹ وری وہ اب ٹھیک ہے۔'' فرحان کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں سن کر سونیا کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر رانیہ نے اسے تسلی دی۔

''چلو نیچے چلتے ہیں آنٹی بھی کیا سوچیں گی کہ وہ پہلی بار گھر آئی ہیں اور میں ان کے پاس بھی نہیں بیٹھی۔'' وہ گم صم کھڑی سونیا کا ہاتھ تھامے اسے نیچے لے آئی، وہ دونوں نیچے آئیں تو وہاں ایک اور خاتون کو موجود پایا۔

''فرحان کی مما۔'' رانیہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی، سونیا کے سلام کرنے پر انہوں نے جس طرح اسے پیار کیا اس سے سونیا کو شبہ ہوا کہ وہ اس کے بارے میں فرحان کی سوچ سے واقف ہیں، اس خیال سے ہی وہ گھبرا سی گئی، ادھر فرحان کی مما اتنی سی دیر میں سائرہ بیگم پر جانے کیا پڑھ کر پھونک چکی تھیں کہ وہ پرانی سہیلیوں کی طرح ان سے باتوں میں لگی تھیں اور آخر ان کے اصرار پر ان کے گھر چلنے کو بھی راضی ہو گئی تھیں، فرحان کے گھر جانے کا سوچ کر اس کا سامنا کرنے کا سوچ کر سونیا کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔

''پتا نہیں وہ مجھے اس طرح اپنے گھر دیکھ کر کیا سوچے گا، امی کو بھی پتا نہیں کیا ہو گیا ہے اس طرح جانے کو تیار ہو گئی ہیں۔'' وہ انہی سوچوں میں گھری ہوئی تھی جب رانیہ کی امی وغیرہ کو خدا حافظ کہتی اور اپنے ہاں آنے کی دعوت دیتیں سائرہ فرحان کی مما کے ساتھ باہر جانے کو مڑیں، وہ بھی سب کو الوداع کہتی ان کے پیچھے تھی لیکن رانیہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی اس لئے رانیہ کو بھی اس کے ساتھ ہی جانا پڑا تھا۔

فرحان انہیں ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھا مل گیا، ایک بازو پر پلاسٹر تھا جبکہ ماتھے پر بھی پٹی

بندھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ خاصا کمزور اور اداس لگ رہا تھا، سونیا کو اسے اس حال میں دیکھنا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا اس نے تو فرحان کو ہمیشہ نک سک سے تیار اور ہنستے مسکراتے ہی دیکھا تھا اس کے دل کو تکلیف ہو رہی تھی۔

''فرحان بیٹا ان سے ملو یہ سائرہ ہیں، سونیا کی مما۔'' وہ جانے کن سوچوں میں کھویا ہوا تھا اپنی مما کی آواز پر چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوا، سونیا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ڈھیروں جگنو اتر آئے وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس طرح اس کے گھر بھی آ سکتی ہے، سائرہ بیگم کو دیکھ کر وہ بے اختیار احترام میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے آپ بیٹھو بیٹا۔'' سلام کا جواب دیتی سائرہ بڑے پیار سے فرحان سے مخاطب تھی، آج وہ سونیا کو ہمیشہ سے بہت مختلف مگر اچھی لگ رہی تھیں، وہ سب وہیں بیٹھ گئے، اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں، تھوڑی دیر میں فرحان کی چچی اور تائی وغیرہ بھی ان کے پورشن میں مہمانوں سے ملنے آئیں وہ سب کزن نہیں بلکہ بہن بھائیوں کی طرح لگ رہے تھے، فرحان کی مما تو سارا ٹائم ان کے پاس ہی بیٹھی رہی تھیں، گھر کے باقی لوگوں نے اتنی سی دیر میں ان کی تواضع کا اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا، ان کی فیملی کو دیکھ دیکھ کر سائرہ بار بار اپنے ماضی میں کھو رہی تھیں کتنے مختلف تھے یہ لوگ ان کے سسرال سے، شاید بانو آپا کی تازہ تازہ نصیحتوں کا بھی اثر تھا اور ان لوگوں کے خلوص بھرے رویے کا بھی۔

''بہت اچھے لوگ ہیں۔'' ان کے تبصرے پر سونیا خاموش رہی تھی البتہ واپسی پر سائرہ بہت خوشگوار موڈ میں تھیں۔

☆☆☆

''علی بھائی گھر سے کچھ زیادہ ہی باہر نہیں رہنے لگے، بہت دن سے کھانے پر بھی نہیں ملتے۔'' کچھ دن سے وہ یہ سب نوٹ کر رہی تھی آج شازیہ سے کہہ بیٹھی۔

''تمہیں تو پتہ ہے اپنی بات منوانے کے لئے وہ ہمیشہ ناراضگی دکھاتا ہے۔''

''اب کون سی بات منوانا چاہتے ہیں وہ؟'' سونیا بک سائیڈ پر رکھ کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی، شازیہ نے اسے اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہی ہو تم واقعی اتنی انجان ہو۔

''آپی بتاؤ نا پلیز مجھے سچ میں کچھ نہیں پتا۔'' پچھلے کتنے دن سے وہ اپنی زندگی میں اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ گھر سے کیا اپنی ذات سے بھی لاپرواہ رہی تھی۔

''علی شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''ارے واہ یہ تو بہت اچھی خبر ہے امی کو کیا اعتراض ہے؟'' علی کی شادی کا سوچ کر وہ ایک دم سے ایکسائیٹڈ ہو گئی ہر بہن کی طرح اس کے دل میں بھی اپنے بھائی کی شادی کے لئے بڑی آرزوئیں تھیں۔

''اعتراض امی کو نہیں بلکہ ان لوگوں کو ہے۔'' شازیہ کے لہجے میں کوئی ایکسائیٹمنٹ نہیں تھی، سونیا کو تھوڑا برا بھی لگا۔

''وہ چاہتے ہیں کہ شادی کے بعد علی ان کی بیٹی کے ساتھ الگ گھر میں رہے ان کی بیٹی سسرال میں یعنی ہم لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور اس سوچ میں علی بھی اس کے ساتھ ہے کیونکہ وہ اس لڑکی کے سوا کسی سے شادی کو تیار نہیں۔'' شازیہ کے چہرے پر عجیب مسکراہٹ بکھر گئی۔

''اوہ۔'' اسے اس دن بانو خالہ کے گھر علی کے متعلق ہونے والی باتوں کی مکمل طور پر سمجھ آ گئی تھی۔

''مگر وہ لوگ ایسی فضول ضد کیوں کر رہے ہیں؟'' سونیا کے سوال کے جواب میں شازیہ استہزائیہ ہنسی کے ساتھ اسے دیکھتی کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

گھر میں کشیدگی اتنی زیادہ بڑھ چکی تھی کہ اس کا گھر جانے کا دل ہی نہیں کرتا تھا، شازیہ اور نازیہ اپنی ٹینشن میں رہتیں امی کو علی کا فیصلہ کھائے جا رہا تھا اور دوسری طرف علی تھا کہ ہر لحاظ بھول بیٹھا تھا۔

''علی تم ہمارے اکلوتے بیٹے ہوئے ہمارے بڑھاپے کا سہارا عمر بھر کی کمائی ہو تم ہماری، اس طرح کیسے چھوڑ کر جا سکتے ہو تم ہمیں وہ بھی صرف ایک لڑکی کے لئے۔'' کل رات ہی امی علی سے کہہ رہی تھیں۔

''امی جی آپ بھی تو اپنی بیٹیوں کے لئے ایسا ہی سوچتی ہیں وہ لڑکے بھی تو کسی کے بیٹے ہیں، ان کے ماں باپ بھی تو ان کے بغیر رہیں گے بڑھاپے میں، اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ چلا جاؤں گا تو کون سی قیامت آ جائے گی۔'' علی بغیر کسی لحاظ کے کہہ رہا تھا اس کے بعد کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی کئی لمحے خاموشی کے گزرے پھر علی بھائی امی کے کمرے سے اپنے کمرے کی طرف جاتے نظر آئے، سونیا نے دروازے کی اوٹ سے دیکھا امی سر جھکائے بیٹھی تھیں ان کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے شاید انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ان کا لاڈلا بیٹا انہیں یہ سب کہہ گیا ہے، اس کا دل چاہا امی کے پاس جائے لیکن شاید ان کے لئے یہ ضروری تھا کہ کچھ ٹائم تنہائی میں بیٹھ کر سوچیں، اس لئے وہ دل کڑا کرتی پلٹ گئی تھیں۔

''یہ سب سچ سہی لیکن پھر بھی علی بھائی کو امی سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' اس نے غصے سے سوچا تھا۔

وہ اس وقت بھی یہی کچھ سوچ رہی تھی جب رانیہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

''ہیلو میڈم کہاں گم ہو؟ میں کب سے بولے جا رہی ہوں تم جواب ہی نہیں دے رہی۔''

''کچھ نہیں یار بس پیپرز کا سوچ رہی تھی پڑھنے کا ذرا بھی موڈ نہیں بنتا لگتا ہے اس بار کو پوزیشن گئی ہاتھ سے۔''

''ارے نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں پوزیشن تو تمہیں ہی ملے گی آخر اتنی عالم فاضل دوست ہے میری، ہاں میرا سر عاصم کا پیپر ضرور تیار کروا دو پلیز اللہ تمہیں اجر دے گا۔''

''اور تم کیا دو گی؟''

''دعائیں ود ٹریٹ اور کیا۔'' سونیا نہ صرف رانیہ کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئی تھی بلکہ اس کی الٹی سیدھی باتوں سے خود بھی وقتی طور پر بہل گئی تھی۔

☆☆☆

آج کی صبح بہت ساری حیرتیں اپنے دامن میں سمیٹ کر لائی تھی۔

''آج شام حماد کے گھر والے شازیہ کو انگوٹھی پہنانے آ رہے ہیں۔'' سائرہ بیگم نے ناشتے کی ٹیبل پر جیسے دھماکہ کیا تھا، کچھ دن پہلے ہی تو سائرہ نے نور بی بی کو ان لوگوں کو انکار کرنے کا کہہ دیا تھا۔

''تم سب لوگ ضروری تیاری کر لو اور نازیہ اور سونیا تم لوگ آج یونیورسٹی نہ جاؤ اور دوپہر میں شازیہ کو پارلر لے جانا اور علی تم آج آفس سے چھٹی کر لو یا ہاف لیو لے لو۔'' سائرہ ان کی حیرت اور سوالیہ نظروں کو نظر انداز کرتیں

بڑے اطمینان سے ناشتہ کر رہی تھیں، کسی نے ان سے کچھ نہیں پوچھا تھا گھر میں اچانک ہی ایک خوشگوار سی ہلچل مچ گئی تھی، ٹائم بہت کم تھا اور کام بہت زیادہ، اسی شام ایک سادہ سی پروقار تقریب میں شازیہ کو حماد کے نام کی انگوٹھی پہنا دی گئی، سب بہت خوش تھے، شازیہ کا کھلا کھلا روپ بہت ہی خوبصورت لگ رہا تھا، سائرہ بیگم مسکرا رہی تھیں لیکن ان کی آنکھوں میں چھپے خدشے اور اداسی سونیا کو بخوبی دکھائی دے رہی تھی۔

''انشاءاللہ سب ٹھیک ہوگا امی۔''

''انشاءاللہ۔'' وہ ان کا گال چومتی ہوئی پیار سے بولی تو سائرہ اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے مسکرا دیں۔

☆☆☆

''سونیا بیٹا کھانا کھا کر ذرا میرے کمرے میں آؤ۔'' وہ کالج سے گھر آ کر منہ ہاتھ دھو رہی تھی تبھی سائرہ نے اسے کہا۔

وہ اثبات میں جواب دیتی یہ سوچتی کچن کی طرف چل دی کہ یہ خصوصی بلاوا کس لئے؟

''کھا لیا کھانا؟''

''جی!'' وہ جواب دیتی ان کے پاس بیڈ پر آ بیٹھی۔

''بیٹا تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے میں چاہتی ہوں کہ تم کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرو تاکہ مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔'' سائرہ کی اس تمہید پر سونیا خاموشی سے ان کی طرف دیکھنے لگی لیکن اس کی آنکھوں میں واضح الجھن تھی۔

''جیسا تمہیں پتا ہی ہے علی بھی شادی کرنا چاہ رہا ہے اور شازیہ کا رشتہ بھی طے ہو چکا ہے، ویسے تو میرا ارادہ تھا کہ تمہاری اور نازیہ کی شادی کا فیصلہ تم لوگوں کے ماسٹرز مکمل ہونے کے بعد کروں لیکن اب یہ سوچتی ہوں کہ اچھا رشتہ آئے تو ٹھکرانا ناشکری ہے۔'' سونیا دم سادھے انہیں سن رہی تھی آگے وہ نہ جانے کیا سنانے جا رہی تھیں۔

''نازیہ کے لئے میں فراز لوگوں کی طرف ہاں کرنے کا سوچ رہی ہوں۔'' انہوں نے ایک رشتے کا حوالہ دیا جنہوں نے ایک تقریب میں نازیہ کو دیکھا تھا اور اس دن سے نازیہ کو بہو بنانے کو بے چین تھے۔

''وہ تمہاری دوست کے پڑوس والی جو آنٹی ہیں نا پچھلے ہفتے وہ آئی تھیں اپنے بیٹے فرحان کے لئے تمہارا ہاتھ مانگنے۔'' امی کے انکشاف پر بے اختیار اس کی نظریں جھک گئیں دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔

''میں نے ان سے سوچنے کے لئے کچھ مہلت مانگی تھی، تمہارے ابو نے تو فرحان اور اس کی فیملی کے متعلق ہر طرح سے تسلی کر لی ہے علی بھی مطمئن ہے، مجھے بھی وہ لوگ کافی اچھے اور سلجھے ہوئے لگے تھے لیکن بیٹا زندگی تمہیں گزارنی ہے اس لئے تمہاری رضامندی ضروری ہے، جیسے تم کہو گی ویسے کر لیں گے، بے فکر ہو کر بات کرو تم پر کسی قسم کا دباؤ نہیں۔'' سائرہ بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھیں جب سے علی نے ان سے اس انداز میں بات کی تھی انہوں نے یہی انداز اپنا لیا تھا شاید ان کے لئے اپنی اہمیت کا احساس ختم ہو گیا تھا نہ جانے وہ کس کیفیت سے گزر رہی تھیں امی کے اس انداز پر بلاوجہ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''امی میرے لئے آپ سے بہتر فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا میں خود بھی نہیں، آپ جیسا چاہیں کریں مجھے وہی قبول ہوگا۔'' وہ بے اختیار اپنی ماں کے گلے لگی کہہ رہی تھی، سائرہ بھی آنسو ضبط کرتی اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

☆☆☆

سب کچھ اچانک سے ہو گیا تھا سونیا کو تو اب تک سب کچھ خواب لگ رہا تھا، فرحان کی فیملی کا آنا رشتہ طے ہونا منگنی ہونا، دو دن ہو چکے تھے وہ ابھی بھی بے یقینی سے اپنے دائیں ہاتھ کی دوسری انگلی کو چھو کر اس میں فرحان کے نام کی انگوٹھی کی موجودگی کا احساس کر کے خود کو یقین دلاتی کہ جو بات ناممکن تھی وہ ممکن ہو گئی ہے، وہ خوش تھی بہت خوش گھر میں سب بہت خوش تھے سائرہ بھی ہنستی مسکراتی نظر آتی تھیں لیکن علی سے اب بھی کم سے کم بات کرتی تھیں۔

''علی...... اس لڑکی کے گھر کب جانا ہے؟''

''جی کس لڑکی کے گھر؟''

''جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو، میں چاہتی ہوں کہ جلد از جلد تمہارے فرض سے بھی فارغ ہو جاؤں، ان سے بات کرواور ایک دو دن میں آنے کا بھی کہہ دو۔'' اس وقت سب لاؤنج میں موجود تھے جب امی علی سے مخاطب ہوئیں، مخاطب علی سے تھیں نظریں ٹی وی میں تھیں جہاں کوئی ٹاک شو آ رہا تھا، علی ان کے قدموں میں آ بیٹھا اور پیار سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''کیا ایسے موڈ میں جائیں گی اپنی ہونے والی بہو دیکھنے؟'' علی کے کہنے پر سائرہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا میرے موڈ کو؟ اور اگر کچھ ہو بھی تو تمہیں اس بارے میں کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے، مجھے جلد از جلد تمہاری شادی کرنی ہے بس۔'' وہ اسی روٹھے لہجے میں بولیں۔

''میری شادی کی اتنی جلدی کیوں ہو گئی ہے رہ لیں گی میرے بغیر؟''

''ظالم ماں کہلانے سے تو بہتر ہی ہے نا کہ بیٹے کی دوری برداشت کر لوں۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی سائرہ کا لہجہ بھیگ گیا تو علی تڑپ کر ان کے ہاتھ چومنے لگا۔

''امی میری پیاری امی مجھے معاف کر دیں پلیز، میں نے آپ کا بہت دل دکھایا ہے، میں کبھی بھی آپ کو چھوڑ کر جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' وہ ان کی گود میں سر رکھے لاڈ سے کہہ رہا تھا۔

''لیکن اس دن تو تم......''

''بکواس کر رہا تھا اس دن میں، امی میں صرف آپ کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ آپ کی ضد غلط ہے، اس ضد کی وجہ سے نا صرف آپ پریشان تھیں بلکہ سب کی زندگیاں ڈسٹرب ہو رہی تھیں، بس آپ کو اسی بات کا احساس دلانے کے لئے اور آپ سے جلدی جلدی یہ فیصلے کروانے کے لئے میں نے یہ سارا ڈرامہ کیا تھا۔'' وہ شرمندہ سا سر جھکائے بولتا سائرہ کو بہت پیارا اور معصوم سا لگا۔

''اور وہ لڑکی......؟''

''ہاں وہ سمیعہ، امی جی وہ تو بے چاری بہت پریشان ہے میرے اس ڈرامے سے میں نے اس کا نام بھی استعمال کیا ہے، سچ میں امی وہ بہت اچھی ہے، وہ لوگ تو خود جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہتے ہیں اور وہ تو کبھی اکیلے رہنے کا سوچتی بھی نہیں ہے وہ سب میں نے اپنی طرف سے کہا تھا اس کا اس میں کوئی قصور نہیں۔''

''خیر قصور تو اس کا ہے۔'' سائرہ سخت لہجے میں بولیں تو علی کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

''اس کا قصور یہ ہے کہ میرے اتنے پیارے لاڈلے بیٹے کو مجھ سے چرا لیا ہے اس

نے۔" سائرہ نے مسکرا کر کہا تو سب ہی ہنس پڑے، سائرہ نے ایک نظر اپنے بچوں پر ڈالی سب ہی بہت خوش اور مطمئن لگ رہے تھے، انہوں نے بے ساختہ علی کی پیشانی پر پیار کی مہر ثبت کر دی، ان کے بیٹے نے واقعی ان کی غلطی سدھار دی تھی۔

☆☆☆

وہ دونوں کلاس لے کر نکلیں تو فرحان ان کے ہی انتظار میں کھڑا تھا۔

"لو جی آ گیا آپ کا جوکر۔"

"ایسے تو مت کہو۔"

"اچھا جی تو کیسے کہوں؟" وہ دونوں ہنس پڑیں۔

"خدایا خیر پڑوسن یہ میری گناہگار آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں، میں تمہارے ڈیپارٹمنٹ میں آیا ہوا ہوں نہ آندھی نا طوفان اس قدر خوشگوار موسم اف میرا تو دل گھبرانے لگا ہے۔" سونیا کے خوشگوار موڈ پر چھیڑتے ہوئے اس نے اوور ایکٹنگ کی انتہا کر دی۔

"تم یہاں کس لئے آئے ہو؟" رانیہ کے کسی سخت ٹیچر کے لہجے میں پوچھنے پر سونیا زیر لب مسکرانے لگی۔

"جی میڈم بات دراصل یہ ہے کہ مابدولت کی نئی نئی منگنی ہوئی ہے تو سوچا کیوں نا چھوٹی موٹی ڈیٹ مار کر یہ حسرت بھی پوری کر لی جائے۔"

"اپنی حسرتوں سمیت یہاں سے تشریف لے جائیے فرحان صاحب۔"

"ٹھیک ہے محترمہ رانیہ صاحبہ میں تشریف لے جاتا ہوں لیکن جب آپ کو حسن کے لئے کوئی گفٹ خریدنا ہو کارڈ پر لکھنے کے لئے کوئی شاعری چاہیے ہو یا ایسا ہی کوئی اور مشورہ لینا ہو تو برائے مہربانی میرے پاس تشریف مت لائیے گا۔" وہ بھی مزے سے بلیک میلنگ پر اتر آیا۔

"بہت بدتمیز ہو تم، چلو خیر میں لائبریری جا رہی ہوں صرف دس منٹ کے لئے تم سونیا سے بات کر سکتے ہو اس کے بعد میں بھی تم لوگوں کے پاس آ جاؤں گی سمجھے۔"

"جی بالکل سمجھ گیا اب آپ جائیں گی پلیز۔"

"کتنے مطلبی ہو تم۔"

"بس جی پڑوسیوں پہ گیا ہوں۔" اس کے برجستہ جواب پر سونیا کو ہنسی آ گئی، رانیہ بھی مصنوعی غصے سے گھورتی لائبریری کی طرف چل پڑی۔

"آئیے۔" وہ دونوں یونیورسٹی کی سڑک پر ساتھ ساتھ چلنے لگے، فرحان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے سونیا کو محسوس ہو رہا تھا جیسے اس سے بہتر راہ گزر اور ہم سفر کوئی بھی نہیں ہو سکتا، شاید اس وقت فرحان بھی کچھ ایسا ہی کچھ سوچ رہا تھا ساتھ چلتے چلتے دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا نظریں ملیں اور دونوں مسکرا دیے، زندگی بھی مسکراتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

معراج محبت

ثمینہ شفقت

محبت کیا ہے؟ اس کی تشریح آج تک بے انتہا لوگوں نے اپنے اپنے انداز سے بیاں کی مگر یہ وہ جذبہ یا نعمت ہے جس کا بھید کوئی بھی نہیں پا سکا یہ روح وجسم میں سما جاتی ہے اور آکٹوپس کی طرح جکڑ لیتی ہے کہ انسان تمام زندگی چاہتے اور نہ چاہتے ہوئے بھی خود کو اس کی قید سے رہا نہیں کرا سکتا، اس انمول نعمت کے کئی روپ ہیں ہر کوئی اس کو اپنی فطرت کے لحاظ سے برتتا ہے کچھ لوگوں کے لئے محبوب کو پالینا ہی محبت کی معراج ہے، کچھ لوگوں کے نزدیک پل دو پل کے بھی محبت کے احساس کو ایک دوسرے کو محسوس کرا دینا ہی محبت کی انتہا ہے اور کچھ لوگ چپکے چپکے ہی اس کا ہلکا ہلکا درد محسوس کرتے ہیں اور مزہ لیتے ہیں، محبت اور محبوب کو پانے کی خاطر کچھ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے تمام اصول وضوابط اپنی عزت و ناموس سب داؤ پر لگا دیتے ہیں مگر محبت کے اصل مزے سے محروم ہی رہتے ہیں جبکہ کچھ لوگوں سے ان کی محبت کا امتحان اردگرد کے لوگ ان کی راہ میں حائل ہو کر لیتے ہیں اسی طرح کچھ لوگوں پر محبت کی دیوی خود ہی نثار ہو کر سب کچھ ٹھیک کر لی جاتی ہے، محبت کیا ہے؟ اس کے کتنے روپ ہیں؟ اور اس کا انت کیا ہے؟ کوئی نہیں جان سکتا آج میں آپ کو محبت ہی کے انمول جذبوں سے گندھی اک خوبصورت کہانی سناتی ہوں، فیصلہ آپ لوگ کیجئے گا کہ سنیہہ اور نبیل نے محبت کی معراج پالی کہ شرجیل اس معراج تک پہنچ سکا۔

☆☆☆

سنیہہ اور بلال دو بہن بھائی اپنے ماں باپ کی زندگی کا محور جن کی دنیا اپنے گھر سے اپنے تایا کے گھر (جو کہ خالو بھی لگتے ہیں) سے ہوتے ہوئے سکول و کالج تک محدود تھی، تایا ابا کے دو بیٹے نبیل، شرجیل اور بیٹی عروج۔ سنیہہ اور عروج چونکہ اکلوتی بیٹیاں ہیں لہٰذا ناز ونعم اور مکمل تربیت کے زیر اثر ہیں جبکہ نبیل، شرجیل اور بلال بھی اپنے ماں باپ کے بنائے گئے اصولوں اور ان کی متعین کردہ راہوں پر ہی چلتے ہیں۔

ربیعہ اور صفیہ چونکہ دونوں بہنیں ہیں اور ان کے شوہر آپس میں بھائی گھر بار اور کاروبار بھی علیحدہ ہے سو کسی لڑائی جھگڑے یا حسد ورقابت کا کوئی وجود ہی نہیں، سفید پوشی کا بھرم رکھتے ہوئے دونوں خاندان ہی ایک دوسرے کا سہارا ہیں، ربیعہ، صفیہ بس دو بہنیں ہی تھیں اسی طرح وقاص اور وقار بھی بس دونوں بھائی ہی تھے اور ان کے والدین اپنی دائمی زندگی گزار کر اپنی منزل کی جانب جا چکے تھے ہاں دادو یعنی وقاص اور وقار کی والدہ اور ربیعہ، صفیہ کی ساس جو کہ ان کی خالہ بھی ہیں ابھی حیات ہیں اور اپنے جگر گوشوں کی نسل کو پھلتے پھولتے دیکھ کر اور آپس میں محبت سے رہتے دیکھ کر ہر وقت خدا کا شکر ادا کرتی ہیں، کہ یہ حکمت عملی انہیں کی تجویز کردہ تھی کہ دونوں بھائیوں کو ایک ہی خاندان میں بیاہیں گی تاکہ دونوں بھائی سدا ساتھ رہیں اور آج اپنے فیصلے کے درست ہونے پر وہ رب کی شکر گزار ہیں دن وقاص میاں کے ہاں چڑھتا تو شام وقار کے ہاں ہوتی غرضیکہ دونوں طرف دادو کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

سنیہہ اور عروج پکی دوستیں اور ہم عمر ہونے کی وجہ سے ایک ہی کلاس میں ہیں اور اکٹھے سکول جانا اکٹھے کھیلنا ہر کام دونوں مل کر کرتیں اس طرح نبیل اور بلال کی بھی آپس میں خوب بنتی، شرجیل تھوڑا چھوٹا مگر پھر بھی دونوں ہر کھیل میں اس کو شریک رکھتے، دونوں گھروں کے درمیان چار فٹ کی دیوار تھی جس کو جانے دن میں کتنی دفعہ پھلانگا جاتا اور یوں بچوں کی سہولت کے لئے

وقاص صاحب نے ایک دن یہ چار فٹ کی دیوار بھی ایک طرف سے توڑ دی اور آنے جانے کے لئے مناسب رستہ بن گیا۔

☆☆☆

صفیہ اور ربیعہ بیٹھی ساگ بنا رہی تھیں جبکہ دادو پاس ہی تخت پر بیٹھی تسبیح پڑھتے ہوئے اپنے آنگن میں کھلے گلوں کو چہکتے ہوئے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں کہ یکدم انہیں ایک خوشگوار سا خیال آیا اور انہوں نے مسکراتے ہوئے سر ہلا کر اپنے خیال کی تصدیق کر دی اور رات کو جب وقاص اور وقار ماں کے پاس بیٹھے دن بھر کی روداد سنا رہے تھے انہوں نے دونوں بہوؤں کو بھی بلایا اور ان کے سامنے اپنی تجویز رکھی کہ۔

''میں چاہتی ہوں میرے بعد بھی تم سب اور تمہاری اولادیں آپس میں جڑی رہیں اس لئے میں نبیل اور سنیہہ جبکہ بلال اور عروج کو ایک دوسرے سے منسوب کرنے کی تجویز تمہارے سامنے رکھتی ہوں فیصلے کا اختیار تم لوگوں کو دیتی ہوں۔'' دونوں بیٹے اور بہوئیں خوشی اور حیرانی کے ملے جلے تاثرات سے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے تو دادو کو بھی ان کا جواب مل گیا اور اندر ٹی وی دیکھتے اور مونگ پھلیاں کھاتے ہوئے بچوں کو احساس ہی نہ ہوا کہ باہر ان کی زندگی کے کیا فیصلے ہو گئے ہیں، ربیعہ چائے بنانے اور صفیہ اپنے کچن سے گاجر کا حلوہ لینے چل دیں کہ آخر منہ بھی تو میٹھا کرنا تھا اور پھر چائے پیتے ہوئے صفیہ بیگم بولیں۔

''اماں بلال کے لئے عروج اور نبیل کے لئے سنیہہ تو میرے شرجیل کا بھی تو کوئی جوڑ بنائیے۔'' تو وہ ہنس کر بولیں۔

''شرجیل کا فیصلہ بھی قدرت نے کر رکھا ہو گا فی الحال ہماری نظروں سے اوجھل ہے خدا نے چاہا تو سب اچھا ہو گا۔''

دن خوشی اور خوشحالی میں گزرنے لگے سنیہہ اور عروج جب گڑیا کی شادی کرتیں تو دادی ان کے ساتھ گڑیا کا جہیز تیار کرتیں اور خود میٹھے چاول بنا کر دیتیں تینوں بھائی جب کھیل رہے ہوتے تو ریفری کا کام بھی دادو انجام دیتیں تھیں دن رات دعائیں کرتیں کہ خدا میرے دونوں آشیانوں کو نظر بد سے بچانا وہ اپنے بچوں کے لئے ایک ایسا سایہ دار درخت تھیں جس کی چھاؤں سب کے لئے تھی دونوں بہوؤں کو خالہ کے روپ میں ماں دکھائی دیتی تو بچوں کو اپنی دوست ہمہ وقت میسر تھیں جبکہ دونوں بیٹے اپنی ماں کی دعاؤں کے بھروسے پر جو کام بھی کرتے بے فکر ہو کر تے ہنستے کھیلتے، سنیہہ اور عروج نے میٹرک جبکہ بلال اور نبیل نے گریجویشن کر لیا، جبکہ شرجیل ابھی سکینڈ ائیر میں تھا اس کی معصوم سی آنکھوں میں بچپن کی محبت، معصومیت حیرانگی اور تجسس سب سمٹ کر ایک خوبصورت تاثر کی صورت ٹھہر چکا تھا وہ دونوں گھروں کا سب سے چھوٹا اور لاڈلا نخریلا سا بچہ تھا جس کے ناز ماں اور چاچی، باپ اور چاچو کے علاوہ دونوں بڑے بھائی بھی اٹھاتے تھے اور دادی کی تو اس میں جان بند تھی ابھی تک گود میں لٹا کر ناز اٹھائے جاتے سنیہہ نے اس کو چڑانے کے لئے اس کا نام چھوٹو رکھ چھوڑا تھا جب وہ دادو کو گود میں لیٹا ناز اٹھوا رہا ہوتا تو سنیہہ کبھی اس کو منہ چڑا کر تو کبھی ہاتھوں سے لوری دینے کا اشارہ کر کے چھیڑتی اور وہ غراتے ہوئے ہمیشہ اس کی لمبی چوٹی پر حملہ کرتا تو وہ بڑی سی چیخ مارتی تو تائی بھی بھاگم بھاگ پہنچ کر شرجیل کے کان کھینچتیں اور کبھی تو وہ چھت پر بھاگ جاتا اور اوپر کھڑے ہو کر اس کا شور دیکھتا اور جب وہ اوپر کی طرف دیکھتی تو اس کی جھیل سی آنکھوں میں لہرتی نمی شرجیل کو

ندامت اور دکھ کا احساس دے جاتی وہ کچھ سوچتے ہوئے پھر سے اس کو منہ چڑا کر بھاگ جاتا انہی دنوں داود نے بلال اور نبیل کے گریجویشن کرنے کے بعد ان چاروں کی باقاعدہ منگنی کا ارادہ ظاہر کیا بھلا اعتراض کس کو تھا۔

جب بچوں کو بڑوں کے ارادوں کی خبر ملی تو ان کے دل بھی ان کے خوبصورت فیصلوں کے ساتھ دھڑکنے لگے چاروں کئی دنوں ایک دوسرے سے شرمائے شرمائے پھرتے رہے جبکہ شرجیل نے خوشی کا تاثر تو دیا مگر گرمجوشی نہ تھی وجہ شاید اس کو خود بھی معلوم نہ تھی، دونوں دلہنیں بے بی پنک کامدانی سوٹ پہنے خوب سج رہی تھیں جبکہ دونوں دولہا جبکہ دونوں دولہا گرے سلور کلر کے روایتی شلوار سوٹ میں پیارے لگ رہے تھے ماں باپ بچوں کی نظریں اتار رہے تھے تو دادی بچوں کی بلائیں لے رہی تھی جبکہ شرجیل پہلے تو دھڑا دھڑ تصویریں بناتا رہا پھر پیچھے جا کر کرسیوں پر بیٹھ کر یک ٹک سب کو دیکھے گیا، شادی بچوں کی تعلیم مکمل ہونے اور برسر روزگار ہونے پر طے پائی تھی چاروں اپنے خوبصورت جذبوں کو اپنی پاکیزگی کے جزدان میں لپیٹے ایک دوسرے کو چاہنے لگے، سنیہہ اور عروج کو انٹر کے بعد گریلو امور کی تربیت ماں اور ساس مل کر دینے لگیں، بلال تعلیم سے فارغ ہوا تو جلد ہی اچھے سرکاری ادارے میں نوکری مل گئی جبکہ نبیل ابھی تلاش جاری رکھے ہوئے تھا کہ ایک دن دادو کی طبیعت اچانک بگڑ گئی دونوں فیملیز کی جان پر بن گئی دادو تو ان کے لئے ستون کا درجہ رکھتی تھیں اور پھر سب کی دعاؤں نے دادو کو زندگی کی طرف موڑ لیا لیکن وہ پہلے کی طرح صحت یاب نہ ہو سکیں اور انہوں نے دونوں بیٹوں سے کہا۔

''میں اپنے چاروں بچوں کی شادی دیکھنا چاہتی ہوں کیا پتا ملک الموت اتنی مہلت دے کہ نہ مگر تم کوشش کر کے مجھے اپنے بچوں کی خوشیاں دکھا دو۔''

وقار صاحب تو مان گئے جبکہ وقاص صاحب نے کہا۔

''ماں جی نبیل کو ابھی نوکری نہیں مل رہی آنے والے وقت کی پلاننگ کیسے کر لیں پتا نہیں کب نوکری ملتی ہے جبکہ ہمارے پاس نہ رشوت ہے نہ سفارش صرف بچوں کی قابلیت اور اپنی عزت ہے کاش کوئی میرے بچے کی قابلیت جلد پہچان لے۔'' دادو فوراً بولیں۔

''تم فکر نہ کرو انشاءاللہ سب بہت اچھا ہوگا جلد ہی نبیل کو بھی اچھا روزگار مل جائے گا ہماری دعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔'' اور پھر دونوں طرف سے شادی کی تیاریاں نبیل کے احتجاج کے باوجود شروع ہو گئیں تو وہ دادو کے پاس پہنچا، سنیہہ دادو کے بالوں میں تیل لگا رہی تھیں جبکہ ربیعہ اور صفیہ حسب معمول بازار کے چکر لگانے میں مشغول تھیں۔

''دادو آپ مجھے کس امتحان میں ڈال رہی ہیں میرے پاس کچھ بھی نہیں جس کی بنا پر میں نئی زندگی کی بنیاد رکھوں مجھے تھوڑا وقت درکار ہے۔'' وہ دھیمے سے بولا۔

''لیکن میرا وقت قریب آ رہا ہے بیٹا مجھے اپنی خوشیاں دکھا دو باقی سب اللہ ٹھیک کر دے گا۔'' اور اس نے سر جھکا دیا اور یوں دو خوبصورت بندھن بندھ گئے۔

☆☆☆

دادو نے ہر رسم اپنی مرضی سے کروائی جب حجلہ عروسی میں سنیہہ نے نبیل کے تمام خدشات کی نفی کرتے ہوئے ہر حال میں ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تو وہ بھی ابھی خوشیوں بھری زندگی میں

مگن ہو گیا نوکری کی تلاش ہنوز جاری تھی، دن آس و امید کے درمیاں گزر رہے تھے پھر عروج کی طرف سے خوشخبری کی نوید ملی سب بہت خوش ہوئے کہ آنگن میں ننھی قلقاریاں گونجیں گی اور سب نے سنیہہ کو بھی جلد گود ہری ہونے کی دعائیں دیں مگر خدا کو جانے کیا منظور تھا اگلے دن وقاص صاحب جن کی وائر اور سوئچ بورڈ کی دکان تھی میں جانے کیسے آگ لگ گئی جو پھیلتی ہی گئی وقاص صاحب اس وقت دکان کے پیچھے موجود سٹور میں سامان رکھوا رہے تھے، ملازم لڑکا تو جلد بھاگ نکلا اور تھوڑا بہت زخمی ہوا مگر وقاص کو اپنے ساتھ ساتھ اپنی برسوں کی کمائی بچانے کی فکر نے جھلسا دیا وہ چار دن اذیت میں مبتلا رہ کر اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو گئے اور دونوں گھروں میں تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی پھر رفتہ رفتہ سب زندگی کی طرف لوٹنے لگے تو سب سے بڑا مسئلہ تلاش روزگار تھا دکان کی آمدنی سے گھر چلتا تھا جو کہ سب برباد ہو گیا دکان کرائے کی تھی۔

آخر نبیل کے ایک دوست نے اسے بیرون ملک جانے کا مشورہ دیا اس نے بڑی دقتوں سے سب کو راضی کیا کہ صرف دو تین سال کے لئے جانے دیں کچھ سرمایہ اکٹھا کر کے پاکستان آ کر کاروبار کر لونگا اس دوران شرجیل کی پڑھائی بھی مکمل ہو جائے گی اصل مسئلہ پیسوں کا تھا جو دونوں گھروں کی معاونت اور سنیہہ کے زیور سے حل ہوا اور یوں ایک ایجنٹ کے ذریعے دھن کمانے کی دھن میں یورپ کے سفر پر روانہ ہو گیا گھر والے جو پہلے ہی وقاص کی موت سے نڈھال تھے نبیل کے جانے سے مزید اداس ہو گئے سنیہہ سارا دن بوکھلائی پھرتی اور دادو کے وظیفے مزید طویل ہو گئے، نبیل کو گئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا کوئی اطلاع نہ تھی دو اور کون سے لڑکے اس کے ساتھ ہیں ان کا بھی کوئی پتا نہ تھا گھر کے مردوں نے دوستی کا باہر تک ہی محدود رکھا ہوا تھا، سارا دن آس و امید سے دروازے کی طرف دیکھا جاتا کبھی فون کی گھنٹی پر بھاگا جاتا مگر......

سنیہہ دن بدن سوکھ کر کانٹا ہوتی جا رہی تھی اور صفیہ بیگم کو پہلے شوہر کی جدائی اور اب بیٹے کی بے خبری مارے دے رہی تھی، داود کی ہنسی اور پرانے قصے گویا ختم ہو گئے تھے عروج اور بلال کو بھی اپنے بڑے بھائی کی بے خبری نے پریشان کر رکھا تھا اور شرجیل کو تو عرصہ ہوا بے تاثر رویہ اپنا رکھا تھا، جس ایجنٹ کے پاس نبیل بلال کو اپنے ساتھ لے گیا تھا اس کا آفس ادھر سے غائب تھا، جیسے ہی شرجیل گھر میں داخل ہوتا سنیہہ بھاگ کر اس کا چہرہ کھوجتی کہ کاش نبیل کی کوئی اچھی خبر ملی ہو شرجیل نے شام میں ٹیوشن پڑھانا شروع کر دیا تھا اور گھر کی گاڑی جیسے تیسے چل رہی تھی وہ پہلے سے سنجیدہ ہو گیا تھا، صفیہ بیگم سارا دن نظریں دروازے پر لگائے وظیفے کرتی رہتیں اور وہ، خود سراپا دعا بن چکی تھی سنیہہ خود سے بے نیاز بولائی پھرتی اور ماں باپ اپنی پیاری بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر آہیں بھرتے دن اسی طرح بے خبری میں گزر رہے تھے کہ عروج کی گود بھرائی کا ٹائم آن پہنچا مگر رسموں کا تعلق بھی تو خوشی سے مربوط ہوتا ہے ہر کوئی اپنی جگہ نگاہیں چرائے ٹائم گزار رہا تھا پھر ربیعہ بیگم نے کہا کہ میری بہو کی پہلی خوشی ہے یوں نہ سمجھے کہ بٹی کی پریشانی میں بہو کو بھول گئی اسی لئے دونوں گھروں نے مل کر خود ہی چھوٹی سی رسم کر لی، سنیہہ سب کے سامنے تو ضبط سے نبھاتے رہی مگر بعد میں اپنے کمرے میں آ کر نبیل کی تصویر سے لپٹ کر خوب روئی کہ جانے اس خوبصورت جوڑی کو کس کی نظر لگ گئی تھی، انہی ناامیدی کے دنوں میں عروج اور بلال کے

گپلو سے بیٹے نے آکر سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی اس کی خوبصورت مسکان جیسے امید کا دیا روشن دیا دکھائی، وقت اور سر کا شرجیل تن دہی سے نوکری کی تلاش میں تھا اور رات کو حسب معمول ٹیوشن پڑھاتا تھا سنیہہ نے ضد کر کے قریبی پرائیویٹ سکول میں نوکری کر لی دن جیسے تیسے گزر جاتا اور رات کو وہ اپنے کمرے میں جاتے ہی نبیل کی چیزوں کو چھوتی تو درد اور دکھ سے بار بار بکھر جاتی، نبیل کے کپڑوں کو ہر ہفتے دھو کر نئے سرے سے استری کرتی شوز پالش کرتی اور بعض اوقات اس کی پسند کا کھانا پکا کر سامنے رکھے خلاؤں میں گھورتی رہتی۔

☆☆☆

ماہ وسال بیتنے لگے نہیں ملی تو نبیل کی کوئی خبر نہ ملی عروج کے اب دو بیٹے تھے نبیل کو گئے دس سال ہو گئے تھے۔ دادو کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی مگر بہت ضعیف ہو گئی تھیں سنیہہ ہر دم ان کے پاس رہتی اک دن انہوں نے دونوں بہوؤں اور بیٹے کو اپنے کمرے میں بلایا کہ۔

''اب کیا کیا جائے نبیل کو گئے دس سال ہو گئے ہیں اس دوران کوئی خیر خبر نہیں سنیہہ کی زندگی سلگ سلگ کر گزر رہی ہے یہ تو حکم الہٰی ہے کہ اگر خاوند ایک محدود عرصے سے زیادہ بے خبر رہے تو عورت کو دوسرے نکاح کی اجازت ہے تو پھر کیوں ہم اپنی بٹیا کو دن رات تڑپتے دیکھتے ہیں۔'' یہ سن کر صفیہ بیگم رونے لگیں کہ خدانخواستہ میرے نبیل کو کچھ نہیں ہوا وہ اک دن لوٹ آئے گا دادو بولیں۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو مگر وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ سنیہہ کا نکاح کر دیا جائے اور سنیہہ کے لئے شرجیل سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا اور جلد ہی نکاح کی تیاری کی جائے۔'' دادو نے فیصلے کا اختیار کسی کو نہ دیا تھا، سنیہہ نے سنا تو بھاگی دادو کے پاس آئی مگر ادھر بھی انہوں نے سختی دکھاتے ہوئے بات سننے سے انکار کر دیا دونوں کا زبردستی نکاح کر دیا گیا، مگر دونوں کے چہروں پہ خوشی ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتی تھی ایک دن دادو نے شرجیل کے خوب کان کھینچے۔

''سنیہہ کو تم زندگی کی طرف لا سکتے ہو لہٰذا یہ خود ترسی کا چولا اتارو اور اس کو ہنسنا سکھاؤ بلکہ جاؤ کچھ دن شمالی علاقوں میں گھوم آؤ۔''

شرجیل جو کہ ایک بینک میں ملازمت کرتا تھا، چھٹیاں لیں اور سنیہہ کو ساتھ لئے گھومنے چلا گیا خوبصورت مناظر اور تنہائی میں دونوں کچھ زندگی کی طرف آنے لگے ایک دوسرے کے دکھ اور بے بسی کو محسوس کیا اور گلے مل کر بہت روئے ایک دوسرے سے ایک دوسرے کی خاطر خوش رہنے کے وعدے ہوئے واپسی پہ دونوں کچھ بدلے ہوئے لگے تو سب نے سکھ کا سانس لیا کافی عرصے بعد حالات نارمل ہوئے تھے اور پھر دادو ایک رات جو سوئیں تو صبح اٹھ بھی نہ سکیں، ایک بار پھر سب کے زخم ہرے ہو گئے وقت سست روی سے گزرنے لگی سنیہہ کے کمرے میں سے عروج نے نبیل کی تمام چیزیں ہٹا کر شرجیل کی چیزیں رکھ دی تھیں اور سنیہہ بھی خود کو دھوکا دیتے ہوئے شرجیل کو اپنا مقدر سمجھنے لگی ان کی شادی کو دو سال کا عرصہ گزر چکا تھا ان دنوں وہ تخلیقی مراحل کے قریب ترین تھی وہ اور شرجیل اپنے کمرے میں بیٹھے تھے چاروں طرف اپنے آنے والے بچے کی چیزیں بکھرائے وہ آنے والے دنوں کی خوشی کو محسوس کر رہے تھے۔

☆☆☆

اتنے ماہ وسال گھر والوں سے جدا رہنے کے بعد آج اس کو رہائی نصیب ہوئی تھی

ائیر پورٹ پر چیکنگ کے دوران کسی نے نبیل کے ساتھ اس کے بیگ سے مشابہہ بیگ بدل دیا جس میں کافی مقدار میں ہیروئن تھی اور بدقسمتی یہ بھی کہ اس کے ویزے کی سٹیمپ بھی نقلی تھی وہ بری طرح پھنس گیا اس کے ساتھ آنے والے باقی دونوں لڑکے بھی ویزہ جعلی ہونے کی بناء پر پکڑے گئے جن کا گھر میں کسی کو بھی پتا نہ تھا ہاں اک دوست عمر کے گھر کا بلال کو پتا تھا مگر بدقسمتی سے اس کے والدین نے وہی گھر بیچ کر اس کو باہر بھیجا تھا اور خود کہیں اور شفٹ ہو گئے تھے، عمر اور طلحہ دونوں تھوڑی سزا کاٹنے کے بعد وطن بھیج دیئے گئے مگر نبیل پر اسمگلنگ کا کیس تھا اور جانے قدرت اس کے ساتھ کیا کرنے والی تھی وہ دن رات پریشانی میں گزارتا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے گھر والے اس پر پڑنے والی قیامت سے آگاہ ہوں اور ظاہری بات ہے وہ اپنے بیٹے اپنے بھائی کو بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش شروع کر دیتے اور کوئی بھی عمل پیسے کے بغیر کیسے ہوتا ہے؟ اور گھر سے جن حالات میں وہ نکلا تھا اس کو اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ مزید گھر والوں کو ٹینشن دے سارا دن اس کی نگاہوں میں سنیہہ کی موہنی صورت رہتی آتے سے اس کی آنکھوں میں کتنی التجا میں تھیں کہ مت جاؤ میں ہر حال میں گزارہ کر لوں گی مگر وہ قسمت کو آزمانے کے لئے قدم اٹھا چکا تھا پلٹ جاتا تو کسک رہ جاتی، اس نے عمر اور طلحہ کو منع کر دیا تھا کہ میرے گھر کوئی بھی خبر نہ دینا میں جلد ہی گھر والوں سے ملوں گا مگر ہر دفعہ ناامیدی ہوتی ہر تاریخ پر جانے سے پہلے وہ گھنٹوں خدا کے حضور سر بسجود رہتا مگر قدرت کو ابھی اس کا امتحان مقصود تھا، ہر دفعہ اک لمبی تاریخ لگ جاتی اور وہ دن رات گھر والوں کی پریشانی محسوس کرتے جیل کی صعوبتیں اٹھاتے کس مشکل سے گزر رہا تھا، یہ وہ ہی جانتا تھا بلکہ ایک دو دفعہ تو وہ ٹینشن سے بہت بیمار بھی ہو گیا اور کافی دن بے یار و مددگار جیل کے ہاسپٹل میں گزارے، وہ گھر والوں کو تصور میں مخاطب کر کے دعا کرنے کے لئے کہتا اور سنیہہ کی موہنی صورت یاد آتے ہی وہ بے دم ہو جاتا کہ کیسے چند دن کی دلہن کو چھوڑ کر اس کی خبر بھی نہ لی۔

دن مہینے اور سال گزرے آخر بارہ سال چار ماہ بعد اس کو رہائی کا پروانہ ملا تو وہ گھنٹوں سجدے میں پڑا رہا اور پھر ائیر پورٹ سے گھر آتے ہوئے وہ کتنا خوش تھا کہ اچانک تھا کہ اچانک اس کو سب دیکھ کر کتنا خوش ہوں گے امی تو اسے پاس سے ہلنے نہ دیں گی بلال اور شرجیل کو اس کو خوب گلے لگا کر گھما دیں گے اور دادو اس کا ماتھا چومتی رہیں گی عروج وہ ہنسی اور روئی آنکھوں سے سوں سوں کرتی ناک سکیڑے گی اور سنیہہ اس کو تو اب ایسا بانہوں میں لینا ہے کہ چھوڑنا ہی نہیں بہت ستایا ہے اس کو میں نے جب سے میرے نام کے ساتھ منسوب ہوئی کوئی خوشی نہیں دے سکا یہ سب سوچتے ہوئے وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا دروازہ کھلا ملا، کوئی نظر نہیں آیا ہاں امی اپنے کمرے میں نماز پڑھ رہی تھیں وہ فوراً اپنے کمرے میں بھاگا کہ اتنی دیر سنیہہ سے مل لے مگر دروازہ کھولتے ہی اسے شدید جھٹکا لگا اس کے بیڈ پر شرجیل اور سنیہہ اپنے اردگرد چھوٹی چھوٹی چیزیں بکھرائے بیٹھے تھے کمرے میں جگہ جگہ ننھے پھولوں کی مسکراتی تصویریں سجی تھیں اور سائیڈ ٹیبل پر جہاں اس کی اور سنیہہ کی شادی کی تصویر تھی اب سنیہہ اور شرجیل کھڑے تھے شرجیل حیران ہوتا ہوا اٹھا اور اپنے بھائی سے گلے ملا مگر سخت بے چینی اور بے بسی کا عالم تھا جبکہ سنیہہ جو کہ تخلیقی مراحل میں تھی اس بوسیدہ عمارت کی طرح لرز

رہی تھی جو کہ لگتا تھا ابھی ڈھے جائے گی، وہ الٹے قدموں امی کے کمرے میں پہنچا تو وہ سلام پھیر رہی تھیں اس کو دیکھا تو تڑپ کر اسے گلے لگایا اور خوب روئیں۔

"کہاں چلا گیا تھا کہ کیوں تجھ تک میری دعائیں میری صدائیں نہ پہنچ رہی تھیں۔" شور سن کر عروج اور چچی بھی آئے اور انتہائی بے بس تھے کہ نبیل کے آنے کی خوشی منائیں کہ تقدیر کے لکھے پر افسوس کریں، نبیل نے لوٹ آنا تھا تو پھر شرجیل کیوں اس کہانی میں آ گیا اور سنیہہ کا خیال آتے ہی وہ اس کے کمرے کی طرف بھاگی تو وہ بے ہوش ملی سب کی جان پر بن آئی اس کو ہوش میں لایا گیا مگر وہ اک شاک کے عالم میں تھی، ربیعہ بیگم بیٹی کی بے بسی دیکھ کر خون کے آنسو رو رہی تھیں کہ کتنی مشکل سے اسے زندگی کی طرف لایا تھا اور قدرت نے ایک بار پھر اس کی تقدیر کو جھگڑوں کی لپیٹ میں دے دیا تھا، نبیل اور شرجیل ایک دوسرے سے نگاہیں نہیں ملا رہے تھے ماں بھی بے بس تھی، نبیل اڑی رنگت لئے سر جھکائے بیٹھا تھا اسے اپنا وجود بے وقعت لگ رہا تھا اس کو ان حالات کا پتا ہوتا تو وہ کبھی لوٹ کر نہ آتا، اب کیا کروں لوٹ جاؤں ہاں یہی سب کے لئے بہتر ہے بلال اور چچا بھی آ گئے تھے وہ بے بسی سے بیٹھا تھا کہ دادو کا خیال آیا کہ ہاں وہ ہی بہترین فیصلہ کرنے کی مجاز ہیں وہ بھاگتے ہوئے دادو کے تخت کی طرف گیا، مگر دیوار کے اس پار تخت خالی پڑا تھا اس نے سوالیہ نظروں سے سب کی طرف دیکھا جہاں سب نظریں چرا رہے تھے اور وہ حقیقت جانتے ہی پھوٹ کر رو دیا گیا کچھ نہ تھا اس تڑپ اور رونے میں دادو کا نحیف وجود تو نہ ہونے کا بہانہ تھا وہ تو اپنی کم مائیگی کا ماتم منا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ سب رو رہے تھے۔

☆☆☆

سنیہہ کا لرزتا وجود عروج نے تھام رکھا تھا اور وہ نیر بہا رہی تھی، بلال نے عروج کو اشارہ کیا تو اس نے دونوں گھروں میں موجود کھانا دستر خوان پر لگا دیا اتنی دیر میں بلال سب کو قدرے سنبھال چکا تھا، سب کو دستر خوان پر بٹھایا مگر نوالہ کسی کے حلق سے نہ اتر رہا تھا عروج سنیہہ کو کمرے میں لے آئی اور زبردستی جوس پلایا اور سمجھایا کہ فی الحال کچھ بھی نہ سوچو اپنے آنے والے بچے کے لئے خود کو ریلیکس رکھو عروج برتن اٹھانے لگی تو ربیعہ بیگم نے سب کے لئے چائے بنائی چائے پیتے ہوئے نبیل نے سب کو اپنی داستان سنائی کہ کیسے وہ پریشان رہا، وقار صاحب نے سب کو آرام کرنے کا کہا کہ سبھی بہت ڈسٹرب لگ رہے تھے عروج سنیہہ کے پاس آ گئی نبیل ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تو شرجیل چپکے سے باہر نکل گیا۔

بلال بچوں کو لے کر اپنے کمرے میں جا چکا تھا صفیہ بیگم بیٹے کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں وہ خود بہت پریشان تھیں دونوں بیٹے عجیب دوراہے پر کھڑے تھے کسی بھی فیصلے کا اثر دونوں پر یکساں ہوتا تھا انہوں نے دھیرے دھیرے نبیل کو بتایا کہ تمہارے جانے کے بعد ہم پر کیا قیامت بیتی اور سنیہہ جس کو فقط چند دن کی دلہن چھوڑ کر گئے تھے بالکل ابھاگن ہو گئی تھی ہم سب کی دعائیں عبادتیں کچھ بھی قبول نہ ہو رہا تھا، سنیہہ سارا دن بھٹکی ہوئی روح کی طرح یہاں سے وہاں بوکھلائی پھرتی نہ کھانے کا ہوش نہ پہننے اوڑھنے کا ہر وقت تمہاری چیزیں دیکھتی رہتی کپڑے دھوتی شوز پالش کرتی تمہاری پسند کے پکوان پکا کر تمہاری آہٹوں کی منتظر رہتی۔ اس نے سکول پڑھانے کی اجازت مانگی تو دے دی کہ کچھ بہل جائے گی تمہاری دادو نے کسی سے مشورہ

کیا نہ انکار سنا اور شرجیل کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا میں بہت تڑپی کہ خوانخواستہ میرے نبیل کو کچھ نہیں ہوا وہ لوٹ آئے گا مگر تمہاری دادی نے اپنی مرضی کے ساتھ سب کو باندھ لیا پھر نکاح ہونے کے باوجود دونوں اجنبی ہی رہے بہت عرصہ لگا ان کو روٹین کی طرف آنے میں، نبیل سب سے بے نیاز خلاؤں میں گھور رہا تھا کہ اچانک عروج بھاگتی ہوئی آئی کہ سنیہہ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے ابھی ہاسپٹل جانا پڑے گا سب کچھ بھلائے ہاسپٹل کی طرف بھاگے سنیہہ کا بی پی بہت ہائی ہو رہا تھا ڈاکٹر بھی پریشان تھے عروج اور بلال نے کئی دفعہ شرجیل کا نمبر ملایا مگر وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا عروج کو اپنے پیارے بھائیوں کی پوزیشن اور حالت نے بہت پریشان کر دیا تھا۔

صبح فجر کے وقت سنیہہ کا آپریشن ہوا اور ایک پیارا سا ننھا وجود دنیا میں آیا اس کو دیکھ کر سب بے اختیار مسکرا دیے نبیل کمرے کی کھڑکی کے شیشے سے دیکھ رہا تھا سنیہہ ہر احساس سے عاری محبت کو گھورے جا رہی تھی نبیل نے لمحے بھر کو سوچا کہ وہ لوٹ جائے تو سب کچھ نارمل ہو جائے گا ابھی اس نے ایک قدم پیچھے کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ بلال نے اسے گلے لگا لیا عروج نے شرجیل کے نمبر پر ٹیکسٹ کیا کہ سنیہہ کی طبیعت خراب ہے ہاسپٹل پہنچو گھر سے نکل کر شرجیل بلا مقصد ہی چلتا رہا اس کے وجود میں آندھیاں سی چل رہی تھیں کہ وہ کیا کرے مگر وہ کب با اختیار ہوا تھا ابھی اس کی معصوم آنکھوں نے سپنے دیکھنے شروع ہی کیے تھے کہ سنیہہ کو نبیل کے نام کی انگوٹھی پہنا دی گئی اور وہ لوٹ گیا خوابوں کے محل ادھر ہی ادھورے چھوڑ دیے جب وہ بھابھی بن کر آنگن میں اتری تو اس کی جلتی آنکھوں نے جھکنا سیکھ لیا اور لب سل گئے وہ دیکھتا کہ کیسے سنیہہ نبیل کے جانے پر اداس پریشان رہتی ہے اور جوں جوں نبیل کی بے خبری کی مدت بڑھتی گئی سنیہہ اک شمع کی مانند پگھلتی گئی پھر جب دادو نے زبردستی اس کو سنیہہ کے لئے آمادہ کیا اس کے دل میں موجود محبت کی چنگاریاں اک بھانبھڑ کی صورت بھڑک اٹھیں اس نے ایسے تو نہ چاہا تھا اس نے تو اسے اپنے بھائی کا مقدر جانتے ہوئے اپنے دل و دماغ اپنی سوچوں سے نکال دیا تھا اور پھر اس کے بکھرے وجود کو سمیٹتے سمیٹتے خود بھی بہل گیا کہ قدرت نے ایک بار پھر اس کو گہری نیند سے جگا کر خواب ادھورے چھوڑ دیے بار بار گھر سے فون آ رہے تھے مگر وہ بھی کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ عروج کا سنیہہ کے لئے میسج آ گیا اور ہاسپٹل بھاگا جہاں کمرے میں سنیہہ کے پاس صفیہ بیگم موجود تھیں عروج اور چچی گھر سے ضروری چیزیں لینے گئی تھیں اور عروج بچوں کو دیکھنے گئی تھی جو رات سے اپنے دادا کے پاس تھے۔

شرجیل نے کمبل میں لپٹے اپنے لخت جگر کو بہت پیار کیا سنیہہ کو دیکھا تو وہ چپ چاپ نیر بہا رہی تھی صفیہ بیگم کمرے سے جا چکی تھیں شرجیل نے ننھا وجود اس کی ماں کی آغوش میں دیا اور سنیہہ کے ہاتوں کو تھامتے ہوئے کہا کہ۔

"سنیہہ میں جانتا ہوں کہ نبیل ہی تمہاری محبت ہے میں تو راستے کا وہ شجر ہوں جس کا مقصد صرف وقتی سایہ دینا ہوتا ہے میں تم سے اور اپنے جگر گوشے سے بے خبر نہیں رہوں گا اور خدا کرے تمہاری زندگی میں اور کوئی امتحان نہ آئے تم نبیل کے سنگ خوش رہو۔" یہ کہتے ہوئے شرجیل نے ضبط کی انتہا کر دی اور اپنے بیٹے کو الوداعی نظروں سے دیکھے بغیر باہر نکل گیا، سنیہہ بے بسی سے دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

مندری والا

مصنف: ڈاکٹر وحید احمد

تبصرہ: سیمی کرن

"مندری والا" ڈاکٹر وحید احمد کا دوسرا ناول ہے، ایسا ناول جس کا سال گزشتہ 2012ء میں ادبی حلقوں میں بڑا چرچا سنا گیا اور یہ اپنی اک گہری بازگشت چھوڑ گیا۔

بہت طویل نہیں ہے مگر سوالات و کیفیت جو دل پر طاری ہوتی ہے وہ بڑی دیرپا ہے اور سوالات کا اک طویل سلسلہ ذہن میں اپنی شجر کاری کرتا ہے اور میرے خیال میں کسی بڑی تخلیق کی یہ ایک بڑی نشانی ہے کہ وہ آپ پر ایک دیرپا تاثر قائم کرے اور قاری کو سوچنے کے لئے مواد مہیا کرے کہ جسے ہم "Thought Provokig" کہتے ہیں۔

اب ایسا ناول جس کے آغاز میں "مندری والا" کے نیچے Jamal syudrome لکھا ہے، جو اپنی ذات میں خود بڑا اہم ہے کیونکہ ناول کے ہیرو کا نام بھی جمال ہے مگر کیا اس ناول کا ہیرو جمال ہے یا پھر مندری والا؟

اور جمال پرستی اک بیمار کی نشاندہی کرتا ہے Jamal syndrome مگر کس کا جمال Syndrome ہے؟ وہ جمال جو مندری والے کو بتاتا ہے میں "ماہر جمالیات" ہوں۔

ایسا ناول جس کا ایک حصہ "دنیا کے پار" کس کالی پہاڑی کے باسیوں پر ہے، کالی پہاڑی عجب جگہ ہے اک خواب ہے دنیا کے پار ایک اور دنیا ہے یا پھر دنیا کے پہیہ میں اک الٹا پہیہ، جہاں گھڑی ہمیشہ گیارہ بج کر سات منٹ دکھاتی ہے، گویا وقت رک گیا ہے یہاں، ایک ایسی جگہ جو کسی ریاست میں نہیں، کسی ملک میں نہیں، جمال سوال اٹھاتا ہے کیا یہ نومینز لینڈ ہے؟ دیکھئے۔

"کالی پہاڑی ایک سماج ہے اور میں یہاں کا سوشل انیمل ہوں جیسے شاید تم بھی ہو...... یہاں کوئی ایسے ہی نہیں آجاتا، نہ ایسے ہی چلا جاتا ہے، کالی پہاڑی بلاتی ہے تو آتا ہے، بھیجتی ہے تو چلا جاتا ہے، جیسے یہ پہاڑی زمین کے پہیے میں لگا ہوا ایک اور پہیہ ہے جو بڑے پہیے کے اندر مخالف سمت میں گھومتا ہے۔"

مندری والا اس سے سواتر کردار ہے ایک بدہیئت پر اسرار شخص ذہن کو آخری حد تک کنگھالنے والا، وہ مندری والا جو۔

"داہنی کلائی میں چاندی کا کڑا جس پر ہندسے حروف تہجی اور آڑی ترچھی لکیریں کھدی ہوئی تھیں، آنکھوں میں چونکانے والا بھینگا پن تھا، داہنی آنکھ دبی ہوئی بائیں باہر کو نکلی ہوئی لہریا بال ماتھے پر نوک بناتے ہوئے، بائیں گال پر زخم کا گہرا نشان تھا جو گنج لب سے مندری تک جاتا تھا۔" سونے کی مندری جو بائیں من گوش میں تھی، وہ مندری والا جو کبھی صوفی لگتا ہے اور کبھی شیطان، اور جب وہ آنے والے مسائل کا سایہ ایسے لپیٹ کر ڈبیہ میں ڈال لیتا ہے جیسے سرمئی ململ تو جمال پوچھتا ہے، "کیا تم خوف کی دکانداری کرتے ہو" اور وہ سارے نوٹوں کے بنڈل آتشدان میں ڈال دیتا ہے۔

وہ مندری والا جب جمال جو کہ ایک دانشور ہے اس کے سامنے برٹنڈ رسل کی بات کرتا ہے تو وہ کہتا ہے۔

"رسل نے جو کہا سو کہا، تم کیا کہتے ہو؟ کیا ساری عمر کتابیں ہی پڑھتے رہو گے؟ تم عمر کے جیسے حصے میں ہو، اس میں انسان عقل داڑھ سے سوچنا شروع کر دیتا ہے، پرائے لفظوں کی جگالی کرنے سے دانش کا دودھ گاڑھا نہیں ہوتا، اپنی بات کرو کوئی، کیا تم نے کوئی اپنی بات کی ہے کبھی؟ اور جمال سوچتا ہے۔

"یہ صوفی ہے یا شیطان؟ کیا ہے آخر جوگی ہے یا قلندر، راہب ہے یا مجرد؟ مترتاض ہے یا ریاضت کش"

وہ مندری والا جو کالی پہاڑی کے مکینوں کے لئے ہیلی کاپٹر پہ جا کر سامان خورد و نوش لے کر آتا ہے، وہ مندری والا جو دنیا میں آکر حکومت کی بو کو اس شدت سے محسوس کرتا ہے کہ ناک سے خون جاری ہو جاتا ہے۔

وہ مندری والا جو کیلیفورنیا سے تعلیم یافتہ ماہر ارضیات تھا اور اس کی بیوی اسے کنگ بلاتی تھی جس کے ڈیٹیل جیسے شخص غیر معمولی شخص جو سائنس اور وجدان کو ساتھ لے کر چلنا جانتا ہے وہ ڈیٹیل جس کو کل کا بابائے مست ہونا تھا، کنگ کے ساتھ ساری دنیا کی خاک چھان کر وہ مندری والا کے ساتھ اس کالی پہاڑی پر آن بسیرا کرتا ہے۔

پھر کالی پہاڑی ہے اک عجب مقام، اک علامت ہے ظلم، و جبر کے نظام جہاں کچھ بھی کسی کا نہیں اور پھر بھی سب کچھ سب کا ہے، جہاں کار خانے عجب ڈھنگ سے چلتے ہیں جہاں کوئی پابندی نہیں آزادی ہے کسی کی کوئی شناخت نہیں پھر بھی کتنا سکون ہے گیان ہے، زمین پر بسائی گئی جنت۔

وہ کالی پہاڑی جہاں جمال خودکشی کرنے کی کوشش میں ناکام ہو کر پہنچ جاتا ہے یا پھر پہنچا دیا جاتا ہے اور مندری والا جمال سے استفسار کرتا ہے۔

"جمال میاں تم زندگی سے تنگ ہو یا لوگوں سے؟"

جمال نے بتایا۔

"لوگوں نے میری زندگی تنگ کر رکھی ہے۔"

"کتنے لوگ ہیں؟"

"بہت سے ہیں۔"

"ڈیڑھ سو ہوں گے؟"

"اڑتیس ہیں پورے اڑتیس۔" جمال نے سوچ کر بتایا۔

"اگر تم دریا میں ڈوب کر مر جاتے تو ان اڑتیس لوگوں کو کیا جاتا؟ وہ کسی اور جمال کا ناطقہ بند کر دیتے، پھر وہ جمال ہی مر جاتا تو کیا ہوتا"

لیجئے خودکشی کا سارا جواز چٹکیوں میں ختم کر دیا مندری والا نے، وہ مندری والا جس کی بے تحاشا حسین و جمیل بیٹی شینا، جمال کو وہاں ملتی ہے اور جمال اس کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

پھر جمال ہے بالکل ایک متضاد شخصیت کا حامل، ایک دانشور، جس کی دانش کو حکومت سرکاری مہر لگا کر استعمال کرنا چاہتی ہے اور وہ انکار کر دیتا ہے ایک لوئر مڈل کلاس کا نمائندہ جس کو کالی پہاڑی چھو کر گیانی کر دیتی ہے اور وہ مزید گیانی ہو کر دنیا میں پلٹتا ہے وہ جمال جو کہ سوچتا ہے۔

"کیا میں باتوں کا الم انشرح کرتا ہوں؟ کیا میں احساس برتری کا مریض ہوں؟ کیا میں خبط عظمت کا شکار ہوں؟ میرا علم، دانش اور

شخصیت کا سحر کافور ہوتا جا رہا ہے، دنیا والے مجھے...... مجھے تفصیل کلی سے ضرب دیتے ہیں اور کالی پہاڑی صفر سے تو میرے سوال کا حل کیا ہوا؟"

وہ جمال جو کالی پہاڑی سے واپسی پر جو پیشین گوئی کرتا ہے سچ ثابت ہوتی ہے، زیر زمین خزانوں کی خبر، پیشگی آنے والے زلزلے کی خبر، وہ جمال جو صاحب کرامات ہو کر طبقہ امراء میں داخل ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی غیر مطمئن۔

"منافقت کا پلستر میر یدل کی دیواروں سے کیوں چمٹا ہے، کیوں نہیں جھڑتا، یہ پلستر، میں معجزے دکھاتا ہوں، شعبدہ گری کرتا ہوں، لعنت ہے مجھ پر، سورج کی پرائی روشنی سے چاند نیا پھرتا ہوں، سمندر میں جوار بھاٹا اٹھاتا ہوں، روشن چہروں کو چھوڑ آیا ہوں، مردوں میں رہتا ہوں،

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

- اردو کی آخری کتاب .... ☆
- خمار گندم .... ☆
- دنیا گول ہے .... ☆
- آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆
- چلتے ہو تو چین کو چلیئے .... ☆
- نگری نگری پھرا مسافر .... ☆
- خط انشاجی کے .... ☆
- بستی کے اک کوچے میں .... ☆
- چاند نگر .... ☆
- دل وحشی .... ☆

میری گھڑی گیارہ بج کر سات منٹ کیوں نہیں دکھاتی۔"

لیکن یہ کیفیت عارضی ہے، الیکشن کا موسم ہے، برسر اقتدار پارٹی نے جمال کو سب کچھ دیا دولت کی بلندیاں عطا کیں مگر مخالف پارٹی نے مالی صورت حال کو دوگنا کر دیا اور جمال کے جلسے سیاسی منظرنامے بدل دیتے تھے۔

"ملک الیکشن کے بخار میں تپ رہا تھا ملکی اور غیر ملکی اسٹیک ہولڈز کی سرگرمیاں عروج پر تھیں، پیسہ پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا، جوڑ توڑ اور الزام تراشی کا بازار گرم تھا، گلیوں کوچوں میں مختلف جھنڈے......"

وہ جمال جو کہ ایک دانشور ہے اک حساس دل اس لئے اپنی دورخی پہ خود سے عاجز اور مسول ہے۔

"میں جھوٹ کیوں بولتا ہوں، جانتے بوجھتے جھوٹ بولتا ہوں، دانستہ منافقت کرتا ہوں، کیا جھوٹ اور منافقت میرے خون میں شامل ہے، کالی پہاڑی کے لوگ جھوٹ کیوں نہیں بولتے تھے؟ رنگ رنگ کے لوگ تھے مگر سب کا رویہ ایک جیسا تھا، صاف ستھرا، دھلا دھلایا، اجلا اور چمکیلا۔"

اور وہی جمال جب اس کی پارٹی جیت گئی اور رئیل اسٹیٹ بینک اکاؤنٹ و قبالہ جیسی کمزوریوں کو استعمال کر کے حکومت بنانے میں کامیاب بھی ہو گئی اور جمال ہیلی کاپٹر کے ذریعے کالی پہاڑی پر جا پہنچا اس کالی پہاڑی کی حویلی جہاں اسے مندری والا اور اس کی شینا ملی تھی۔

یہ ناول اپنے باریک بین قاری کے ذہن پر نئی سوچ کے در وا کر دے گا۔

☆☆☆

حسن خیال

تحریم محمود

حب اللہ کا مرتبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں نہ شہید پھر بھی انبیاء اور شہداء قیامت کے دن ان کے مرتبہ پر رشک کریں گے جو انہیں اللہ کے یہاں ملے گا۔"

لوگوں نے کہا کہ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کون لوگ ہوں گے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ وہ لوگ ہوں گے جو آپس میں ایک دوسرے کے رشتہ دار نہ تھے اور نہ آپس میں مالی لین دین کرتے تھے، بلکہ محض خدا کے دین کی بنیاد پر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، بخدا ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور ان کے چاروں طرف نور ہی نور ہو گا، انہیں کوئی خوف نہ ہو گا، اس وقت جب کہ لوگ خوف میں مبتلا ہوں گے اور نہ کوئی غم ہو گا اس وقت جب کہ لوگ غم میں مبتلا ہوں گے۔"

سعدیہ جبار، ملتان

کم وقت میں زیادہ ثواب

☆ سورۃ الزلزال دو بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔

☆ سورۃ الفاتحہ تین بار پڑھنے کا ثواب دو قرآن کے برابر ہے۔

☆ سورۃ الاخلاص تین بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔

☆ آیت الکرسی چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔

☆ سورۃ القدر چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔

☆ سورۃ الکافرون چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔

☆ سورۃ العصر چار بار پڑھنے کا ثواب ایک قرآن کے برابر ہے۔

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

باتیں بڑے کام کی

O آدمی اپنے خیالات سے اپنی زندگی خراب کرتا ہے۔

O الفاظ جتنے بھی متاثر کن استعمال کرو مخاطب پر اس کا اثر تب ہی ہو گا اگر ان میں خلوص اور سچائی ہو۔

O دوست کبھی نہیں بچھڑتے جو چلے گئے وہ ہماری یادوں میں زندہ ہیں۔

O اس خوشی سے دور ہو جو کل غم کا کانٹا بن کر دکھ دے۔

O رشتے جب اذیت کے سوا کچھ نہ دیں تو ان سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے، خواہ وقتی طور پر ہی۔

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

اقوال زریں

۱۔ اگر دکھوں کا دریا عبور کرنا ہو تو آنسوؤں کو جذب کرنے کا طریقہ سیکھو۔

۲۔ نظر اس وقت تک پاک ہے جب تک اٹھائی نہ جائے۔

۳۔ زندگی کے ہر لمحے میں خوشیاں بکھیرتے جاؤ تاکہ کسی دن ایک باغ لگا پاؤ دوسروں کو معاف کرو مگر اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کرو۔
۴۔ جو شخص انتقام کے طریقوں پر غور کرتا ہے اس کے دن ہمیشہ برے رہتے ہیں۔
۵۔ دوست کو اتنا مت آزمائش میں نہ ڈال کہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈال دے۔
۶۔ کتابوں کو زمین پر مت گرنے دو یہ ہی کتابیں آسمان پر لے جاتی ہیں۔
۸۔ کسی کا دل مت توڑو یہ نہ ہو تیرے لئے ایک سزا بن جائے۔

نازیہ کمال، حیدر آباد

شیطان کی واپسی

حضرت حاتم اصمؒ نے ایک روز فرمایا کہ شیطان نے ایک دفعہ مجھے پھسلانا چاہا، مگر میں نے اس کو ایسا جواب دیا کہ وہ مایوس ہو کر چلا گیا، وہ مجھ سے کہنے لگا کہ تو کیا کھائے گا میں نے کہا موت، اس نے کہا کیا پہنے گا میں نے کہا کفن، اس نے کہا کہاں رہو گے میں نے کہا قبر میں رہوں گا، میرا یہ جواب سن کر وہ کہنے لگا تم بڑے سخت مرد ہو۔

مریم رباب، خانیوال

غریب مسلمانوں کا حق

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ”سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟“
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”کسی مسلمان کا دل خوش کر دینا بڑے ثواب کا کام ہے، اگر بھوکا ہو تو کھانا کھلا دو، اس کے پاس کپڑے نہ ہوں تو کپڑے پہنا دو یا اس کی کوئی ضرورت اٹکی ہوئی ہے تو اسے پوری کر دو۔“

اُم خدیجہ، شاہدرہ لاہور

فرمان رسول ﷺ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عید کا دن تھا کچھ کنیزیں بھی اشعار گا رہی تھیں کہ اسی دوران میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔
بولے ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں یہ گانا بجانا کیسا؟“
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”ابو بکر رہنے دو، ہر قوم کے لئے تہوار کا ایک دن ہوتا ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے۔“

ثناء حیدر، سرگودھا

خوش بخت

عید کا دن تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عید ادا کرنے جا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بچے کو روتے ہوئے دیکھا اور وجہ دریافت کی، بچے نے کہا۔
”میرا باپ خدا کے نبی ﷺ کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے مارا گیا، اب میرے پاس نہ کپڑے ہیں نہ کھانا۔“
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا، اسے گھر لے گئے، کپڑے دیئے کھانا کھلایا، اس کے بعد وہ بچہ ہنستا ہوا آیا اور بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے لگا، دوسرے بچوں نے کہا۔
”ابھی تم رو رہے تھے اور اب خوش ہو؟“ تو اس نے کہا۔
”میں بھوکا تھا، مجھے کھانا مل گیا، کپڑے نہیں تھے وہ مل گئے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے باپ بن گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میری ماں بن گئیں، فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہا میری بہن بن گئیں تو اب میں روؤں تو مجھ سا بدبخت کوئی نہ ہوگا۔“

در ثمن، میاں چنوں

”فضیلت جمعہ“

ابن ماجہ ابو لبابہ عبد المنذر راور سعد بن معاذؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔
”جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بھی بڑا دن ہے اس میں پانچ خصلتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی اور اسی دن انہیں زمین پر اتارا اور اسی دن میں انہیں موت دی اور اسی میں ایک ساعت ایسی ہے کہ بندہ اس وقت جس چیز کا سوال کرے وہ اسے دیا جائے گا، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن قیامت برپا ہوگی، کوئی فرشتہ مقرب آسمان اور زمین ہوا اور پہاڑ در دریا ایسا نہیں کہ جمعہ کے دن سے ڈرتا نہ ہو۔“
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی دن مجھ پر درود بکثرت پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔
صحابہ اکرامؓ نے عرض کیا۔
”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر درود کیسے پیش کیا جائے گا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو چکے ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر اجسام انبیاء کا کھانا حرام قرار دیا ہے۔“ (حاشیہ مشکواۃ ص ۱۲۱)

آسیہ وحید، لاہور

”دعائے خیر“

حضرت امام احمد بن حنبلؒ ایک چور کے لئے اکثر دعائے خیر کرتے تھے، کسی نے ان سے پوچھا۔
”حضرت! آپ چور کے لئے دعائے خیر کیوں کرتے ہیں؟“
امام صاحب بولے۔
”جب مجھے گرفتار کر کے بیڑیوں میں جکڑ کر اونٹ پر سوار کر کے لے جایا جا رہا تھا تو وہ چور مجھے ملا اور کہنے لگا۔“
”امام صاحب!“
”میں نے بار ہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، کئی سو درے میری پیٹھ پر مارے گئے، لیکن میں نے اپنی عادات نہیں چھوڑیں، آپ کو حق کی سربلندی کے لئے اذیتیں سہہ کر باز نہیں آنا چاہیے۔“
”اس کی بات سن کر میرا ایمان اور حوصلہ اور بڑھ گیا، اس لئے میں اس چور کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں۔“

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

خلیل جبران کہتا ہے

دعا روح اور آرزو کی ہم آہنگی کا نام ہے، دینے اور لینے والے کے مابین ایک ایسے لمحے کی تخلیق کا پیش لفظ ہے جس میں خواہشوں کی تکمیل موجزن رہتی ہے، دعا نہ مانگنے والے ہاتھ ریگستانوں کی طرح خالی رہتے ہیں، جن پر پانی کی ایک بوند برسائے بغیر بادل تیزی سے گزر جاتا ہے۔

اُم ایمن، گوجرانوالہ

”چراغ زندگی“

۱۔ کسی کام کا آغاز اس کی نصف کامیابی ہے، بغیر مقصد کے زندگی کبھی پائیدار نہیں گزرتی سو آغاز بہتر اور مقصد بہترین ہونا چاہیے۔
۲۔ اپنی عمر کے پہلے بیس سالوں کی اچھی طرح حفاظت کرو اور امید رکھو کہ آنے والے بیس

سال تمہاری حفاظت کریں گے۔

۳۔ عادات مختلف جذبات و احساسات اور اعمال سے ترتیب پاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ جب ہم انہیں ترک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اکثر ناکام رہتے ہیں۔

۴۔ ہم عمل کا بیج بوتے ہیں اور عادات کا پھل کاٹتے ہیں ہم عادت کا بیج ڈالتے ہیں اور کردار کا پھل کھاتے ہیں۔

۵۔ کسی ایک شخص کو جگانے کی کوشش میں لگ جانا اس بات سے بدرجہا بہتر ہے کہ ساری عمر دنیا کو بیدار کرنے کے خواب دیکھتے رہیں۔

۶۔ کسی بھی شخص کی طبیعت فطرتاً ایسی اچھی نہیں ہوتی کہ اس کو دیکھ بھال کی ضرورت نہ ہو اور کسی بھی شخص کی طبیعت ایسی بری نہیں ہوتی کہ مناسب تربیت سے بہتر نہ ہو سکے۔

۷۔ شیریں الفاظ اگرچہ بہت ہی معمولی چیز ہیں لیکن ان کی مدد سے آپ بڑے بڑے اہم کام سرانجام دے سکتے ہیں اور مایوس انسانوں کو نیا حوصلہ عطا کر سکتے ہیں۔

۸۔ کردار کی مضبوطی میں دو چیزیں شامل ہیں ایک قوت ارادی اور دوسری ضبط نفس۔

۹۔ دنیا کا تمام فلسفہ صرف دو لفظوں میں پوشیدہ ہے ایک قوت ارادی اور دوسرا ضبط نفس۔

۱۰۔ زندگی ایک ایسی ٹرین ہے جو ہمیشہ ایسے اسٹیشن پر رکتی ہے جہاں ہم اترنا نہیں چاہتے مگر پھر بھی ہمیں اترنا پڑتا ہے۔

۱۱۔ عادت اگر حکمت اور دانائی سے اپنائی جائے تو وہ دراصل طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔

۱۲۔ ذرا سی فیاضی آپ کو بے پایاں روحانی مسرت عطا کرتی ہے۔

۱۳۔ کامیابی کی عمارت میں مستقل مزاجی ایک اہم ستون ہے۔

عابدہ سعید، گجرات

سنہری باتیں

۱۔ کسی سے ایسی بات نہ کرو جس سے دوسرے کی حق تلفی ہو۔

۲۔ ہر کام کرنے سے پہلے اس کا انجام سوچ لو۔

۳۔ ان باتوں کو یاد مت کرو جو گزر چکی ہیں بلکہ آنے والے کل کی فکر کریں۔

۴۔ محبت میں محبت جائز ہے دھوکہ جائز نہیں۔

۵۔ زبان کو ہمیشہ صاف الفاظ کے لئے استعمال کرو۔

۶۔ برائی کا خاتمہ برائی سے کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اچھائی کو اپناؤ۔

فرح عامر، جہلم

سنہری حروف

تکبر..........علم کو کھا جاتا ہے۔
توبہ..........گناہ کو کھا جاتی ہے۔
نیکی..........بدی کو کھا جاتی ہے۔
غصہ..........عقل کو کھا جاتا ہے۔
غم..........عمر کو کھا جاتا ہے۔
غیبت..........عمل کو کھا جاتی ہے۔
جھوٹ..........رزق کو کھا جاتا ہے۔
صدقہ..........بلا کو کھا جاتا ہے۔
ظلم..........عدل کو کھا جاتا ہے۔
نماز..........برائیوں کو کھا جاتی ہے۔
روزہ..........بے صبری کو کھا جاتا ہے۔
زکوۃ..........سختی کو کھا جاتی ہے۔
سلام..........دشمنی کو کھا جاتا ہے۔

☆☆☆

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

لب خاموش سے اظہر تمنا چاہیں
بات کرنے کو بھی تصویر کا لہجہ چاہیں
تو چلے ساتھ تو آہٹ بھی نہ ہونے پائے
درمیاں ہم بھی نہ ہوں یوں تجھے تنہا چاہیں

....

اپنی کسی ادا کے حوالے سے دے صدا
میں کھو چکا ہوں اہل محبت کی بھیڑ میں

....

سفر کو نکلے تھے ہم جس کی رہنمائی پر
وہ ایک ستارہ کسی اور آسماں کا تھا
جسے ہم اپنی رگ جاں بنائے بیٹھے تھے
وہ دوست تھا مگر اک اور مہرباں کا تھا

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

کسی نے کب ہمیں جینے کا اختیار دیا
تجھے اجل نے مجھے زندگی نے مار دیا
کسی سے عشق کا اظہار میں کرتا تھا
خبر نہیں کہ وہ لمحہ کہاں گزار دیا

....

ہم کو شاہوں سے انصاف کی توقع تو نہیں
آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں

....

عجب شخص تھا بارش کا رنگ دیکھ کے بھی
کھلے دریچے پہ اک پھول دان چھوڑ گیا
جو بادلوں سے بھی مجھ کو چھپائے رکھتا تھا
پڑی ہے دھوپ تو بے سائبان چھوڑ گیا

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

منزل نہ دے چراغ نہ دے حوصلہ تو دے
تنکے کا ہی سہی تو مگر آسرا تو دے
بے شک میرے نصیب میں رکھا اپنا اختیار
لیکن میرے نصیب میں کیا ہے بتا تو دے

....

یہ بھی سچ ہے کہ نہیں کوئی رشتہ تجھ سے
جتنی امیدیں ہیں وابستہ ہیں تنہا تجھ سے
یہ الگ بات تجھے ٹوٹ کے چاہا لیکن
دل بے مایا نے کچھ بھی نہیں چاہا تجھ سے

....

اشکوں میں جو پایا ہے وہ گیتوں میں رہا ہے
اس پر بھی سنا ہے کہ زمانے کو گلہ ہے
جو تار سے نکلی ہے وہ دھن سب نے سنی ہے
جو ساز پہ گزری ہے وہ کس دل کو پتا ہے

مریم رباب ---- خانیوال

میں ایک ذرہ بلندی کو چھونے نکلا تھا
ہوا نے تھم کے زمیں پہ گرا دیا مجھ کو

....

بس یہ ہوا کہ اس نے تکلف سے بات کی
اور ہم نے رو رو کے دوپٹے بھگو لئے
تیری برہنہ پائی کے دکھ بانٹتے ہوئے
ہم نے خود اپنے پاؤں میں کانٹے چبھو لئے

....

اپنی تعلیم پر توجہ دو
مت پڑو عشق کے عذابوں میں
عمر کٹتی ہے ان کی کانٹوں پر
پھول رکھتے ہیں جو کتابوں میں

میں اپنی فتح سمجھتا رہا مات ہونے تک

....

ہے اختیار میں ترے تو معجزہ کر دے
وہ شخص میرا نہیں تو اسے میرا کر دے
یہ رہگزار کبھی ختم ہی نہیں ہوتا
ذرا سی دیر تو رستہ ہرا بھرا کر دے

....

طوفان کر رہا تھا میرے عزم کا طواف
دنیا سمجھ رہی تھی کہ کشتی بھنور میں ہے
ثنا حیدر ---- سرگودھا

تم ساتھ تھے ہم بھی تھے منزل سے آشنا
اب تم نہیں تو لگتے ہیں رستے عجیب سے

....

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا تیرا مکان ہے کچھ تو خیال کر

....

پڑھنا ہے تو انسان کو پڑھنے کا ہنر سیکھ
ہر چہرے پہ لکھا ہے کتابوں سے زیادہ
درثمن ---- میاں چنوں

جیسا جتنا بھی رشتہ تھا اس کو رسوا مت کرنا
ہم بھی ایسا نہیں کہیں گے تم بھی ایسا مت کرنا

....

دامن کے سارے چاک گریباں کے سارے چاک
ہو بھی گئے بہم تو بہم اور کتنی دیر

....

فضا میں رنگ نہ ہوں آنکھ میں نمی بھی نہ ہو
وہ حرف کیا کہ رقم ہو تو روشنی بھی نہ ہو
وہ کیا بہار کہ پیوند خاک ہو کے رہے
کشائش روش و رنگ سے بری بھی نہ ہو
آسیہ وحید ---- لاہور

شام آ رہی ہے ڈوبتا سورج بتائے گا
تم اور کتنی دیر ہو ہم اور کتنی دیر

....

یوں مجھ کو نگاہوں کے ترازو میں نہ تولو
ہے شوق تو بے ساختہ آنکھوں میں سمولو
اب دل کو میں لایا ہوں ہتھیلی پہ سجا کے
اس حسن کے بازار میں کیا دام ہیں بولو

....

سبھی لوگ تو کبھی بھی اچھے نہیں رہتے
جن سے سچ سیکھا ہو وہ بھی سچے نہیں رہتے
کیوں ایسا ہے کہ اعتبار کی ٹوٹی دہلیزوں پر
جو بہت ہی اپنے ہوں اپنے نہیں رہتے
جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور

یہی کہا تھا مری آنکھ دیکھ سکتی ہے
تو مجھ پر ٹوٹ پڑا سارا شہر نابینا

....

ہر شخص یہاں اماں ڈھونڈ رہا ہے
تہذیب کے گم گشتہ نشاں ڈھونڈ رہا ہے
گھبرایا ہوا ہے شہر تعصب کی ہوا میں
ہر ایک مکین اپنا مکان ڈھونڈ رہا ہے

....

شہر وفا میں کوئی شناسا نہیں رہا
اپنا جسے کہیں کوئی ایسا نہیں رہا
اک آئینہ جو دیکھتا رہتا تھا رات دن
اس آئینے میں عکس ہی اپنا نہیں رہا
ام ایمن ---- گوجرانوالہ

کسی نے کاٹ دیا اک درخت جنگل سے
پھر اس کے بعد بہت دیر تک ہوا نہ چلی

....

بات کہہ دے جو تیرے دل میں ہے
بات کو تو اگر مگر نہ بنا
تیرا اپنا یقیں نہ اٹھ جائے
خود کو اتنا بھی معتبر نہ بنا

ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے
جواب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں
در قفس پہ اندھیرے کی مہر لگتی ہے
تو فیض دل میں ستارے اترنے لگتے ہیں
عابدہ سعید ---- گجرات

بہا لو خون سڑکوں پر مگر اتنا تو تم سوچو
وطن جب خون مانگے گا تمہارے پاس کیا ہوگا

....

اس شہر محبت میں عجب کال پڑا ہے
ہم جیسے سبک لوگ بھی نایاب بہت تھے
اب دیکھ یہ میری حسرت بھری اجڑی ہوئی آنکھیں
دنیا تیرے بارے میں میرے خواب بہت تھے

....

تتلیوں کا مجھے ٹوٹا ہوا پر لگتے ہے
دل پہ وہ نام بھی لکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے
میں تیرے ساتھ ستاروں سے گزر سکتا ہوں
کتنا آسان محبت کا سفر لگتا ہے
فرح عامر ---- جہلم

ہر لفظ کو کاغذ پہ اتارا نہیں جاتا
ہر نام سرعام پکارا نہیں جاتا
ہوتی ہیں محبت میں کئی راز کی باتیں
ویسے ہی تو اس کھیل میں ہارا نہیں جاتا

....

غم کی ہوا تجھ کو لگ جائے نہ کبھی
خون کے آنسو تو بہائے نہ کبھی
جو دے دکھ تجھ کو خدا کرے صنم
وہ بھی خود چین نہ پائے کبھی

....

آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوبتا چلا جا
یہ وہ سمندر ہے جہاں کنارا نہیں ملتا
وہ تو خدا ہے پوری کرے گا آرزو میری
لوگ تو پتھروں سے بھی مراد پا لیتے ہیں

فائزہ قاسم ---- سکھر
محبت تو آزمائشوں کا حاصل ہے
سنو ہر بات پہ یوں روٹھا نہیں کرتے

....

پایا تھا لاکھوں کاوشوں کے بعد جس کو
وہ ملا تو ذات ادھوری رہ گئی

....

کیسا چنچل وہ قلم کار ہے جس نے آخر
تیری پلکوں کے مقدر میں شرارت لکھ دی
نعیم امین ---- کراچی

اس پہ ہیرے نہیں جگنو چھڑکو
وہ ستاروں پہ یقیں رکھتا ہے

....

ایک ہی شہر میں اتنی بارش ٹھیک نہیں
آؤ ہم تم بانٹ لیں آنکھوں کی برسات

....

میری آنکھوں میں چھپی اک کمی سی رہ گئی
میں نے جب بھی بات کی اک کمی سی رہ گئی
ہمارائے ---- کراچی

گونگے بنے رہے تو سب ہی مانتے تھے بات
بولے تو ہم کسی کو بھی قائل نہ کر سکے

....

وہ آنکھیں جھیل سی گہری تو ہیں مگر
ان میں کوئی بھی عکس میرے نام کا نہیں

....

اس کو بھی لگ ہی گئی شہر محبت کی ہوا
وہ بھی ہے امجد کئی دن سے پریشان بہت
نبیہ آصف ---- قصور

ہونٹوں پہ سلگتے ہوئے انکار پہ مت جا
پلکوں سے پرے بھیگتے اقرار بہت ہیں

....

تو اس کے دل میں بہت جلد بس گیا منیر

تیرے نصیب پہ حیران رہ گیا وہ بھی

....

تم میرے پاس ہوتے ہو
گویا کوئی دوسرا نہیں ہوتا
ثمینہ رفیق ---- کورنگی کراچی

بے رخی اس سے بڑھ کر بھلا کیا ہو گی
اک موت سے اس نے مجھے ستایا بھی نہیں

....

گزرے دنوں کی شوخیاں نیندوں پہ اوڑھ کر
آنکھوں میں جھلملاتا ہے سپنا کبھی کبھی
ناکام آرزوئیں سرِ شام رو پڑیں
جب بھی اداس کمرے کو دیکھا کبھی کبھی

....

میں تا عمر اپنی ساعتوں کو کوستا وصی
وہ کچھ نہ کہتے مگر ہونٹ تو ہلا دیتے
رمشہ ظفر ---- بہاول پور

زیست کے ہر رنگ کو پہچان جاتے ہیں
دل میں چھپی ہر بات وہ جان جاتے ہیں
روٹھ کر ماہ و سال نہیں بیتاتے وہ
جتنے بھی ناراض ہو مان جاتے ہیں

....

نہیں سجتے تیرے نیند کٹورے بیل بوٹوں کی طرح
کر گیا معطر میرے ہاتھوں کو رنگ حنا

....

تعبیر کا اعزاز ہوا ہے اسے حاصل
جس نے میرے خوابوں میں شراکت بھی نہیں کی
آداب سفر اب وہ سکھاتے ہیں جنہوں نے
دو چار قدم طے یہ مسافت بھی نہیں کی
عاصمہ سرور ---- وہاڑی

میرے ہاتھوں نے جس کو چاند جیسا روپ بخشا تھا
مجھے تاریک لمحوں میں کہاں پہچانتا ہے وہ
سہارا مانگتا ہے صرف تنہائی کے لمحوں میں
محبت کا تعلق کب کسی سے باندھتا ہے وہ

....

آج پھر محرومیوں کی داستانیں اوڑھ کر
خاک میں سونے لگے ہیں میں محبت اور تم
کھو گئے انداز بھی آواز بھی الفاظ بھی
خامشی ڈھونے لگے ہیں میں محبت اور تم

....

وہ جو ستاروں پر ڈال چکے کمند
ہو گئے زمین کے ٹکڑے میں دفن
عجیب ان کے عروج تھے
عجیب ان کی زندگی کا انجام ہے
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد

محفل میں ہنسنا تو ہمارا مزاج بن گیا
تنہائی میں رونا اک راز بن گیا
دل کے درد کو چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا
یہی زندگی جینے کا انداز بن گیا

....

کچھ ایسے حادثے زندگی میں ہوتے ہیں فراز
کہ انسان بچ تو جاتا ہے مگر زندہ نہیں رہتا

....

نہ ہوں گے ہم تو یہ عالم نہ ہو گا
ملیں گے بہت لیکن کوئی ہم سا نہ ہو گا
مسرت مصباح ---- لاڑکانہ

اداس نہ ہونا کیونکہ میں ساتھ ہوں
سامنے نہ سہی پر آس پاس ہوں
آنکھوں کو بند کرنا دل سے یاد کرنا
میں ہمیشہ آپ کے لئے ایک احساس ہوں
تیری تنہائیوں میں شریک ہو جاؤں
سوچتا ہوں اکثر تیرا نصیب ہو جاؤں

☆☆☆

بلقیس بھٹی

حمد

تیری راہ میں زندگی بسر کروں
تیری حمد و ثنا میں اکثر کروں
مٹا کر خود کو تیری الفت میں ہمدم
کہانی اپنی کیوں نہ امر کروں
خدایا سونپ دیے تو نے مجھے انمول خزانے
تیری کس کس کرامت کا ذکر کروں
تیرا جو ساتھ ہے تو سب کچھ پاس ہے
زمانے بھر کی کیوں میں فکر کروں
رو رو کر تیری یاد میں الٰہی
میں اک آنسو کو سمندر کروں
مل جائے گر انبساط کے قلم کو آب حیات
تاقیامت تیری بڑائی تحریر کروں
فائزہ قاسم، سکھر

جوڑوں میں ہے

کیا خبر ہم کھا رہے ہیں کیا غذائیں آج کل
درد جوڑوں کا یہ اب تو بیشتر جوڑوں میں ہے
درد کا میرے کیا اس چارہ گر نے یہ علاج
درد تو جاتا رہا اب چارہ گر جوڑوں میں ہے
نعیم امین، کراچی

ایک آدمی

بسوں کے اڈے پر بہت رش تھا، بس آئی تو وہ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، کنڈیکٹر نے دروازہ کھولا اور چیخ کر کہا۔

''صرف ایک آدمی اندر آ سکتا ہے۔''

یہ سن کر ایک پولیس والا جھٹ بس میں سوار ہو گیا، اس کی دیکھا دیکھی ایک مسکین سے بڑے میاں بھی بس میں چڑھ گئے، کنڈیکٹر نے غصے سے کہا۔

''تم نے سنا نہیں کہ صرف ایک آدمی اندر آ سکتا ہے۔''

بڑے میاں معصومیت سے بولے۔

''وہ تو پولیس والا تھا آدمی تو میں ہوں۔''

ہما رائے، کراچی

معاف کرنا

ایک دیہاتی گدھے پر اناج لاد کر شہر لے گیا، شہر میں ایک جگہ گدھا اڑ گیا اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، دیہاتی نے پہلے اسے پچکارا پھر دھکے دیئے، جب دیکھا کہ وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تو اسے ڈنڈے سے مارنے لگا، یہ دیکھ کر لوگ اکٹھے ہو گئے، کچھ آوازیں آئیں۔

''بڑے بے رحم ہو، بے چارے کو کتنی بے دردی سے مار رہے ہو۔''

دیہاتی اس قسم کے جملے کچھ دیر سنتا رہا پھر اچانک ڈنڈا پھینک کر گدھے کے سامنے آیا، چار مرتبہ جھک کر اسے فرشی سلام کیا اور بولا۔

''حضور! مجھے معاف فرما دیجئے میں نہیں جانتا تھا کہ یہاں آپ کے اتنے سارے رشتے دار ہیں۔''

نبیہ آصف، قصور

تمہارا نام

ایک دفعہ ایک صاحب اپنے دوست کے گھر گئے، دو تین بار دستک کے بعد جب دروازے پر نظر پڑی تو دیکھا وہاں تالا لگا ہے،

غصے میں وہ دروازے پر گدھا لکھ کر واپس آ گئے۔
اگلے دن جب دوست کے گھر گئے تھے وہ خود ان سے ملنے آ گیا تو وہ حیرت و مسرت کے ملے جلے تاثرات سے بولے۔
"ابھی میں کل تم سے ملنے آیا تھا مگر......؟"
ابھی ان کی بات پوری نہ ہوئی تھی کہ ان کا دوست بولا۔
"تم کس بات پر حیران ہو کر مجھے الہام ہوا ہے ایسا ہے تو غلط فہمی دور کر لو میں اپنے دروازے پر تمہارا نام پڑھ کر تمہاری طرف آیا ہوں۔"
ثمینہ، رفیق، کورنگی کراچی

بازگشت

جب کبھی ہم بچے ہوتے تھے
اپنے وقت کے لیڈر ہوتے تھے
انتخابی نشان فیڈر ہوتے تھے
دل و دماغ کے بچے ہوتے تھے
بسکٹ ٹافیاں خوراک تھی اپنی
صرف محبت ذات تھی اپنی
جی بھر کے رات دن سوتے تھے
جب کبھی ہم بچے ہوتے تھے
رنگ برنگے لباس تھے اپنے
رہن سہن سب سے خاص تھے اپنے
سب کی آنکھ کا تارا ہوتے تھے
جب کبھی ہم بچے ہوتے تھے
ریت کے گھروندے مٹی کے کھلونے
اپنی جائیداد کے حصے ہوتے
دل چاہا تو سو لیا
ورنہ اکثر رو لیتے تھے
جب کبھی ہم بچے ہوتے تھے
وہ سنہری زمانہ کھو گیا
وہ بچپن میرا اب کھو گیا
جب سے بڑا میں ہو گیا
میں خود سے جدا اب ہو گیا
بچپن کا زمانہ کھو گیا
میرا اپنا آپ سے کھو گیا
رمشہ ظفر، بہاول پور

عید

پڑھ کر نماز ہم جو نکلے عیدگاہ سے
ان گنت فقیروں کی ہم کو دید ہو گئی
ہم خالی جیب لے کے اپنے گھر چلے گئے
کوئی ہو گیا کنگال کسی کی عید ہو گئی
عاصمہ سرور، وہاڑی

مظلوم

سڑک پر ایک بورڈ لگا ہوا تھا جس پر کسی واعظ نے لکھا تھا "میں سب کے لئے دعا کرتا ہوں، اس کے نیچے کسی وکیل نے لکھا تھا، میں سب کی وکالت کرتا ہوں، نیچے ایک ڈاکٹر نے لکھا، میں سب کا علاج کرتا ہوں، بورڈ کے نیچے تھوڑی سی جگہ خالی تھی جس پر ایک شہری نے لکھ دیا، "اور میں سب کے بل ادا کرتا ہوں۔"
رابعہ ارشد، فیصل آباد

دریافت

ایک سائنس دان نے دوسرے سائنس دان کو بتایا۔
"آج میں نے محض اتفاقاً ایک اہم چیز دریافت کر لی ہے۔"
"وہ کیا......؟" دوسرے سائنس دان نے دلچسپی سے کہا۔
"مجھے پتا چلا ہے کہ اگر آپ سیاہی کی دوات قریب رکھ لیں تو کسی بھی فاؤنٹین پین میں سیاہی بھرے بغیر بھی آپ اس سے لکھ سکتے ہیں۔"
مسرت مصباح، لاڑکانہ

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

درثمن: کی ڈائری سے ایک نظم
"اللہ اکبر"
میں نے اس دنیا میں آنکھ کھولی
جیسے ہی اللہ اکبر کی صدا میرے کان
میں گونجی
یہ صدا میرے روم روم میں بس گئی
اس کا ذائقہ اس کی حلاوت
میرے خون میں گھل گئی
میں بڑا ہونے لگا
میری ماں نے سبحان اللہ کی ہر تسبیح
کے ساتھ مجھے دودھ پلایا
میرے باپ نے روٹی کے ہر لقمے پر
بسم اللہ پڑھنا سکھایا
میں اب
دنیا کے گھیرے میں ہوں
جس کو کہتے ہیں اک پڑاؤ
لیکن اس ایک صدا
اللہ اکبر نے
مجھے کسی کے آگے جھکنے نہیں دیا
بسم اللہ نے
جو میرے خون میں گردش کرتی ہے
مجھے برائی میں پڑنے نہیں دیا
میرا باپ جو ہر بات میں
الحمدللہ کا ورد کرتا تھا
مجھے وہ تسبیح دے گیا
میں اب اپنے آخری ٹھکانے پر پڑا
جہاں تنہائی تو ہے، تاریکی نہیں
جہاں ڈر تو ہے
خدا سے دوری نہیں
الحمدللہ واللہ اکبر اسی تسبیح پر دھراتا ہوں
کہ میں زندہ بھی مسلمان تھا
میں مرا بھی مسلمان ہوں

آسیہ وحید: کی ڈائری سے ایک غزل
بعد مدت اسے دیکھا لوگو
وہ ذرا بھی نہیں بدلا تھا لوگو
خوش تھا وہ مجھے بھلا کر بھی
اس کے چہرے پہ لکھا تھا لوگو
اجنبی بن کر جو گزرا تھا پاس سے
تھا کسی وقت میں وہ اپنا لوگو
دوست تو خیر کون کسی کا ہے
اس نے شناسا بھی نہ سمجھا لوگو

جویریہ ناصر: کی ڈائری سے ایک پیاری نظم
"قبائے ساز"
آج وہ آخری تصویر جلا دی ہم نے
جس سے اس شہر کے پھولوں کی مہک آتی تھی
آج وہ نکہت آسودہ جلا دی ہم نے
عقل جس قصر میں انصاف کیا کرتی تھی
آج اس قصر کی زنجیر ہلا دی ہم نے
آگ کاغذ کے چمکتے ہوئے سینے پر پڑھی
خواب کی لہر میں بہتے ہوئے آئے ساحل
مسکراتے ہوئے ہونٹوں کا سلگتا ہوا کرب
گنگناتے ہوئے عارض کا دمکتا ہوا تل
جگمگاتے ہوئے آویزوں میں مبہم فریاد
ایک دن روح کا ہر تار صدا دیتا تھا
کاش ہم بک کے بھی اس جنس گراں کو پالیں
قرض جان دے کے متاع گزگراں کو پالیں

خود بھی کھو جائیں اور......
اس رمز فہماں کو پالیں
اور اب یاد کر اس آخری پیکر کا طلسم
قصہ رفتہ بنا، خواب کی بالوں سے ہوا
اس کا پیارہ سا بدن، اس کا مہکتا ہوا روپ
آگ کی نذر ہوا اور انہی باتوں سے ہوا

ام ایمن: کی ڈائری سے ایک غزل
خزاں کے موسم میں گلاب چھوڑ گیا
زندگی بھر کا میرے لئے عذاب چھوڑ گیا
وہ میری قربتوں کا ہم سفر جب گیا تو
تنہائیوں پہ لکھی ہوئی کتاب چھوڑ گیا
ضروری نہیں ہر کسی کو ملیں چاہتیں
کیا تھا سوال کیا جواب چھوڑ گیا
آس تھی جب جس شخص سے مجھے زندگی کی
آنکھوں میں ٹوٹے ہوئے خواب چھوڑ گیا
یہ جھوٹ ہے اس سے کچھ ملا نہیں ثمرہ
پرس یادیں وہ اپنی بے حساب چھوڑ گیا

عابدہ سعید: کی ڈائری سے
"سفر ذات"
اندر کا سفر
بھیانک ہے بہت
ہر طرف
دم توڑتی حسرتیں
اور غم کے سائے ہیں
دور دور تک
ٹکڑے بکھرے ہیں دل کے
لہولہو خواہشیں
ناامیدی کے کھنڈر
مایوسی کا سمندر
سسکتی یادیں
بے چین کرتیں ہیں
کسی کی بے وفائی پہ
ماتم کناں ہیں
کسی کی چاہت کی
دیوانگی کی طلب گار ہوں
یہ پر خار سفر میرے اندر کا ہے

فرح عامر: کی ڈائری سے خوبصورت غزل
جس طرف بھی نظر گئی لوگو!
ایک قیامت گزر گئی لوگو!
وہ گئے خواب ہی بکھر کر سب
نیند جانے کدھر گئی لوگو!
جو گیا تھا سکول آج اس کی
موت لے کر خبر گئی تھی لوگو!
وہ جو گڑیوں سے کھیلتی تھی کل
آج وہ بھی تو مر گئی لوگو!

فائزہ قاسم: کی ڈائری سے خوبصورت انتخاب
"درد کے موسم"
میری آنکھ کے سپنے چھینے
میری ساری بینائی لے لی
میری پلکوں سے خواب لئے
اور میری روح سے خواہش مانگیں
میرے لبوں سے لیں دعائیں
میرے دل سے لیں وفائیں
میرے لہو سے مانگی روانی
میری آنکھ سے لیا پانی
میرے قدموں سے منزل چھینی
میرے رستوں سے نشان لئے
میرے سفر کو برباد کیا
اور مجھ کو بھی ناشاد کیا
میری آنکھ سے لے کے منظر
مجھ کو کیوں ویرانی دے دی؟
میری خوشی کالے کے موسم
مجھ کو کیوں ہجر کہانی دے دی؟
میرے ہاتھوں سے لے کر آشائیں

مجھ کو کیوں دیں غم کی گھٹائیں؟
مری جاں سے لے کے رفاقت
میرے دل سے لے کر چاہت
مجھ کو سنا کے عشق کا نغمہ
کیوں اتنے ستم ایجاد کیئے؟
کہ، مجھ سے لے کر پیار رتیں
جتنے تھے درد کے موسم
سارے مجھ پہ تان دیئے

نعیم امین: کی ڈائری سے ایک نظم

''آئیڈیل خوابوں کی تعبیر کا نام ہے شاید''
کبھی کبھی یہ دل یہ ذہن سب کچھ پا کر بھی تشنہ رہ جاتے ہیں
اندر کے خواب مچلتے ہیں اور پرانی خواہشیں دھیمے دھیمے سلگتی ہیں
بس کوئی موسم کوئی رنگ کسی کی چند گھڑیوں کی رفاقت انسان کے اندر سکھ کی چاندنی پھیلا دیتے ہیں
اس خوبصورت پل کی طرح اس خواب کی طرح
جو چہرے پر مسکراہٹ کی کرنیں بکھیر دیتا ہے
کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ میرے اندر اتنی اداسیاں کیوں جمع ہیں
میں ان کو اگر کرید کر ختم کرنا بھی چاہوں تو نہیں کر سکتی
نا جانے کیوں اس طرح اداس سرمئی شاموں میں مجھے یادوں کی اس اوڑھ لے جاتیں ہیں
جہاں کبھی میرا جہاں بسر تھا آج صرف ویران صحرا ہیں
گرتی شبنم، بکھری چاندنی، مجھے کیوں اٹریکٹ کرتی ہیں
خزاں کے موسم میں گرتے پتے اور ان کا دکھ مجھے اپنے دل میں محسوس ہوتا ہے

ہما رائے: کی ڈائری سے ایک غزل

سمندروں کے موتی ہو تم ساحلوں پہ رہتے ہو
میرے نام لکھے ہو پر خواہشوں میں رہتے ہو
دل میں بستے ہو تم دعاؤں میں رہتے ہو
خوشبو کی طرح ہواؤں میں رہتے ہو
دھوپ ہو تم مگر چھاؤں میں رہتے ہو
ریت کی طرح صحراؤں میں رہتے ہو
جسم میں رہتے ہو آتماؤں میں رہتے ہو
بھگوان بن کر دیوتاؤں میں رہتے ہو
قسمت کے دھنی ہو اس قدر تم
بے وفا ہو مگر وفاؤں میں رہتے ہو

نبیہ آصف: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

راستے کھو گئے ہیں
مقدر سو گئے ہیں
دوستیاں بانٹتے بانٹتے
بیج عدالت بو گئے ہیں
خواب تو خوب تھے آنسو
چشم میں پرو گئے ہیں
اچھے دن جیسے نایاب موتی
جانے کہاں کھو گئے ہیں
انا پرست لوگ جان کر
مٹی کے ڈھیر پہ رو گئے ہیں
ہماری بد قسمتی کے گڑھے
بہت گہرے ہو گئے ہیں

ثمینہ رفیق: کی ڈائری سے ایک نظم

تم جس خواب میں آنکھیں کھولو اس کا روپ امر
تم جس رنگ کا کپڑا پہنو وہ موسم کا رنگ
تم جس پھول کو ہنس کر دیکھو وہ کبھی نہ مرجھائے
تم جس حرف پہ انگلی رکھ دو وہ روشن ہو جائے
میں نے دیکھا تھا ان دنوں میں اسے
جب وہ کھلتے گلاب جیسا تھا
اس کی پلکوں سے نیند چھلکتی تھی

☆☆☆

عین غین

سعدیہ جبار ---- ملتان

س: آداب عین جی؟
ج: خوش آمدید سعدیہ جی۔
س: ذرا چہرہ تو دکھاؤ اور تھوڑا سا مسکراؤ؟
ج: کیا تم نے تصویر اتارنی ہے۔
س: عین جی! اگر میاں اپنے عروج پر آ گئیں اب تو گوشہ نشینی چھوڑیں اور سامنے آ جائیں؟
ج: ڈر یہ ہے کہ سامنے آ گیا تو تم آ جاؤ گی۔
س: اور ہاں، آپ کی منہ دکھائی کی رسم کب ہے؟ یقین کریں حنا کے سارے قارئین منہ مانگی منہ دکھائی دیں گے آپ ہاں تو کریں؟
ج: تم باقی رسمیں تو پوری کرو، منہ دکھائی بھی ہو جائے گی۔
س: اچھا یہ بتائیں کہ کوئی آپ سے کہتا ہے بھلا کیا؟
ج: یہی کہ ہاں تو کریں۔
س: کسی کی خوشی کے لئے اپنی خوشی قربان کر دینا تو پیار و محبت یا دوستی میں آتا ہے لیکن کسی کو اپنی خوشی کے لئے قربان کر دینا کس زمرے میں آئے گا؟
ج: قربانی کے۔

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

س: عین غین جی السلام علیکم! کیسے ہو؟ کیا ہو رہا ہے آج کل؟
ج: وعلیکم السلام ٹھیک ہوں، تمہارے سوالوں کے جواب دے رہا ہوں۔
س: گرمی سے پہلے گرمی آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: لوڈ شیڈنگ۔
س: اس کی سالگرہ آ گئی ہے کیا تحفہ پیش کروں؟
ج: جنریٹر۔
س: محبت میں ہر لمحہ وصال ہوتا ہے، کیا واقعی؟
ج: جی ہاں خیالوں میں۔
س: آنکھ نم نہیں؟ کوئی غم نہیں؟ مگر ہم بھی ہم نہیں؟ کیوں؟
ج: سرسام جو ہو گیا ہے۔
س: بس آخری بات بتا دیں کہ محبت اپنا مان کب کھوتی ہے؟
ج: جب کوئی کسی کو اپنی خوشی کے لئے قربان کر دے۔

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: دل کے موسم اثر رکھتے ہیں یا کہ؟
ج: اثر رکھتے ہیں تو تم ہم ہی ہم نہیں ہوتے ہو۔
س: اف بہت گرمی ہے میری تو بس؟
ج: بس کیوں۔
س: اوہو عین غین جی میں آپ سے نہیں کہہ رہی ہوں وہ دراصل نہ؟
ج: کیا دراصل نہ۔
س: میری پوری بات تو سن لیں؟
ج: سناؤ کیا بات کرنی ہے۔
س: عین غین جی بتاتی ہوں اس طرح تو منہ نہ بنائیں؟
ج: بھئی تمہیں دیکھ کر میرے چہرے کے انوکھے انوکھے ڈائزین بن جاتے ہیں۔

س: کیا کہہ رہیں ہیں عین غین جی؟
ج: اے لڑکی آرام سے یہ محفل ہے پاگل خانہ نہیں سمجھی۔

نازیہ کمال ---- حیدرآباد

س: عین غین جی میں آپ کو اتنی عزت سے مخاطب کرتی ہوں اور آپ یہ صلہ دے رہے ہیں میں جا رہی ہوں؟
ج: جاؤ ہر بار یہی کہتی ہو۔
س: مگر اب کی بار نہیں آؤں گی سمجھے؟
ج: یہ ہی تو ہم چاہتے ہیں جاؤ بی بی اپنے کام کرو ہمارا دماغ نہ خراب کرو۔
س: زندہ رہنے کے لئے تیری قسم؟
ج: سانس لینا ضروری ہے۔
س: ایک ملاقات ضروری ہے صنم؟
ج: تقریب کچھ اسیر ملاقات بھی چاہیے۔
س: روٹھے ہو تم تم کو کیسے مناؤں پیا؟
ج: یہ بھی میں ہی بتاؤں، تم بھی کچھ کوشش کرو۔
س: بولو نہ بولو نہ؟
ج: اب میرا منہ نہ کھلواؤ۔

مریم رباب ---- خانیوال

س: اب مان بھی جاؤ؟
ج: کچھ کوشش کرو گی تو مانوں گا۔
س: نخرا کس بات پر دکھا رہے ہو؟
ج: کوئی بات تو ہے نا۔
س: چلو بابا ہم ہی معافی مانگ لیتے ہیں؟
ج: مانگو۔
س: کیا مطلب کر دیا؟
ج: پہلے معافی تو مانگو۔
س: چلو پھر مسکراؤ؟
ج: جب معاف کریں گے تو مسکرا بھی دیں گے۔
س: عین غین جی شوہر کے دل میں اترنے کا شارٹ کٹ راستہ معدہ اور بیوی کے دل میں اترنے کا شارٹ کٹ راستہ......؟
ج: سر اٹھا کر جواب دینے کا۔

ام خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

س: پچھلے سال انہیں دل تحفے میں دیا تھا اب کے سال کیا بھیجوں؟
ج: جگر۔
س: میرا عرض شوق پڑھ لیں یہ کہاں انہیں گوارہ؟ وہیں چاک کر دیا خط جہاں میرا نام آیا، آخر کیوں؟
ج: تم نے بھی تو خط میں اتنے مطالبات لکھ دیئے ہوں گے۔
س: عین غین جی اگر ہر انسان کو ایک ماہ قبل اپنی موت کا علم ہو جاتا تو آپ مرنے سے پہلے کون کون سے دنیاوی کام نپٹانا ضروری سمجھتے؟
ج: کیا بتاؤں، ہزاروں خواہشیں ایسی کہ......
س: آج کل دل بہت اداس رہنے لگ گیا ہے کیا کروں؟
ج: کرنا کیا ہے دل کے بہلانے کا سامان کرو۔
س: تیرا بیسٹ فرینڈ شیطان اول (امریکہ) کب مسلمان ہو رہا ہے؟
ج: تم کوشش کرو گی تو ہو گا مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔
س: این اپنا ڈائنامیٹ سے بھرا پلین امریکہ اور اس کے ڈھکن اتحادیوں پر گرانا چاہ رہی ہوں، بس تو یہ بتانے کا کہ وہ چوہے کہاں جمع ہو رہے ہیں؟
ج: یہ پلین چابی سے چلتا ہے یا بیٹری سے۔

☆☆☆

خبرنامہ

عبداللہ

ایک طرف ہماری لولی ووڈ کی نازک اندام ہیروئین ناکام ہونے کے باوجود بھی نخرے دکھانے میں کسی سے کم نہیں ایک چھینک بھی آ جائے تو کام چھوڑ چھاڑ بیٹھ جاتی ہیں، وہاں جگن جیسی پرفارمر (جو کہ حقیقت میں واقعی بے حد محنتی ہیں) کی تعریف جتنی بھی کی جائے کم ہے۔

چڑھتی یا ڈھلتی جوانی

ڈرائیکٹر عثمان رضا کی فلم "میں شاہد آفریدی ہوں" کے لئے ماہ نور بلوچ پر آئٹم سونگ چڑھتی جوانی فلمایا گیا، ایک تو ماہ نور کی آئٹم سونگ کے لئے رضا مند کرنا اور اس پر اس کے بول...... ساری ٹیم کے لبوں پر یہی تھا کہ کترینہ، کرینا اور سوناکشی کی چھٹی کیونکہ ماہ نوران سب سے زیادہ پرکشش ہے، ماہ نور پرکشش ہے یہ تو ہم بھی مانتے ہیں مگر ان کہنے والوں کو ہم یہاں ایک بات بتاتے چلیں کہ جو کہ وہ شاید بھولے ہوئے ہیں کہ ماہ نوران سب ایکٹریس سے دگنی عمر کی ہے اور کم

حقیقی اداکارہ

خاموش رہو، سے لولی ووڈ میں سفر شروع کرنے والی جگن کاظم کی کیوٹ اور ٹیلنٹ سے مالا مال ہونے کے باوجود فلم کی ناکامی کے بعد خاموشی سے فلمی نگر کو چھوڑنا پڑا، لیکن اس نے کوئی واویلا نہیں کیا، اگرچہ شان سے جگن کو اپنی آنے والی فلم میں کاسٹ کرنے کا اعلان بھی کیا، مگر یہ سب زبانی کلامی ہی رہا جگن کاظم نے عقلمندی کا دامن تھامے رکھا اور خاموشی سے چھوٹی اسکرین کی طرف لوٹ آئی جہاں وہ ایک نجی چینل سے مارننگ شو کر رہی ہیں اور دن بدن اپنے چاہنے والوں کی تعداد میں اضافہ کیے چلی جا رہی ہیں، جگن کا اپنے کام سے محبت کا یہ عالم ہے کہ پچھلے دنوں انتہائی زیادہ طبیعت ناساز ہونے کے باوجود پروگرام کرتی رہیں اور مجال ہے کسی ایک روز بھی اپنے پروگرام کو بیمار کیا ہو، مطلب ہے ظاہر ہونے دیا ہو کہ وہ بیمار ہے۔

ازکم چڑھتی جوانی...... جیسے بول اسے ہرگز سوٹ نہیں کرتے، پھر بھی اگر پاکستانی ہونے کے حوالے سے پاکستانیوں کے گن گانے ہیں تو چلیں آپ اور ہم بھی ان احمقوں کے ساتھ شامل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔

جائے تو جائے کہاں؟

لیلیٰ بیچاری آج کل بہت پریشان ہے، وجہ؟ الیکشن سر پر آپہنچے ہیں اور وہ ابھی تک فیصلہ ہی نہیں کرپائی کس پارٹی کی شرف قبولیت بخشے؟ اور کس کے جھنڈے کو لہرائے، کچھ دن قبل تو وہ عمران کی طرف جھکتی نظر آتی تھی کہ پھر یکا یک لیلیٰ اور عتیقہ اوڈھو جیسی خوبصورت (آہم کہنے میں کیا حرج ہے) کے قدر دان مشرف صاحب آٹپکے اور ان کی لبرل وپروگریسیو پالیسیز کے گن گانوں میں لیلیٰ سب سے آگے نظر آتی ہیں سو جس طرح پاکستان کے موجودہ نگران وزیراعظم کے انتخاب کا مسئلہ بن گیا تھا اسی طرح لیلیٰ کے لئے بھی سیاسی پارٹی کا انتخاب مسئلہ بن گیا ہے۔
دیکھتے ہیں آنے والے دنوں میں اداکاری کے میدان میں ناکام رہنے والی لیلیٰ کس پارٹی کو

اپنے لئے مناسب قرار دیتی ہے اس بات سے قطعہ نظر کہ آیا وہ پارٹی بھی لیلیٰ کو اپنے قابل سمجھتی ہے یا نہیں......؟

شہرت کا سستا انداز

آج کل نیٹ یوزر کسی بھی سرچ انجن پر وینا ملک لکھ کر وینا کی ایک سے بڑھ کر ایک شاہکار تصاویر دیکھ سکتے ہیں ایسی تصاویر جنہیں دیکھ کر وینا کی پچھلی تمام متنازع تصاویر، کسی گنتی میں نہ آئیں، مگر حیرت کا مقام یہ ہے کہ اب کوئی اعتراض سامنے نہیں آیا اور وینا بیچاری کوشش کرکر کے تھک گئی ہے کہ ایک بار پھر اسی پٹی پٹائی وجہ (متنازع فوٹو سیشن) کے حوالے سے خبریں بنیں، مگر لگتا ہے کہ لوگوں کا انٹرسٹ بدل گیا پاکستان میں الیکشن قریب ہیں تو وینا صاحبہ نے ایک اور سوشہ چھوڑا کہ پاکستان کی کئی سیاسی پارٹیاں اسے شریک سفر بنانا چاہتی ہیں وینا جی پاکستان کی کوئی سیاسی پارٹی اب اتنی بھی احمق نہیں کہ مہنگائی، کرپشن جوڑ توڑ اور امریکی غلام جیسے الزامات کے بعد وینا نامی الزام کو بھی گلے لگا کر اپنی ناؤ کے ڈوبنے کا انتظام مکمل طور پر کر لے

☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

شربت بادام

اشیاء

مغز بادام شیریں	دس چھٹانک
الائچی کلاں	چار تولہ
صندل سفید	آٹھ تولہ
چینی	ایک کلو
پانی	مناسب مقدار

ترکیب
سب سے پہلے مغز، بادام، الائچی، کلاں اور صندلی سفید کو کھرل میں ڈال کر سردائی بنائیں اور چھان کر رکھ لیں، اس کے بعد پانی مناسب مقدار میں لے کر قلعی شدہ برتن میں ڈال کر آگ پر چڑھائیں اور گرم ہونے پر اس میں چینی ملائیں اور ہلاتے جائیں، ایک تار کا قوام تیار ہوجانے پر سردائی ڈال کر چار تار کا قوام بنا کر نیچے اتار لیں، ٹھنڈا ہونے پر بوتلوں میں بھرلیں۔

انناس کا شربت

اشیاء

انناس	آٹھ چھٹانک
گلاب کا عرق	ڈیڑھ کلو
چینی دانے دار	آٹھ چھٹانک

ترکیب
پھلوں کو چھیل کر بے کار اور غیر ضروری حصہ نکال دیں، اب انناس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں، یہ ٹکڑے پتلے ہوں تو بہتر ہے، ایسے باریک چھوٹے اور پتلے ٹکڑوں کو آٹھ چھٹانک لے کر کلو بھر گلاب کے عرق کے ساتھ آگ پر آدھ گھنٹے تک رکھ کر پکائیں اور پھر اتار لیں۔
پھلوں کو گلاب کے عرقمیں ہی کچل لیں تاکہ ان کا سارا عرق نکل جائے اور پھر کپڑے سے نکال لیں، بچے ہوئے گلاب کے عرق میں چینی پکائیں تاکہ شربت حاصل ہوسکے، دس منٹ بعد انناس کا رس اس میں ڈال دیں اور پندرہ منٹ تک اور پکنے دیں تاکہ یہ ایک جان ہوجائے، دو چھٹانک پانی میں ایک تولہ ڈال کر استعمال کریں، یہ طاقت بخش ہے اور ہاضمہ کو درست رکھتا ہے، اس شربت کے بہت سے فائدے ہیں۔

کافی، خوبانی اور دودھ کا مشروب

اشیاء

کافی ٹھنڈی کی گئی	ڈیڑھ کپ
خوبانی کا رس	ایک کپ
ٹھنڈا دودھ	آدھا کپ
کافی، آئس کریم	(بیس اونس)

ترکیب
ایک بڑے کپ میں کافی، خوبانی کا رس اور دودھ آپس میں ملائیں، اس آمیزے میں آئس کریم ڈال کر اس وقت تک پھینٹتے رہیں جب تک تمام یکجان نہ ہوجائیں، ٹھنڈے گلاسوں میں ڈال کر پیش کریں۔

شربت انگور

اشیاء

شیریں انگور کا رس	ایک کلو
چینی	ایک کلو

ٹارٹرک ایسڈ	چار ماشہ
عرق کیوڑہ	ایک چھٹانک

ترکیب

برتن میں ایک کلو پانی ڈال کر آگ پر رکھیں اور اس میں ایک کلو چینی ملا دیں اور ملاتے جائیں، چینی کے حل ہونے کے بعد جھاگ اٹھنے پر چمچے سے میل نکال کر باہر پھینک دیں، اس کے بعد انگور کا رس اس میں ملا دیں جب قوام ایک تار کا بن جائے تو نیچے اتار کر موٹے کپڑے سے چھان لیں، جب قدرے ٹھنڈا ہو جائے یعنی نیم گرم ہو تو اس میں عرق کیوڑہ ڈال دیں، ٹھنڈا ہونے پر بوتلوں میں رکھ لیں، بہترین شربت تیار ہے۔

فالسے کا شربت

اشیاء

فالسے	پانچ سو گرام
چینی	چھ سو گرام
پانی	ایک لیٹر
سٹرک ایسڈ	آدھا چھوٹا چمچہ

ترکیب

فالسوں کو اچھی طرح صاف کریں، تھوڑے پانی میں فالسے ڈال کر ہاتھوں کے ذریعے مسلیں اور گٹھلیاں الگ کریں، گودا ملا پانی مکسر میں ڈال کر پتلا رس نکال لیں، چینی اور پانی ملا کر چینی حل ہونے تک پکائیں، چھان کر ایک تار کی چاشنی بنائیں، رس ڈال کر تھوڑی دیر تک پکائیں، اسے ٹھنڈا کر کے سٹرک ایسڈ ملائیں، اب اس شربت کو صاف خشک بوتلوں میں بھر کر رکھیں، اب اس کو انگور کے تیار شربت میں اچھی طرح ملا دیں۔

صاف اور خشک بوتلوں میں اس مشروب کو بھر کر ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیں۔

گرمی میں آئے مہمانوں کو برف اور ضرورت کے مطابق پانی ڈال کر اس مشروب کو ملا کر پیش کریں۔

کچے آم کا شربت

اشیاء

ابلے کچے آم کا گودا	دو کپ
چینی	چار کپ
نمک	ڈیڑھ چھوٹا چمچہ
بھنا پسا زیرہ	ایک چھوٹا چمچہ
پسا پودینہ	ایک چھوٹا چمچہ
پانی	دو کپ

ترکیب

پانی اور چینی ملا کر چاشنی بنا لیں، چاشنی کو ٹھنڈا کر کے چھان لیں، آم کا گودا مکسر میں ڈالیں، نمک اور پودینہ ڈالیں اور مکسر چلا کر باریک پیس لیں، تیار چاشنی میں پسے ہوئے کچے آم کا مرکب ملائیں، صاف اور خشک بوتلوں میں بھر کر رکھیں۔

پینے یا پلانے کے وقت ایک حصہ رس یا شربت میں تین حصے پانی اور چورا برف ملائیں۔

☆☆☆

''مبارک باد''

ہماری پیاری مصنفہ سمیرا گل عثمان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازتے ہوئے پیاری سی گڑیا کی والدہ کے رتبے پر فائز کیا ہے جس کا نام سمیرا گل نے ہبۂ عثمان رکھا ہے ادارہ حنا کی طرف سے سمیرا گل اور ان کی تمام فیملی کو دلی مبارک باد۔

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

آپ کی خوشیوں اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اگرچہ آج کی دنیا بڑی تیزی سے تبدیلی کی جانب بڑھ رہی ہے، لیکن جیسے جیسے ہم ترقی کرتے جا رہے ہیں، ویسے ویسے مسائل کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، ہر شخص انتشار کا شکار ہے، اس کی ایک بڑی وجہ حقوق و فرائض سے روگردانی، نفسا نفسی، خود غرضی اور ہمارے سماجی رویے ہیں، رویہ انفرادی طور پر کسی فرد کا ہو یا اجتماعی طور پر کسی قوم کا، اس کا اثر ہونا یقینی بات ہے۔

اگر ہمارے سماجی رویے مثبت ہوں، ان میں ایثار و قربانی کا جذبہ، محبت و احترام کی کارفرمائی ہو یا اجتماعی طور پر کسی قوم کا، اس کا اثر ہونا یقینی بات ہے اگر ہمارے سماجی رویے مثبت ہوں، ان میں ایثار و قربانی کا جذبہ، محبت و احترام کی کارفرمائی ہو تو وہ پرخلوص معاشرے کی تکمیل میں اہم ثابت ہو سکتا ہے۔

ایک دوسرے کے دکھ سکھ کو سمجھیں، سب انسانوں کو ایک جیسا اور برابر سمجھیں اور زندگی میں اصولوں پر عمل تو نہ صرف زندگی سہل ہو جائے گی بلکہ آپ دلی طور پر مطمئن رہیں گے۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا اللہ پاک ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں، یہ پہلا خط ہماری مصنفہ عالی ناز کا گوجرانوالہ سے ہے آیئے دیکھتے ہیں وہ کیا لکھتی ہیں۔

ماہنامہ حنا اپریل 2013ء مجھ تک چھ اپریل کو پہنچا، فہرست پر نظر ڈالی تو اپنا اور اپنی کہانی کا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اسلامیات پورے کا پورا پڑھا، اس کے بعد انشاء نامہ اور انٹرویو سے ہوتے ہوئی نظر سیدھی مکمل ناول پر جا کر ٹھہری۔

مکمل ناول میں مصباح نوشین نے اس بار کمال کر دیا ہے، ''محبت فاتح عالم'' بہت ہی پسند آیا، اتنا اچھا ناول پڑھ کر میں مصباح نوشین کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکی، دوسرا ناول مصباح علی تارڑ جی کا ہے تو ان کے بھی کیا ہی کہنے جناب، دل جیت لیا آپ نے میرا، مصباح نام کی ساری رائٹرز ہی شاید ''دی بیسٹ'' ہوتی ہیں، مصباح تارڑ جی آپ کے ناول کی اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار رہے گا یار جلدی سے اس ناول کو مکمل کر دیں۔

اس کے بعد ناولٹ کی باری آئی تو ''مبشرہ ناز'' کا ''مختصر زندگی ان گنت خواب'' بڑے شوق سے پڑھا، ناولٹ کہانی جتنی اچھی تھی اینڈ اتنا انٹرسٹنگ نہیں رہا، اگلی باری سندس جبیں کی آئی، سندس جبیں کے لئے ایک خاص پیغام دینا چاہوں گی کہ میں آپ کو اپنی فرینڈ زیبا کے توسط سے جانتی ہوں، آپ کا ایم اے انگلش کمپلیٹ ہوا اس کے لئے خصوصی مبارکباد۔

افسانوں کی باری آئی تو صبا جاوید کا ''تتلی کے پروں پر'' پہلے پڑھا اور اس کے بعد اپنے افسانے کو ایک نظر دیکھا۔

صبا جاوید کا افسانہ بہت اچھا تھا، واقعی انسان جس خود غرض بن کر کوئی حماقت کر بیٹھتا

ہے تو زندگی میں کسی نہ کسی موڑ پہ پچھتاوا ضرور اس کا ساتھی بنتا ہے، سلسلہ وار ناولز میں اُم مریم صاحبہ کی انیسویں قسط پڑھی پر مجھے سمجھ نہیں آئی کہ مریم جی اتنا رومانس لکھ کیسے لیتی ہیں، معاذ اور پرنیاں کے سلسلے میں انہوں نے بہت لکھا ہے جبکہ مجھے جہان کی سٹوری زیادہ پسند ہے۔

فوزیہ غزل اپنی کہانی ''وہ ستارہ صبح امید کا'' کو بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھا رہی ہیں۔

''کتاب نگر سے'' مستقل سلسلے میں سیمی کرن کا نام دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی، کہ ''سیمی کرن بہت ہی ''پڑھاکو'' بچی ہے یار، نجانے کیسے اتنی کتابیں پڑھ پڑھ کر ان کے بارے میں لکھ بھی لیتی ہے، ویری امپریسو یار، اس بار انہوں نے قدرت اللہ شہاب کی تصنیف ''ماں جی'' پر بہت اچھا تبصرہ کیا ہمیشہ کی طرح ویسے مستقل سلسلوں میں اس سلسلے کا آغاز اور اضافہ مجھے بھی بے حد پسند آیا ہے۔

اس کے بعد حاصل مطالعہ، بیاض اور رنگ حنا پڑھے، عبداللہ جی کا خبر نامہ بڑے مزے کا ہوتا ہے، ان کا انداز خبر کو چٹ پٹا بنا دیتا ہے۔

حنا کے دستر خوان سے مستفیض ہوتے اپنے موسٹ فیورٹ سلسلے ''کس قیامت کے یہ نامے'' تک پہنچے، اس میں سیمی کرن، عمارہ امداد، نسرین خالد، رانی، اجالا نور، اور رباط سویرا سب کے خطوط میں اپنی کہانیوں اور تحریروں کی تعریف پڑھ کر ہم تو پھولے نہ سمائے، اتنی خوشی ہوئی کہ بتا نہیں سکتی، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ قارئین کرام میری فنی سٹوریز کو اس قدر سراہیں گے، اس کے علاوہ بھی مجھے بہت سی مبارکبادوں کی صولی سے پتہ چلا کہ آپ لوگوں نے میری تحریریں بہت پسند کی ہیں، شکریہ جناب، انشاءاللہ کوشش کروں گی کہ آئندہ بھی آپ کو اسی طرح ہنساتی رہوں، بس دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے ابو جان کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرمائیں۔

آبی ناز اس محفل میں خوش آمدید اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کے والد صاحب کو اللہ تعالیٰ جلد صحت کاملہ عطا کریں آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہیں آئندہ بھی اس محفل کو رونق بخشتی رہیے گا آپ کی رائے کے ہم منتظر رہے گے شکریہ۔

تنزیلہ اکبر اور مونا عاشق: لاہو سے تشریف لائی ہیں اور اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

ماہنامہ حنا اس بار دس اپریل کو ملا، ٹائٹل کے کیا ہی کہنے، اپنی بیسٹ اداکارہ عائزہ خان کو دیکھ کے دل باغ باغ ہو گیا، ان کا انٹرویو شائع کرنے کا بے حد شکریہ، سردار محمود صاحب کی باتیں ''ہماریاں'' بہت ہی اچھی ہوتی ہیں، اسلامیات اور انشاء نامہ دونوں بہت اچھے تھے، سلسلے وار ناولز کو دونوں لکھاری اچھی ترتیب سے لے کر چل رہی ہیں، مکمل ناول میں مصباح علی تارڑ اور مصباح نوشین دونوں نے کمال کر دیا، سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس کی تعریف زیادہ لکھوں، دراصل دونوں ہی چھا گئی ہیں دل و دماغ پہ، مصباح تارڑ سے ریکوسٹ ہے کہ پلیز دوسری قسط میں جلد از جلد کہانی مکمل کر دیں پلیز، ''محبت فاتح عالم'' بہت اثر انگیز کہانی تھی، مختصر زندگی بائے مبشرہ ناز بھی ٹھیک تھا، افسانوں میں صرف دو افسانے دیکھ کر حیرت ہوئی پر عابی ناز کا نام دیکھ کر دل بلیوں اچھلنے لگا، بھئی کیا بتائیں دو تین کہانیوں میں ہی وہ ہماری فیورٹ رائٹر بن گئی ہیں، ان کے گدگداتے جملے بہت ہی روانی میں لکھے محسوس ہوتے ہیں، مگر اس بار ان کی کہانی سنجیدگی بلکہ بہت زیادہ سنجیدگی لئے ہوئے تھے، عابی ناز جی آپ سنجیدہ تحریر بھی لکھ سکتی ہیں وہ بھی اتنی کمال، امیزنگ، ''تسبیح شکرانہ'' اور صبا جاوید کا ''تتلی کے پروں پر'' دونوں افسانوں نے ساری شکایتیں دور کر دیں، مستقل سلسلے سبھی بہت پسند ہیں، لازمی پڑھتی ہوں، آج تک میں نے کسی بھی شمارے میں نہیں لکھا پر عابی ناز کی پچھلی دو کہانیاں پڑھ کر ہم نے بھی باہمت بنتے ہوئے یہ کارنامہ سرانجام دے ہی دیا کہ ڈائریکٹ خط ہی لکھ دیا، عابی باجی کو ہمارا خصوصی اسلام اور انہیں کہیں کہ وہ مزید پھلجڑیاں چھوڑتی رہیں، کوئی مکمل ناول بھی لکھ دیں۔

تنزیلہ اکبر، مونا عاشق خوش آمدید اس محفل میں اپریل کا شمارہ آپ کے ذوق پر پورا اترا جان کر خوشی ہوئی آئندہ بھی اس محفل میں آئی رہیے گا اور اپنی قیمتی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا عابی آپ کی محبت پہنچائی جا رہی ہے الفاظ کی صورت، اپنا خیال رکھیئے گا ہم آپ کی چاہتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

شگفتہ رحیم: محبتوں کے پھول لے کر گوجرانوالہ سے آئیں ہیں اور لکھتی ہیں۔

اس بار حنا کا شمارہ اپریل کی پندرہ کو ملا، ٹائٹل پر نگاہ پڑی تو اچھل ہی پڑے، عائزہ خان بہت پیاری لگ رہی تھیں۔

سردار محمود صاحب کی باتیں سنتے حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھنے کے بعد، ''کتے کے کاٹنے کا نسخہ'' دیکھا جس سے مستفید ہوئے، بات کہانیوں کی ہو تو سلسلے وار ناولز کو فوزیہ غزل اور اُم مریم اچھا طرح آگے بڑھا رہی ہیں۔

مکمل ناول میں ''میری وحشتوں کو قرار دے'' کی پہلی قسط بہت ہی انٹرسٹنگ تھی اتنا مزہ آیا پڑھ کر کہ تب سے ہی اس کے دوسرے اور آخری حصے کا بے صبری سے انتظار شروع کر دیا، ''محبت فاتح عالم'' میں مصباح نوشین نے بھی مصباح تارڑ کی طرح بے حد ہی کر دی۔

یار کیا کمال ناول تھے دونوں، مصباح نوشین ویل ڈن یار ویری ویل ڈن تمہارا ناول بہت ہی اثر انگیز تھا اور مجھے تو ویسے بھی ہمیشہ وہی کہانیاں پسند آتی ہیں جن میں ہیرو یا ہیروئن مر جائے، ''مختصر زندگی ان گنت خواب'' مبشرہ ناز کی اچھی کہانی تھی، بہت پسند آئی، پڑھتے پڑھتے کب کہانی ختم بھی ہو گئی پتہ ہی نہیں چلا (اتنا مگن تھے انداز تحریر میں) افسانوں میں دو ہی افسانے صبا جاوید کا ''تتلی کے پروں'' پر اور عابی ناز کا ''تسبیح شکرانہ'' تھے مگر دونوں بے حد اچھے تھے، عابی ناز مجھے تمہارا نام بہت ہی پسند ہے یار، اتنا چھوٹا اور یونیک سا نام ہے تمہارا، تمہاری کہانی کے مین کردار یعنی ظل جنت کا نام بھی بہت بہت بہت ہی اچھا ہے، مجھے تو اس قدر بھایا ہے کہ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹی عطا کی تو میں اس کا نام ظل جنت ہی رکھوں گی، صبا جاوید اور عابی ناز دونوں کی کاوش بہت قابل قدر ہے، عابی یہ شاید تمہاری پہلی سنجیدہ کہانی تھی مگر یقین مانو بہت حیرت ہوئی کہ ایک کامیڈی رائٹر بھی اتنی اچھی اور سنجیدہ کہانی لکھ رہی ہے، ویری گڈ (تم شاید ہر فن مولا ہو)

مستقل سلسلے میں کتاب نگر سے اور میری ڈائری سے مجھے بہت پسند ہیں اس کے علاوہ کس قیامت کے یہ نامے اور دستر خوان کو سجانے کی نت نئی تراکیب ضرور پڑھتی ہوں اور یہ ڈشز ٹرائی بھی کرتی رہتی ہوں، چونکہ میں ہاؤس وائف ہوں تو اس لئے گھر والوں کو بھی نئی نئی ریسپی اور ڈشز کا مزہ دوبالا ہو۔

شگفتہ رحیم خوش آمدید ہمیشہ حنا کے پسند

کرنے کا شکریہ، لیکن یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ آپ ہیرو یا ہیروئین میں سے ایک کو مار کر ہی اپنی پسندیدگی کی سند کیوں بخشتی ہیں، بتایئے گا ضرور اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

کومل افتخار: کراچی سے لکھتی ہیں۔

پہلے میں اپنا تعارف کروا دوں میرا نام کومل افتخار ہے، ایف اے کے بعد شادی ہوگئی تھی لیکن شادی کے بعد پڑھائی جاری رکھی اور اب ایم اے اردو ہوں، میرے ماشاءاللہ تین بچے ہیں اور بہت کیئرنگ شوہر ہیں، میں پچھلے پندرہ سال سے حنا کی خاموش قاری ہوں، کئی بار دل چاہا کے حنا میں حاضری لگواؤں مگر پھر فرصت کی کمی اور پھر میری اپنی سستی آڑے آتی رہی، مگر آج ہمت کر ہی لی آخر حنا کا اپریل کا شمارہ ابھی مکمل نہیں پڑھا سرورق بہت دلکش ہے، میں تو مجموعی تبصرہ کرنا چاہ رہی ہوں، حنا میں بہت اچھی رائٹرز نے لکھا نئی رائٹرز آج نامور رائٹرز بن چکی ہیں، کچھ نئے نام آ گئے پرانے کہیں کھو گئے، جیسے زرنین آرزو بہت اچھا لکھتی تھی، مریم ماہ منیر کے دو سلسلے وار ناول چلے، پھر غائب ہوگئیں، فریدہ جاوید فری، مسز بلوسم فیاض، غائب ہوگئی اور بہت سے نام جواب نظر نہیں آتے، لیکن حنا میں نئی رائٹرز نے بھی بہت کمال لکھا ہے، جیسے ام مریم بہت اچھا لکھ رہی ہیں، بس ذرا شاعری کم شامل کیا کریں اپنے ناولز میں اور فوزیہ غزل بہت بولڈ لکھتی ہیں اور بہت رومینٹک بھی مگر اچھا لکھتی ہیں، نئی رائٹرز نادیہ ضیاء، عشنا بھٹی، ظل ہما، مصباح نوشین بھی خوب لکھ رہی ہیں اور سباس گل جی کی تو بات ہی الگ ہے وہ مزاح لکھیں، محبت کی کہانی لکھیں یا معاشرے کی تلخ اور دردناک حقیقتیں بیان کریں ان کی ہر تحریر دل کو چھو لیتیں ہیں، ان کے افسانے ناول بھی ہمیں پسند ہیں، ہر تحریر میں کوئی پیغام ضرور ہوتا ہے۔

اپریل کے حنا میں مصباح نوشین کا ناول ''محبت فاتح عالم'' بہت زبردست تھا مگر اینڈ دکھی تھا، ''کس قیامت کے یہ نامے'' میں خطوط بہت کم ہوتے ہیں تو معافی چاہتی ہوں اور فوزیہ باجی حنا میں کتابت کی غلطیاں ہوتی ہیں ان پر بھی توجہ دیں اور ایک گزارش ہے کہ حنا میں تبدیلیاں بھی ضروری ہیں گزشتہ کچھ سالوں سے تو حنا کو ایک ہی ڈگر پہ چلتا دیکھ رہی ہوں، اب کتاب نگر کا سلسلہ شروع ہوا ہے اچھی تبدیلی ہے، قارئین کے خطوط میں کئی بار پڑھا کہ انہوں نے تجاویز بھیجی ہیں اور آپ نے جواباً کہا کہ آپ کی تجاویز نوٹ کرلی گئی ہیں اور ان پر عمل کی کوشش کریں گے مگر اس سلسلے میں کوئی کوشش نظر نہیں آئی، پڑھتی ہوں اور ہاں سندس جبیں بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں، سب رائٹرز اور قارئین کو میرا اسلام قبول ہو، پتا نہیں آپ میرا خط شائع کرتی ہیں یا نہیں مگر مجھے انتظار رہے گا مئی کے حنا کا اور اپنے خط کا۔

کومل افتخار اس محفل میں خوش آمدید ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے شادی کے بعد بھی اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا بات لگن کی ہے، ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیاں عطا کرے جیسے آپ نے اپنی رائے لکھی ایسی ہی باقی سب کو بھی حق حاصل ہے، سباس گل سے آپ کی محبت دیکھ کر ہمیں بھی اچھا لگا ایک مزے کی بات ہم آپ کو بتائیں کہ آپ نے حنا کا جو ایڈریس لکھا اس کو دیکھ کر ہم تو سباس کا ہی خط سمجھے تھے نئے سلسلے بھی جلد شروع کر رہے ہیں، آئندہ جلد اپنی رائے سے آگاہ کیجئے گا ایسا نہ ہو کہ پھر پندرہ سال بعد آپ حنا کو خط لکھنے کا سوچیں اپنا خیال رکھیے گا۔

☆☆☆